رحمۃ للعالمین

جلد سوم

از

علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری

مکتبہ [illegible] قرولباغ نئی دہلی

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

رحمۃ للعالمین

سیرۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ

وآلہ واہل بیتہ وسلم

از

علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری سیشن جج ریاست پٹیالہ

پبلشر

مینیجر اخبار مسلمان سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ (پنجاب)

ضروری گذارش

بعد الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

خدائے ذوالجلال والاکرام کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اسکے حبیب پاک کی سیرت کا اہم ترین حصہ اور میرے مخدوم و محترم علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کا آخری سرمایہ جو رحمۃ للعالمین جلد سوم کے نام نامی سے موسوم ہے اس ناچیز کے ہاتھوں اشاعت پذیر ہو رہا ہے کتاب کی طباعت میں اگرچہ میں نے نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا ہے مگر پھر بھی مجھے اعتراف ہے کہ پریس کی بعض مجبوریوں نے مجھے مرحوم کی اس آخری امانت کے شایان شان کام نہیں کرنے دیا اور جس اعلیٰ پیمانہ پر میں شائع کرنا چاہتا تھا نہیں کر سکا۔

مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ میں اس کتاب کی فہرست مضامین اس طرز اور نہج پر مرتب نہیں کر سکا جس طریق پر پہلی دو جلدوں کی فہرست شائع کی گئی تھی۔ مصنف مرحوم نے جو جو عنوانات مقرر کئے تھے فہرست میں وہی دکھائے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایک عنوان کے ماتحت بیسیوں ایسے مسائل ہیں کہ ان پر الگ الگ عنوانات مقرر ہو سکتے ہیں ناظرین جب دیکھیں گے تو انہیں خود بخود اسکا علم ہو جائے گا۔

خاتمہ پر مجھے اپنے مخدوم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے اس ناچیز کی درخواست پر رحمۃ للعالمین کو ایک نظر دیکھا اور مختصر سا مقدمہ لکھا۔ علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان مرحوم جیسے فاضل کی تصنیف کا صحیح قدر دان سید سلیمان ہی ہو سکتا ہے ع

— قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری —

اسکے بعد مجھے اپنے مکرم مولانا قاضی عبدالعزیز صاحب عزیز بی اے خلف الصدق علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب مرحوم کا ممنون احسان ہونا چاہیئے کہ انہوں نے مرحوم کے ان منتشر اوراق کی ترتیب میں میری مدد کی اور یہ بھی وعدہ دیا کہ وہ مرحوم ہی کے مسودات سے مرحوم ہی کے طرز پر رحمۃ للعالمین کی چوتھی جلد بھی تیار کریں گے جو جلد ہی مکمل ہو جائیگی۔ انشاءاللہ

خاکسار عبدالمجید خادم

ایڈیٹر اخبار مسلمان و مہتمم مسلمان کمپنی سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ پنجاب

یکم جولائی سنہ ۳۳ء

فہرست مضامین رحمۃ للعالمین جلد سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدمہ

رحمۃ للعالمین اور اسکا مصنف مرحوم

(از جناب علامہ سید سلیمان صاحب ندوی)

آج سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرۃ نبوی کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی۔ اسکے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی۔ یہ مولوی انشاء اللہ خان مرحوم ایڈیٹر وطن کی آواز تھی۔ انہوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان صاحب چونکہ اسکے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں اسلئے مولانا شبلی کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اسکے بعد خاموشی سے بیس برس گذر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصنیفوں کی کئی جلدیں ارباب شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت کی عزت پائی۔ پھر یہ کسکو خیال آسکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو چھوڑ کر کہیں چلے گئے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص باقی رہیگا جو فیوض و برکات سے ان دو شکستہ سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنادیگا۔ خدا کے سامنے میری کیا ہستی ہے مگر اس عزت پر نازاں ہوں کہ اس نے بزرگوں کے متروکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصہ میں رکھی۔

رحمۃ للعالمین کے مصنف سے بیس برس پہلے ۱۹۱۷ء میں واقف ہوا جبکہ حافظ عبدالحلیم صاحب تاجر کتب نے اپنے وطن لیسی میں سرہند کے قریب ریاست پٹیالہ میں واقع ہے ایک شفاخانہ کے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی عزت دی۔ مرحوم اس زمانہ میں ریاست پٹیالہ میں سیشن جج تھے۔ وہ بھی ریاست کے دوسرے عہدہ داروں کے ساتھ لیسی کے جلسہ میں آئے اور مجھ سے خلوص و محبت سے ملے اور دیر تک بعض پادریوں اور ربیوں کے ساتھ اپنے چند مناظروں کا ذکر فرماتے رہے۔ مناظروں کی محبت کا اثر تھا جو حقہ انشائی کی سرزمین میں ہم دونوں سے ہوا۔

مرحوم مجھ سے عمر میں بہت بڑے تھے۔ اور بزرگ تھے مگر ان کے حسن اخلاق و تواضع نے میری

وقت سے اعتراف اور اقرار نے اس تخم کی آبیاری کی اور رفتہ رفتہ اس درجہ اس نے بالیدگی پائی کہ اس شجر طوبیٰ کے سایہ میں بیٹھ کر بارہا آرام پایا۔ ندوۃ العلماء کی مجلس کے ہم دونوں ممبر تھے اور اس تعلق سے سال میں ایک دفعہ ضرور یکجائی نصیب ہوتی تھی۔ ایک دفعہ جب ندوۃ العلماء کی کونسل کا اجلاس ہو چکنے کے بعد ہو کر آئے تو اعظم گڈھ آکر دار المصنفین میں بھی دو راتیں بسر کیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے جانا کہ موصوف صاحب حال بزرگ ہیں ایسے خاموش آنسو باہر کو بہتے آنکھوں سے پہلی دفعہ دیکھا۔ اور لطف روحانی اٹھایا۔ مجھے حیرت سے پوچھا کیا ہے فرمایا یہ قدرتی امر ہے۔

مرحوم میں روشن خیالی کے ساتھ روشن ضمیری اور دماغی قابلیت کے ساتھ روحانی کیفیت یکجا تھی۔ وہ مسلک کے ملا اور دل کے صوفی تھے۔ صاف تھے مگر متقی تھے تبلیغ کے دلدادہ تھے صلح پسند اور خدا کے ساتھ تھے علم کی نمائش پسند خاطر نہ تھی اور ان سب سے بالاتر جو وصف تھا وہ ذات پاک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شیفتگی اور عقیدت تھی وہ حج کیے۔ اور آخر دوسرے حج میں دیار حبیب میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی اور عبودیت کا سر اس آستانہ اقدس پر اس طرح جھکایا کہ پھر نہ اٹھایا۔ عشق باطن نے ظاہری نعمت کیا کہ باطن کی سعادت بخشی کہ اس سرزمین میں ہمیشہ کیلئے جگہ دی۔ جسکے ذرہ ذرہ کے ساتھ انکی رگ رگ کو وابستگی تھی۔

مرحوم نے اسلام کے فضائل میں اور تفسیر و تاریخ میں اپنے بعد اپنی متعدد یادگاریں چھوڑیں مگر ان سب میں بہتر اور جامع انکی تصنیف رحمۃ للعالمین ہے جسکے دو حصے خود ان کی زندگی میں چھپ چکے تھے اور مقبول ہو چکے تھے اور اب تیسرا حصہ انکے بعد شائع ہوا ہے۔ اس حصہ کا موضوع اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے امتیازی خصوصیات ہیں ناظرین دیکھینگے کہ ایک عاشق رسول کے قلم نے عشق و محبت کے نشہ سرور میں علم و عقل کی فرزانگی اور ہوشیاری کے ساتھ کیسی نکتہ رسی اور دیدہ وری کی کیا کیا صنعتکاریاں کی ہیں افسوس کہ یہ چشمہ فیض ہمیشہ کیلئے خشک ہو گیا مگر مجھے یقین ہے کہ جبتک ہندوستان میں اسلام کا دریا لہریں لیتا رہیگا رحمۃ للعالمین کے یہ کاغذی سفینے مسلمانوں کی سلامتی ایمان کیلئے اس میں چلتے پھرتے تیرتے اور کھیتے رہینگے۔

مرحوم نے رحمۃ للعالمین لکھی رب العالمین نے اس دنیا میں اسکو قبول کے شرف سے ممتاز کیا امید ہے کہ اسکی رب العالمینی اور اسکے رسول کی رحمۃ للعالمینی دوسری دنیا میں بھی اسکی چارہ نوازی کریگی۔ س

رحمۃ للعالمین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جا بجا ہے مصنف مرحوم کو توراۃ اور انجیل پر کمال عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے انکو پوری واقفیت تھی۔ اسی بنا پر انکی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے۔

پیش نظر حصہ کہنے کو تو خصائص محمدی کے بیان میں ہے۔ مگر درحقیقت اس میں اسلام کے اُن امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ ہے جسکی بنا پر اسکو "دین کامل" کا خطاب ملا ہے۔ اسطرح اس میں آنحضرت صلعم کے وہ فضائل و محامد درج ہیں جنکی بنا پر آپکو خاتم النبیین اور مکمل دین کا پُرفخر خطاب باری تعالیٰ سے عطا ہوا ہے۔ مصنف کے دلائل ایسے دلنشین اور طرز ادا ایسا متین ہے کہ اسکی یہ تصنیف ہر صاحب ذوق کیلئے باعث تسکین ہوسکتی ہے۔ زمانہ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریق تبلیغ میں انقلاب پیدا کیا ہے مصنف مرحوم نے اسکی پوری نگہداشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الوف التحیات والسلام کے وہ تمام امتیازات اور محاسن جو اس دور میں کسی حیثیت سے بھی پیش کرنیکے لائق تھے مرحوم نے اُنکا پورا استقصا کیا ہے اور کہیں سے کسی کا ذرا سا نکتہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مناظرانہ طریق تصنیف میں سنجیدگی اور متانت کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے مگر جسطرح خود مصنف مرحوم اس وصف میں ممتاز تھے اسیطرح اُنکی یہ تصنیف بھی اس وصف میں امتیاز خاص رکھتی ہے، پوری کتاب مناظرہ اور احقاق حق کی داد دوں سے لبریز ہے تاہم کہیں تہذیب اور مذاق سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں ملسکتا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اگر اس دنیا کی مقبولیت سے اس دنیا کے اجر جزیل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے تو یہ کہتے میں قلم کو باک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصنف مرحوم کے جلائل اعمال میں اس تصنیف کا شمار ہوا ہوگا۔ اور غالباً یہی اُنکا ایک کام اُنکی مغفرت اور نجات کیلئے کافی ہوگا۔ کتاب کے دو پہلے حصوں نے عام ناظرین کے علاوہ اسلامی مدارس و مکاتب میں درس کی حیثیت سے بھی جگہ پائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ حصہ بھی اسیقدر مقبول ہوگا اور عام مسلمان اور طلبہ اسکے مضامین سے مستفید اور اُسکے مطالب سے بہرہ مند ہونگے۔

کسی مصنف کی یہ خوش قسمتی کیا کم ہے کہ اُسکے مرنیکے بعد بھی اُسکے قلم کا خیر جاری رہے انسان فانی مگر اُسکا عمل باقی ہے۔ مرحوم مصنف خاک کے کسی گوشہ میں آسودہ ہے مگر اُسکے ہاتھ کی جنبش نے کاغذ کے صفحات پر اخلاص و نیاز کے ساتھ جو گلکاریاں کی ہیں اُسکی بہار انشاءاللہ سدا قائم رہے گی اور اُسکی خوشبو ایمان کے مشام جان کو ہمیشہ معطر رکھیگی۔

ناظرین میرے ساتھ دست بدعا ہوں کہ مرحوم کو رضائے الٰہی کی بہشت جاوید میں درجات عالیات نصیب ہوں کہ اُسکے قلمی احسانات کا ہماری طرف سے یہی زبانی شکریہ ہوسکتا ہے۔

والسلام۔

۲۹ محرم ۱۳۵۲ھ

سید سلیمان ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ. وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ ـ وَاٰلِهِ الْمُرْسَلِيْنَ ـ قَيُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ بِالصِّدْقِ وَالنُّوْرِ الْمُبِيْنِ وَرَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ـ فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَخُلَفَآئِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

اٰمِيْنَ ـ اِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِيْنَ

امابعد ـ ناظرین کی خدمت میں کتاب رحمۃ للعالمین کی یہ جلد سوم نہایت ادب سے پیش کیجاتی ہے اس جلد کے مضامین عرصہ ہوا کہ قلم بند کئے جا چکے تھے ـ لیکن سیرت نگار کے بیمار ہو جانے سے فراہمی و ترتیب مضامین میں تاخیر پر تاخیر ہوتی رہی۔

احباب کا شوق اور تقاضے اور راقم الحروف کی ندامت بڑھتی رہی ـ اب ان مضامین کو فراہم کر دیا گیا ہے ـ لازم تھا کہ نظر ثانی کر لی جاتی مگر سفر حج کا داعیہ پیدا ہوا ـ اور یہ ضروری کام رہ گیا ـ اب توکلاً علی اللہ روانگی سفر مبارک سے پیشتر ان اوراق کو مطبع میں روانہ کر رہا ہوں[1] ـ اللہ تعالیٰ میری لغزشوں کو معاف فرمائے

قبل ازیں اس کتاب کی جلد اوّل اور دوم شائع ہو چکی ہیں ـ اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت عام ان کتابوں کو عطا فرمائی ہے ـ وہ محض اسی کا فضل خاص ہے ـ

---

[1] مصنف رحمہ اللہ کا ارادہ یہی تھا مگر افسوس کہ وہ پورا نہ ہو سکا اور آپ مسودہ نظر ثانی کیلئے اپنے ساتھ ہی لیگئے چنانچہ ریل اور جہاز میں یہی کام کرتے رہے اور چند نئے ابواب کا اضافہ بھی کر دیا اور مکہ معظمہ تک اسے بالکل مکمل کر دیا واپسی پر جہاز ہی میں آپکا وصال ہو گیا اور یہ مسودہ کچھ عرصہ تک آپکے اسباب ہی میں بند پڑا رہا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اب زیور طبع سے مزین ہو کر نذر ناظرین ہو رہا ہے اسی اثنا میں ہم نے مصنف رحمہ اللہ کی سیرت بھی مرتب کر لی ہے جو مسلمان کمپنی سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ نے شائع کر دی ہے آپ ان سے منگا کر ملاحظہ فرما سکتے ہیں ـ خادم حنفی عفی عنہ

بندہ سمت نقش نگار حروف چند کے فہم و تصور سے بالاتر تھا۔ کہ یہ کتاب مدارس اسلامیہ کے نصاب درسیہ میں داخل کیجائے گی۔ اور جامع عثمانیہ دکن۔ و جامع عباسیہ بہاولپور۔ و ندوۃ العلماء لکھنو۔ و دیوبند۔ و حمایت اسلام لاہور کے صاحبان فضل و کمال ان کتابوں کو جزو تعلیم قرار دینگے۔ اور جملہ مدارس ثانویہ اسلامیہ میں اسکی تدریس لازم قرار دی جائیگی۔

امید ہے کہ اب فتاح العادم اس جلد سوم کو بھی حسن قبول کے شرف سے مشرف فرمائے گا۔ اور بزرگانِ دین و علمائے صدق اس کتاب کا ملاحظہ مربیانہ التفات سے کرینگے۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

خاکسار محمد سلیمان سلمان منصورپوری۔

(پٹیالہ پنجاب)

باب اوّل

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خصوصیات نبوی کے متعلق متقدمین کی بھی چند کتابیں ہیں۔ جو اُسی زمانہ کے ایک خاص گروہ کے سامنے پیش کرنیکے لئے موزوں کہی جا سکتی ہیں۔

مہذا جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اُسی کو دُھرانا متلاشیانِ مزید کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔

خصائص النبی کو اگر پوری وسعت کے ساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم دفتر بنجائے لہذا جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف "ماحضر" کی تحت میں ہے۔ خصائص کا استنباط زیادہ تر آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حبیب کی خصوصیات کا جاننے والا۔ اور وہی اس کنزِ مخفی کی مفتاح عطا فرمانے والا ہے۔

کمیٔ علم۔ یا سوءِ فہم۔ کی وجہ سے جو غلطی مجھ سے ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

یہ باب دو فصول پر مشتمل ہے۔ اوّل خصوصیات وجود گرامی۔ دوم خصوصیات نبوت جسکے فیضان میں عالم و عالمیان بھی داخل ہیں۔ آخر میں ایک حدیث پاک سے طریقہ محمدیہ کی توضیح کیگئی ہے۔ نیز اسماءِ مبارکہ میں سے چند اسماءِ عالیہ کے معانی لکھ کر باب ہذا کو ختم کیا گیا ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

فصل اوّل

خصوصیّت نمبر ۱

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

محمد اللہ کے رسول ہیں (الفتح ع)

آیت بالا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی ہے۔ اور حضور کا منصب بھی بتا دیا گیا ہے

ہر دو اعتبار سے آیت بالا خصوصیات نبویہ کی مظہر ہے۔

(الف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کے اظہار میں حضور کا نام ہمایوں بھی اپنے

اندر خصوصیت رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ انبیاء کرام علیہم السّلام میں سے کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے

مسمٰی کے کمالات نبوت کا شاہد عدل ہو۔ بطور نمونہ چند اسماء کا ذکر کیا جاتا ہے

آدم۔ کے معنے گندم گوں ہیں۔ ابوالبشر کا یہ نام اُنکے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

نوح۔ کے معنے آرام ہیں۔ باپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔

اسحٰق۔ کے معنے ضاحک یعنی ہنسنے والا ہیں۔ ہشاش بشاش چہرہ والے تھے۔

یعقوب۔ پیچھے آنے والا۔ یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ توام پیدا ہوئے تھے۔

موسٰی۔ پانی سے نکالا ہوا۔ جب انکا صندوق پانی میں سے نکالا گیا۔ تب یہ نام رکھا گیا۔

یحیٰی۔ عمر دراز۔ یہ انکے ماں باپ کی بہترین آرزو کا ترجمان ہے۔

عیسٰے۔ سرخ رنگ چہرہ گلگون کیوجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

اسماء بالا کو دیکھو۔ اور اُنکے معانی پر غور کرو۔ کہ وہ کسیطرح مسمٰی کی عظمت روحانی یا نبوت

کی طرف ذراسی بھی اشارت نہیں رکھتے۔

مگر اسم "محمّد" کی شان خاص ہے۔

حضورؐ کا ذاتی نام محمّد بھی ہے اور احمد بھی۔ ہر دو اسماء ذاتی ہیں وحدتِ مادہ موجود ہے یعنی دونوں حمد سے بنے ہیں۔ اب معنی حمد کا سمجھنا ضروری ہوا۔

جب صفات ہیں کمال اور نعوت ہیں جلال اور فطرت ہیں احسان بر غیر اور فیضانِ عام کے فضائل جمع ہو جائیں تو اس مجموعی کیفیت کا نام "حمد" ہوگا۔

ثنا و تکریم، رفعت شان و رفعت ذکر اور استلزام جود و عطا کا مجموعہ حمد کہلاتا ہے حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات پاک سبحانی میں پائی جاتی ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا حرفِ لام یہی بتلا رہا ہے۔ اور اسم پاک حمید بھی اسی راز کا انکشاف کرتا ہے۔

سیدنا حسّان المؤید بروح القدس رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور قصیدہ کے مشہور بیت میں گویا اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّ هٰذَا مُحَمَّدٌ

محمّد۔ حمّد (مضاعف) سے مبالغہ کیلئے ہے۔ یہ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں۔ ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ زمرۂ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود ہیں اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں۔ جو لوگ حضورؐ کا کلمہ نہیں پڑھتے۔ وہ بھی اُن سجایا و شیم کے مداح ہیں، جن کا لزوم و ثبوت حضورؐ کے نام کے معنے اور حضورؐ کی ذات گرامی سے بدرجہ اتم ہے۔

ہاں حضورؐ ہی "مقامِ محمود" والے ہیں۔ اور "لواءُ الحمد" حضورؐ ہی کے رایت شاہی کا نام ہے۔ حضورؐ کی اُمت کا نام بھی انہی مناسبات سے "حَمَّادُوْن" ہے۔

محمد و احمد کے معانی میں الگ الگ فرق یہ ہے۔ کہ محمدؐ وہ ہے جسکی حمد و نعت جملہ اہل الارض والسماء نے سب سے بڑھ کر کی ہو، اور احمد وہ ہے جس نے رب السمٰوٰت والارض کی حمد و ثنا جملہ اہل الارض والسمٰوٰت سے بڑھ کر کی ہو۔ لہٰذا اسم پاک عَلَمْ بھی ہے اور صفت بھی وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات نبوت پر دال بھی ہے اور مدلول بھی۔

یہ وہ خصوصیت ہے۔ جس سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء ساکت و خاموش ہیں

ب۔ اسم پاک کے ساتھ رَسُوْلُ اللّٰہِ کا عَلَمْ بھی سورہ الفتح ع ۴۔ آل عمران ع ۱۵ میں

موجود ہے۔

رسول بروزن فعول بمعنی مرسَل ہے اللہ کی طرف مضاف ہونے سے اسکے معنے یہ ہوگئے ہیں کہ اُسکی رسالت صرف منجانب اللہ ہے۔ وہ کسی دوسرے کا پیغام نہیں سناتا۔ اور کسی دوسرے کی بات کا پہنچانا اُسکی شان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا جہاں یہ لفظ بشکل مضاف قرآن مجید میں مستعمل نہیں ہوا۔ وہاں معرف باللام مستعمل ہوا ہے اور اسی تخصیص کا عرفان دیتا ہے۔

آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کی تنزیل سے آشکار ہوگیا کہ فرقان حمید میں جہاں کہیں بھی اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی وحی موجود ہے اور جتنی آیات اسکی ہم معنے پائی جاتی ہیں۔ اُن سے حضورؐ ہی کی ذات بابرکات مقصود ہے اور حضورؐ ہی کو رب العالمین نے مطاع عالم اور سید الانبیاء والامم مقرر فرمایا ہے۔

یہ مسئلہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جملہ اہل اسلام کا ایمان رہا ہے مگر ہمارے زمانہ میں یہ عقیدہ محدثہ ایجاد کیا گیا کہ رسول سے مراد آیات الٰہیہ میں خود قرآن ہے۔ لہذا اطاعت قرآن فرض ہے۔ اور اطاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرض نہیں۔

آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (جو زیب عنوان ہے) کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے اس مسئلہ کا حل کیا جائے۔

اہل ایمان کو تدبر قرآن سے صاف طور پر واضح ہوجائیگا۔ کہ لفظ رسول کا اطلاق صرف انبیاء کرام پر یا اُن ملائکہ پر جو رسالت کا کام سرانجام دیتے تھے۔ فرمایا گیا ہے لیکن لفظ رسول کا اطلاق کسی کتاب پر کبھی نہیں ہوا۔ آیات ذیل پر غور کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ	اے قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں۔ میں تو اللہ کا رسول ہوں

حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (اعراف ع ۸)	اے قوم مجھ میں نادانی کی کوئی بات نہیں میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔	موسیٰ نے کہا اے فرعون میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔ (صف ع ۱)	جب موسیٰ نے کہا اے میری قوم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو۔ تم تو جان چکے ہو کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (النساء ع ۲۳)	سوا اسکے اور کچھ نہیں کہ مسیح عیسے بن مریم اللہ کا رسول ہے۔
مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ (مائدہ ع ۸)	مسیح بن مریم تو صرف رسول ہیں۔
وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (صف ع ۱)	عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ میں تمہارے لئے اللہ کا رسول ہوں۔

جبریل علیہ السلام کی زبان سے

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ (مریم ع ۲)	مریم سے جبریل نے کہا کہ میں تیرے رب کا رسول ہوں

آیات بالا سے ہویدا ہے کہ سیدنا نوح و ہود۔ موسیٰ و عیسےٰ اور جبریل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قرآن مجید میں رسول بتایا گیا۔

فیصلہ طلب یہ رہ جاتا ہے کہ سیدنا و مولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسول ہی فرمایا گیا ہے۔ تو پھر کیوں دیگر انبیاء کے ناموں کے ساتھ رسول کے معنے پیغامبر سمجھا جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہی معنے کیوں نہ سمجھے جائیں۔

ذیل میں وہ آیات درج ہیں جن سے کلمہ رسول اللہ کا ہونا حضور ہی کے لئے ثابت ہے نیز وہاں تاویلاً بھی کسی کتاب سے مراد نہیں ہوسکتی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ۔ (فتح ع ۳)	اللہ نے اپنے رسول کا خواب ٹھیک ٹھیک سچا کر دکھایا۔

یہ ظاہر ہے کہ خواب دیکھنا انسان کا کام ہے۔ کتاب کا نہیں۔ خواب نبی علیہ السلام نے دیکھا تھا۔ قرآن نے کوئی خواب نہ دیکھا تھا۔

(۲) إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (منافقون ع ۱)	جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری شہادت یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ

اُسکے رسول ضرور ہیں۔

منافقوں کا آنا جانا دربار نبوی میں تھا۔ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مخاطب کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا خطاب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جانب ہے۔ تین جگہ حرف "ک" خطاب موجود ہے۔

(۳) بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلٰى أَهْلِيْهِمْ (فتح ع ۲)	ہاں تمہارے برے گمان تو یہ تھے کہ رسول اور ایمان والے لوٹ کر اپنے اپنے کنبوں میں نہیں آئینگے

جانا۔ لوٹ کر آنا۔ بچ رہنا۔ کنبہ دار ہونا یہ صفات قرآن کے نہیں ہو سکتے۔ غور کرو۔ کہ رسول کو یہاں کنبہ دار۔ صاحب اہل وعیال بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ دیگر مومنین کو بھی کنبہ دار کہا گیا۔

اس سے آگے بڑھو۔ تو ایسی آیات بھی متعدد ملیں گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بشمول ذکر قرآن پاک ہے۔

(الف) يٰٓأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ (مائدہ ع ۱۰)	اے رسول پہونچا دیجیے جو کچھ کہ آپ پر نازل کیا گیا ہے۔

یقیناً قرآن مجید تو مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ ہے اور سیدنا محمد النبی الامی رسول ہیں جو آیت بالا میں مخاطب ہیں۔

نیز بَلِّغْ فرمایا اور فرض تبلیغ اُن پر عائد کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بھی غور رہے کہ إِلَيْكَ

کا مخاطب بھی رسول اللہ کے سوا اور کون ہے جس پر نزول قرآن ہوا۔

(ب) کَمَا اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا (بقرہ ع ۱۸)	جیسے اپنا رسول تم میں بھیجا ہے جو تم میں سے ہے اور وہ ہماری آیات تم پر پڑھا کرتا ہے۔

اٰیٰتِنَا تو قرآن مجید ہی ہے۔ اب اَرْسَلْنَا رَسُوْلًا کا مصداق کون ٹھہرا۔ وہ مِنْكُمْ والا کون ہے جسے قریش میں حسب و نسب بھی حاصل ہے۔ کلام اللہ المنان تو کسی حسب و نسب کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

(ج) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (توبہ)	شاندار رسول تمہارے پاس آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔

قرآن مجید کی ایسی کونسی شخصیت ہے جو نوع بشر کے ساتھ مشارکت بھی رکھتی ہے
المختصر قرآن پاک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام و نظم بیان فرمانے کے بعد حضور کا رسول ہونا۔ اور پھر بحکم الٰہی مطاع اور مفترض الطاعۃ ہونا ظاہر کر دیا۔ مگر قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی اَلْقُرْاٰنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ موجود نہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نہایت جزم و قطعیت کے ساتھ بتلا دیا۔ کہ سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ رسول پاک ہیں جن کا اتباع فرض ہے اور وہی کل عالم و عالمیان کے مخدوم و مطاع ہیں۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورہ نساء)	ہم نے ہر ایک رسول کو اس لئے بھیجا۔ کہ اسکی اطاعت اللہ کے اذن سے کی جائے۔

کا ظرف حضور ہی کیلئے ہے اور

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء)	اور جس نے اس رسول کی اطاعت کی۔ اسی نے اللہ کی اطاعت کی۔

کا فرمان واجب الاذعان حضور ہی کے احترام و احتشام میں نفاذ پذیر ہے۔ اور یہ آیۃ خصوصیت ہے جس نے حضور کی شان بلند و قدر ارجمند رفیع و اعلیٰ ثابت کر دیا ہے۔
جملہ آیات بالا سے ثابت ہو گیا۔ کہ محمد رسول اللہ ہی عبد اللہ کا فرزند آمنہ کا

جایا مکی المدنی الامی۔ الہاشمی القرشی الکنانی العدنانی فخر اسمٰعیل ذبیح اللہ۔ دعائے ابراہیم خلیل اللہ اور بشارت عیسےٰ مسیح علیہم السلام ہے۔

جن کی اطاعت عالم و عالمیان پر تا انقراض عالم و عالمیان فرض عین ہے۔ اور یہ امر حضور کی خصوصیت میں ہے۔

خصوصیت نمبر ۳

رَسُوْلًا مِّنْكُمْ (البقرہ ع ۱۸)

وہ رسول تم میں سے ہے۔

یہاں مِنْكُمْ کے مخاطب قریش مکہ بھی ہیں جو سارے عرب میں مقتدا و مطاع مانے جاتے تھے۔

نیز اسکے مخاطب جملہ بنی نوع انسان بھی ہیں۔

لہذا قابل غور ہے کہ مِنْكُمْ فرمانے میں کیا خوبی و مصلحت ہے؟

واضح ہو کہ حضورؐ سے پیشتر دنیا کی مشہور مشہور اُمم نے اپنے اپنے مقتداؤں کو جنس انسانی سے بالاتر ہونے کی عزت دے رکھی تھی۔

ہندوؤں میں ۲۴ کے قریب ایسے بزرگ ہیں جنکے نام کے ساتھ اوتار کا خطاب لگا ہوا ہے۔ اوتار کے معنے ہیں کہ خود خدا نے جنس انسان کا چولہ بدل لیا یعنی ابشر نے تشکل مادی اختیار کرکے جامۂ مخلوق پہن لیا۔ اور پھر انسان یا شیر یا ناگ یا کچھوا وغیرہ بنکر اپنی قدرت الوہیت کے نمونے ظاہر کئے۔

عیسائیوں نے بھی مسیح کو اوتار ہی کا درجہ دیا۔

اہل تبت نے دلائی لامہ کو خدائیت کی مسند پر بٹھلایا۔

اہل انگلستان نے کنگ آرتھر کی کرسی کو معدوم و غیر معصوم کی نشانت کا آلہ ٹھہرایا

اہل نارثے کا ووڈن بت صدیوں تک یوروپ کا خدا بنا رہا۔

تاتاریوں نے بھی آلنقوا بیگم کے مجہول النسب بیٹوں کو فرزندان نور قرار دیا۔
زنانِ مصر نے بھی جمالِ یوسفی دیکھا۔ تو جھٹ اُن کے بشر ہونے کی نفی کر کے اُنکو فرشتہ بزرگ کا لقب دیا۔

اِن حالات میں ایک سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اس حقیقت کا انکشاف فرماتے ہیں اور بشریت کو مخلوقیت کا برترین درجہ قرار دے کر خود کو بشر بتلاتے ہیں۔

اسی پاک لفظ "مِثْلُکُمْ" نے ایک طرف انسان کا اَشْرَفَ مَاکَانَ ہونا بتلایا۔ اور دوسری جانب اِن کوتاہ بینوں کو نظر بلند پرواز کا ہمعنان بنایا۔ توھمات کے بادل چھٹ گئے۔ ظنون واوہام کا پردہ پھٹ گیا۔ ناواقفیت کا حجاب اُٹھ گیا۔ اور نقش حقیقت لوحِ قلب پر جاگزین ہوا کہ ہر ایک انسان اپنے اعلیٰ ترین کمالات اور اقتدار فوق الطبیعیات کو رکھتا ہوا بھی بشر ہی ہوتا ہے۔

سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے سرورِ کائنات ہیں۔ کہ کمالاتِ عبدیت کا اتمام واختتام حضور ہی کے عنصر شریف بشریت پر ہوا۔
قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا ہے۔

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا۔ | نہیں ہوں میں مگر بشر اور رسول۔

پس "مِثْلُکُمْ" نے درجہ بشریت کو بالاتر بنادیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ہمایوں کو کوتاہ بینوں کی خیالی توجیہات سے ارفع واعلیٰ ثابت کیا ہے۔ جس سے حضور کا رسول رب العالمین۔ اور سید البشر اجمعین ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

خصوصیت نمبر ۳

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

تجھے علم سکھایا اُن چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔

اب لفظ عَلَّمَكَ ظاہر کرتا [illegible] اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی

دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوت [illegible] حسیات کے ذریعہ سے دیجاتی ہے پھر جب یہ تعلیم حواس انسانی میں [illegible] ہو جاتی ہے تو اس کا نام "تسلیم پا جانا" رکھا جاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیم اُن کے قلب [illegible] نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لہذا اللہ کی تعلیم دینے میں اور بندہ کی تعلیم [illegible] نمایاں تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ | ہم تجھے پڑھائینگے اور پھر تو نہ بھولے گا۔

تعلیم ربانی کا نسیان سے بری ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلم یا متعلم میں نہیں پائی جا سکتی۔

جب ہم قرآن پاک پر تدبر کی نگاہ ڈالتے ہیں اور احادیث پاک کو غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں [illegible] موجود ہیں۔ اور اخبار مستقبل بھی مذکور ہیں۔ اور عہد حال کے [illegible] ہیں تب یقین ہو جاتا ہے۔ کہ نبی الامی کو ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم [illegible] ماضی وحال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ [illegible] اختصاص ہے۔ کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو ان پڑھ ہونے پر فخر تھا۔

ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متمدنہ سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ پھر چالیس سال تک حضور کی زبان تعلیم و تعلّم سے ناآشنا بھی رہی۔

لیکن جب رب العالمین نے حضور کو اپنے تلمذ میں لیا تو حضور نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کھول دیئے۔ آیت اوّلین

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ	پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔

پر نگاہ ڈالئے۔ کہ حضور کی الف با تا حقیقت خلقت انسانی سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہ مسئلہ دقیق ہے جس میں منتہی فلسفی بھی حیران ہیں۔

لہذا آیت بالا حضورؐ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔

خصوصیت نمبر ۲

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (انشراح ع ۱)

کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھول دیا۔

شرح صدر کے متعلق ایک وہ روایت ہے جسے صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم صغرسنی سے ہے۔ جبکہ حضور دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ میں تھے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سینہ مبارک میں اثر مخیط بھی دیکھے تھے۔

شرح صدر کے متعلق دوسری روایت صحیحین میں انس بن مالک عن مالک بن صعصعہ والی ہے جس میں شق صدر شب معراج کو بمقام حطیم ہوا تھا۔

قرآن مجید میں جس شرح صدر کا مذکور ہے۔ وہ روایات بالا کی تصدیق فرماتا ہے اور با اینہمہ وسیع تر معانی کا بھی اظہار کرتا ہے۔ آیات ذیل پر غور کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا (انعام ع ۱۵)

جس شخص کو اللہ راہ راست دکھانا چاہتا ہے اُسکے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس شخص کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اُسکے سینہ کو تنگ بھنچا ہوا کر دیتا ہے

(۲) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (زمر ع ۲)

بھلا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے

(۳) وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ (نحل ع ۱۴)

لیکن جن کا سینہ کفر کیلئے کھلا ہے اُن پر اللہ کا غضب ہے۔

(۴) وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ (شعراء ع ۲)

میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان رواں نہیں

(۵) قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ (طٰہٰ ع ۲)

کہا اے رب میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان بنا دے۔

آیت اوّل میں شرح صدر اسی حالت کو فرمایا گیا ہے جب ہدایت الٰہی توفیق راہ اور رفیق سالک ہو جاتی ہے۔ اور سینہ میں دین صحیح کا شوق جوش زن ہوتا ہے۔

آیت دوم میں ہے کہ رغبت صحیحہ اور شوق صادقہ کے بعد دین حقہ حاصل ہو جاتا ہے اور پھر برکات دین کے انوار کا حصول ہوتا ہے۔

آیت سوم میں ہے کہ جس شخص کا رجحان و میلان بجانب کفر ہوتا ہے وہی شرح بالکفر کا مصداق ٹھہرتا۔ اور غضب الٰہی کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

آیات چہارم و پنجم موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہیں جب ان کو تبلیغ و انذار کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تب انہوں نے اس خدمت کو خوف و ہراس سے دیکھا اور عرض کیا کہ میرا سینہ اس بار خدمت سے تنگی پاتا ہے۔ اس حالت نے جرأت کو پیچھے ہٹا دیا ہے جب ان کو اطمینان مزید منجانب اللہ عطا فرمایا گیا تب انہوں نے آیت پنجم والی دعا کا استعمال کیا۔

پنجگانہ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کیلئے شرح صدر کا مفہوم یہ ہے کہ [illegible]

وحقانیت کا غلبہ ہوجائے۔ اور قلب کو وہ اطمینان کلی مل جائے۔ جو ہدایت ونور تک فائز ہوجانے کیلئے کافی ہو۔

نبی اللہ کیلئے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ ابلاغ وانذار کے لئے ہمت عالی۔ اور عزم راسخ اور استقامت محکم حاصل ہو۔ کسی بادشاہ کا جبروت۔ کسی کا ذکی فرعونیت کا رعب سینہ صافی پر سایہ افگن نہ ہوسکے۔ اپنی تنہائی بیکسی۔ بے سروسامانی کا خیال بھی اٹھ جائے۔

اب آیت زیب عنوان کو سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے ساتھ ملا کر پڑھو کہ جب حضور کو قُمْ فَاَنْذِرْ کا فرمان ملا۔ تو حضور نے کوئی عذر نہیں کیا کسی خوف و ہراس کا اظہار نہیں فرمایا تکذیب کا خوف قتل کا ڈر قلب پاک کے نزدیک بھی نہیں آسکے موسیٰ علیہ السلام نے تو ایک فرعون کے پاس جانا تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندین میں سینکڑوں ہی فرعون طینت تھے۔ فرعون تو ایک حکومت منتظمہ کا حکمران تھا۔ اس لئے اس نے قتل موسیٰ علیہ السلام کو باضابطہ کونسل میں پیش کر دیا تھا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ. قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ (شعراء ع ۳)	فرعون نے اپنے اردگرد کے سرداروں سے کہا کہ یہ تو بڑے علم والا جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ تم لوگوں کو جادو کی طاقت سے تمہارے ملک سے نکال دے اب تم بتلاؤ۔ کہ مشورہ کیا ہے؟

سرداروں نے کہا۔ کہ موسیٰ اور اسکے بھائی کو مہلت دیجئے۔

مگر عرب کے سفاک و خونریز تو نہ کسی کونسل کی رائے کے پابند تھے۔ اور نہ کسی سے مشورت کر سکنے روادار۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم ملتے ہی فوراً انذار و تبلیغ قوم کیلئے کھڑے ہوجاتے ہیں وہ سینہ جو اب تک علوم درسیہ سے بھی خالی تھا۔ نور و معرفت کا خزینہ اور ہدایت و عرفان کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ ہزاران در ہزار علوم و حکمت کے رموز و اسرار اس سے نکلتے۔ اور اہل دنیا دنیٰ کو ظلمات سے نور میں لانے کا سبب ٹھہرتے ہیں۔

آیات قرآنیہ پر تدبر کرنے والا یہ دیکھیگا کہ شرح صدر وہ مقام رفیع ہے۔ جسکے لئے موسیٰ علیہ السلام کو خود طلب و مسالت کرنی پڑی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از سوال یہ عطیہ

عطا ہوا۔ اور پھر خود رب العالمین نے حضور سے اسکی تصدیق کا سوال بطور استفہام تقریری فرمایا۔ تو واضح ہوجاتا ہے کہ آیت بالا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت علیا کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

خصوصیت نمبر ۵

وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (انشراح ع ۱)

ہم نے تیرے بوجھ کو تجھ پر سے اُتار دیا۔

وِزْر۔ بارگراں کو کہتے ہیں۔ حمل وزر کی دوسرے کو بارگراں سے سبکدوش کر کے خود اُسکی ذمہ داری کو لے لینا ہے۔ اسی معنی میں ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کوئی گنہگار کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ اُٹھائیگا۔

وَزِیر۔ وہ عہدہ دار ہے جو سلطنت کی تمام ذمہ داریوں کا مرجع ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر جب بار نبوت ڈالا گیا تو اُنہوں نے دعا کی تھی۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ (طٰہٰ ع ۲)	میرے کنبہ میں سے ایک کو میرا وزیر بنادے میرا بھائی ہارون اس منصب کا شایان ہے

اس سے ظاہر ہے کہ وظائف نبوت کی ادائیگی کچھ آسان نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو پہلے ہی دن وزیر ملنے کی درخواست کر دی تھی۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں یکہ و تنہا قدم رکھا تھا۔ اور آفتاب عالمتاب کیطرح فضا میں چھائے ہوئے تاریکی کثرت پر یا عالم پر طاری شدہ گہری ظلمت پر نظر نہ کرتے ہوئے بذات واحد علم توحید اور رایت تبلیغ کو بلند فرمایا تھا۔ اس ایثار و بے جگری۔ اور اس اطاعت و فرماں بری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خود حضور کی اعانت فرماتا۔ اور حضور کے بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے۔

زبان عرب میں موازرت بمعنی معاونت مستعمل ہے۔ وَازَرْتُ فُلَانًا مُوَازَرَةً کے معنی ہیں اَعَنْتُهٗ عَلٰى اَمْرٍ یعنی اُسکے کام میں مدد کی۔

وہ بوجھ کیا تھا؟ مفسرین کے اقوال متعدد ہیں۔ اور یہ ضروری ہے کہ بعض کو بعض پر ترجیح ہو۔ ترتیب کلام پر نظر غائر ڈالو۔ یہ آیت اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ اور رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ موزوں ہے کہ اس آیت کا زمانہ بھی ہر دو حالتیں کے درمیان میں ہو۔

اس وزر کا اندازہ مندرجہ ذیل آیات سے ہوسکتا ہے۔

(۱) لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (شعراء)	کیا تم اپنی جان کو اُن کی اس حالت پر ہلاک کر دو گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔
(۲) فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (یٰس)	اُنکی باتوں سے آپکے دل پر صدمہ نہ ہونا چاہیئے ہم اُن کی چھپی اور کھلی حالت کو خوب جانتے ہیں۔

اہل ضلالت کا کفر پر لزوم، شرک پر جمود، دلائل سمعیہ و براہین بصریہ پر التفات سے انکار، تقلید آباء پر اصرار، تحقیق حق سے فرار، فواحش کی کثرت، اباطیل کی اشاعت، انسانیت کا فقدان، بہیمیت کا زور، یہ سب وہ امور تھے جن کا سننا۔ دیکھنا حضور پر بار خاطر تھا۔ قوم کا ایسی نجاسات میں آلودہ ہونا حضور کے رحم پرور دل پر سخت صدمہ تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اعانت سے حضور کی تعلیم رفتہ رفتہ پھیلتی گئی۔ کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹتی گئیں۔ رب العالمین نے ملک کے گوشہ گوشہ سے اُن پاکیزہ منش لوگوں کو اُبھارا اور خدمت عالی میں اُنکو پہنچایا۔ جو اسلام کے لئے سابقین و اوّلین ٹھہرے۔

اُنہوں نے نہ صرف اپنے لئے غذائے روح حاصل کی۔ بلکہ سینۂ نبوی سے وہ ورثہ بھی اخذ کیا۔ جو درد مندوں کا غمگسار ٹھہرا۔ اور مجروحوں کا چارہ کار بنا۔ جنہوں نے سینکڑوں کے سامنے شمع ہدایت کو روشن کیا۔ اور ہزاروں کو صراط مستقیم کا منزل پیما بنایا۔ مثلاً صدیق الامۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُموی۔ فہری۔ تیمی۔ مخذومی۔ اسدی۔ عدوی قبائل میں نور تبلیغ پہونچایا۔ حبشی۔ بربری۔ سوڈانی۔ امرت و غلام کو مستفیض[۱] فرما چکنے کے مستفیضین کی جماعت میں داخل کیا۔

[۱] ان اشخاص ... ... سے۔

خاتم الخلفا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آل ہاشم و آل بنو طالب میں نصرت و معیت کا آوازہ لگایا، طفیل بن عمرو دوسی نے دوس کے ریگستان میں اور عروہ بن مسعود ثقفی نے طائف کے کوہستان کی چوٹیوں پر اس پیغام کو پہنچایا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں تبلیغ کا باقاعدہ مدرسہ کھولا۔ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار حبش میں اسی پیغام کی صدا بلند فرمائی۔

یہ وہ نظارہ تھا۔ جس نے حضور کے بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔ یہ وہ نظارہ تھا۔ جو حضور کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ بازو کی قوت اور کمر کی صلابت و استقامت اور قلب کا سکینہ بن گیا تھا۔

فی الحقیقت یہ وہ کمال ہے۔ جو سیدنا و مولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

خصوصیت نمبر ۶

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (انشراح ع ۱)

ہم نے تیرا نام بلند کر دیا

بحر الکاہل کے مغربی کنارہ سے لیکر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارہ تک کے بسنے والوں میں سے کون ہے۔ جس نے صبح کے روح افزا جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو۔ جس نے رات کی خموشی میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔[1]

---

[1] بغوی نے باسناد ثعلبی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل سے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی حقیقت دریافت کی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِيْ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس ارشاد الٰہی میں اذان و اقامت تشہد و خطبہ مراد ہیں۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں:

اغر علیه للنبوة خاتم * من الله مشهود یلوح ویشهد * وضم الاله اسم النبی مع اسمه * اذا قال فی الخمس المؤذن اشهد

وشق له من اسمه لیجله * فذو العرش محمود وهذا محمد

یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کو اُن کی ہستی کے بہترین آغاز و انجام کے اعلام سے سامعہ نواز ہیں۔

کیا رفعت ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے۔ آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں کسی ہادی کو اپنے حلقۂ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اُسکے مبارک نام کا اعلان ہر روز و شب اسطرح پر کیا جاتا ہو۔ کہ خواہ کوئی سُننا پسند کرے یا نہ کرے لیکن وہ اعلان ہے کہ پردہائے گوش کو چیرتا ہوا قعرِ قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے ہاں وہ اعلان صرف اُسکے نام ہی کا اعلان نہیں بلکہ اُسکے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں۔ بلکہ اُسکے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

بیشک یہ اعلیٰ خصوصیت صرف اُسی برگزیدہ انام کے نام نامی کو حاصل ہے جسکی رفعتِ ذکر کا ذمہ دار خود رب العالمین بنا ہے۔ اور جسکی بابت یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیشگوئی فرمائی گئی تھی۔ کہ "اسی کے نام کو برکت دی جائے گی"

(۲) طامس کارلائل کو دیکھو۔ یہ ایک پکا عیسائی ہے۔ اور سارے انگلستان میں تاریخ و زباندانی کی فضیلت سے اشہر المشاہیر میں داخل ہے وہ "ہیروز آف ہیروز" لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہ انبیاء میں سے صرف حضور ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھولا ہوا ہے۔ اور اُن کے کارناموں سے جو آجتک بحر قلزم کی امواج اور فلسطین کے ذرات کو بھی یاد ہیں ناواقف ہے۔

کیا وہ داؤد علیہ السلام کو نہیں جانتا؟ جنہوں نے بنو اسرائیل۔ کی متفرق شدہ اسباط میں جمعیت پیدا کی۔ جنہوں نے ایسی سلطنت کو بنایا اور پائدار کیا۔ کہ اُن سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی فرزندانِ یعقوبؑ نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

کیا کارلائل کو معلوم نہ تھا کہ داؤد علیہ السلام نے عبادت و موسیقی کو جمع کرکے ہوا کو ترنم سے اور فضا کو مناجات سے بھر دیا تھا۔ موسیقی کی اس قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقاص دل کو ضرور اُچھل پڑنا چاہیئے تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ کارلائل کو یسعیاہ کی وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں یاد نہ تھیں جو انجیل متی

دلیوحنا کی تصانیف کا خمیر مایہ ہیں۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ وافی ایل نبی کی اُن برکات سے بے خبر تھا جس نے بابل کے کافر و جابر بادشاہ کو یہود کی حفاظت و اکرام پر آمادہ کر دیا تھا جس نے لاکھوں ایمانداروں کو قتل و صلیب سے بچالیا تھا جس نے سینکڑوں سال کے آئندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر خواب سے کھول دیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شائق ایل کی خدمات کا علم نہ تھا جس نے اسیری سے رہائی پاکر اتنا بڑا ایوان یروشلم تعمیر کر دیا تھا۔ جو ہیکل سلیمانی سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریا کی کہانت[1] اور حضرت یوحنا بپتسمہ دہندہ کے زہد و عبادت۔ اور وعظ و تذکیر کے حالات سے ناآشنا تھا۔

ان سب کا جواب نفی ہے۔

پیارے عزیزو! پروفیسر طامس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا پہچانتا ہوا۔ بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے۔ کہ گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضور سرور کائنات ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔

اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ کارلائل نے انبیاء میں سے صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرنا تھا۔ اس لئے حضور ہی کے نام پر اسے بس کرنا پڑی دیکھو۔ بکمارو شعراء و فلاسفروں کی صنف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کے انتخاب کرنے کا پابند نہیں ہوا۔ لہذا اگر وہ چاہتا۔ تو بحث نبوت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔

لہذا ہماری دلیل اور بھی متین و وقیع ہو جاتی ہے اور پتہ لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی مؤرخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتاب نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تب اُسے ہزاروں سال کے عہد و سیع کے آسمان پر اور کوئی بھی کوکب نبوت نظر نہ آیا جو اس آفتاب کے دوش بدوش وہ اپنے اوراق پر جلوہ گر کر سکتا۔

---

[1] لفظ کہانت عیسائی اصطلاح میں اخبار عن الغیب کے معنی میں آتا ہے۔ اور اسی لئے وہ اس لفظ کا اطلاق انبیاء کی پیشگوئی پر کیا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی اس لفظ کا استعمال یہاں انہی معنے میں کیا ہے۔ ۱۲ منہ

یہ نمونہ ہے رفعت ذکر کا کہ ایک صحیح الاعتقاد عیسائی کیمبرج یونیورسٹی جیسے دارالعلوم کا مسلّمہ اُستاد جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز ہے ہزاروں انبیاء کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوا۔ اور سینکڑوں انبیاء کے اسماء پاک کا علم رکھتا ہوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کر سکا۔ تو سیدنا و مولانا محمد النبی الامی ہی کے وجود باجود کا ذکر کر سکا۔ اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا۔ جو قرآن حکیم میں ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب ع ۳) تمکو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ہی ملیں گے۔

رفعت ذکر کا بیان جس طرح اہل ایمان کرتے ہیں۔ اُسے بھی یاد رکھنا چاہئیے۔ ہمنے موجودہ بائیبل سے ثابت کر دیا ہے کہ سیدنا ابراہیم سے لیکر یعقوب و موسیٰ داؤد و سلیمان یسعیاہ۔ یرمیاہ۔ دانی ایل۔ حزقی ایل۔ حبقوق۔ ملاکی۔ یحییٰ و عیسیٰ علی جمیعہم الصلوٰۃ و السلام نے محامد محمدی اور نعوت مصطفوی کو اسالیب بدیعہ اور علامات متنوعہ کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔

انجیل اوّل کے مصنف سینٹ متی نے اُن چند پیش گوئیوں کی تلمیحات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیح کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں

اگر کوئی منصف ہے؟ تو اُن مجمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے۔ اُس کا موازنہ کرے اور پھر اُن آیات بینات کو دیکھے جو بائیبل ہی کے اندر ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر ثابت و متحقق ہیں۔

سینٹ متی کو جو محبت صادقہ حضرت مسیح کے ساتھ تھی۔ نیز جو دسترس کامل اُن کو مضامین بائیبل پر حاصل تھی۔ ہم اِن ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ نہایت وثوق سے یقین کر سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیشگوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی جس کا تعلق جناب مسیح کی ذات گرامی سے تھا۔

ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیشگوئیوں کا مصداق جناب مسیح علیہ السلام ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور نیز ان اُن پیشگوئیوں کو بھی جو جناب مسیح کے زمانہ تک (بطور پیشگوئی زمانہ مستقبل) موجود تھیں۔ اور جن کا مصداق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

با برکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اور نہیں ٹھہرایا گیا تھا۔

یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان سُن رکھیں۔ کہ اسی موجودہ بائیبل کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام۔ مقام ولادت۔ اور دارالہجرت۔ اور حضور پر ایمان لانے والے قبائل کے نام حضور سے برسرپیکار آنیوالی قوموں کے نام اور اُن کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں جو وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ کی صحیح تفسیر ہیں۔ اور اُن سے یہ امر بوضوح تام ظاہر ہوجاتا ہے کہ رب العالمین نے حضور کی رفعت ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست اعلانات سے فرمایا تھا۔

بیشک اس فضیلت علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور کا سہیم ثابت نہیں ہوا۔ وَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ۔

خصوصیت نمبر ۷-۸-۹

(۱) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى	تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا نہ تجھسے ناراض ہوا۔
(۲) وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى	آخرت تیرے لئے اولیٰ سے بہتر ہے۔
(۳) وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى	تیرا رب تجھے اتنا کچھ دیگا۔ کہ تو راضی۔ خوش ہو جائے گا۔

ہر سہ آیات سورہ والضحیٰ کی ہیں۔ علماء مفسرین کا اتفاق ہے۔ کہ ابتدائے بعثت میں اول اول کلام الٰہی کا نزول ہوا۔ اور اُسکے بعد وحی میں ابطاء (دیر و درنگ) ہوا۔ وحی کا رک جانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب صادق کی ترقی۔ اور شوق کامل کی افزونی کا سبب ٹھہرا۔

یہ ظاہر ہے۔ کہ طلب و اشتیاق تردد و اضطراب سے جدا نہیں رہ سکتے۔ قلب و روح پر وحی ربانی نے جو باب علوم و حقائق کھول دیا تھا۔ اُسکے لئے بیش از پیش کیوں طلب نہ بڑھ جائے۔

زمان ہجر بڑھتا گیا۔ تو اشتیاق صادق میں گوناگوں توجہات پیدا ہونے لگیں۔

۱۔ ابتدا تو خود اُس دلربا نے کی ہے۔

۲۔ اُس نے خود اپنے پیام سے مجھے شاد کام فرمایا۔

۳۔ پھر اب یہ خاموشی کیسی۔

۴۔ نہیں اُس بارگاہ عالی کی جانب لفظ خاموشی کا اطلاق بھی کیوں صحیح ہو۔

۵۔ یہی داخل ادب ہے کہ میں اُسکے کسی سبب کو اپنی ہی طرف منسوب کروں۔

۶۔ کیا مجھے اسی تشنہ لبی۔ اسی تڑپ۔ اسی سوز۔ اسی گداز میں چھوڑ دیا جائیگا۔

۷۔ اس حالت کا خاتمہ کب تک ہوگا۔

یہ وہ خیالات ہیں جو محب صادق کے دل میں جوش زن ہو سکتے ہیں آخر انتظار کا زمانہ ختم ہوا۔ بارگاہ قدسی سے ایسے خیالات کا ازالہ کیا گیا۔ جن کو شوق وارادت کی مجموعی حالت نے پیدا کر رکھا تھا۔ یا سوز و گداز نے قالب قلب کو گرما رکھا تھا۔

پیارے تو ودیع کسے کہتے ہیں؟

قلیٰ کا ذکر کیا۔

جس مالک کی ربوبیت نے تجھے پالا پوسا ہے۔

جس نے از آدم تا ایندم تَقَلُّبَ فِی السّٰجِدِیْنَ کے اطوار میں تیری نگہداشت فرمائی ہے۔

جس نے تیرے آباء کرام اور امہات عظام کی ظہور و بطون کو پاک و طاہر رکھا ہے۔

جس نے ایام یتیمی میں تیری حفاظت در یتیم کیطرح کی ہے۔

جس نے عیال کی کثرت میں بھی تجھے اسکے جنجال سے پاک رکھا ہے۔

جس نے کوہ حرا کو تیرے لئے طور بنا دیا ہے۔

جس نے آگ کے ظاہری چمکانے کے بغیر تیری آنکھوں کو نور سے تیرے قلب کو سرور سے تیری روح کو راحت سے۔ تیرے ایمان کو ایقان سے معمور۔ بھرپور۔ اور نور علیٰ نور کر دیا ہے

اسکی طرف سے وداع و قلیٰ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ سلہ

سلہ صحیحین میں جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو یا تین رات شب کو چہ تہجد کو تشریف نہ لائے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

اچھا اب ہم تمہیں ایک مژدہ روح پرور سے شادکام کرتے ہیں کہ

اب آنے والا زمانہ گزرے ہوئے وقت سے خوشتر و نکوتر ہوگا۔ لہ

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔	اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

تو اس درگاہ کی بسم اللہ تھی۔ آئندہ معارف و حقائق کے دروازے کھلے رہیں گے۔ اور انوار و برکات اور مشاہدات و تدلیات کے ترشحات چمن آرائے نبوت ہونگے نصرو تمکین کا نشان سربلند ہوگا۔ فراوانیٔ علوم اور کثرتِ مومنین کا نظارہ خوش آیند۔

چنانچہ یہی ہوا کہ ترتیل و تنزیل کے ساتھ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ بائیبل میں پہلے سے یہ پیشگوئی موجود تھی۔ حکم پر حکم حکم پر حکم۔ تھوڑا یہاں۔ تھوڑا وہاں۔

عطا و نوال کی مقدار کو خود جنابِ رسالت مآب کی خوشنودی و رضا پر مقدر فرمایا گیا اور عطیہ کا اندازہ نہ صرف قلق و اضطراب کے ازالہ کی حد تک مقصور کیا گیا۔ بلکہ خود طلب و شوق کی فراخی۔ اور دل و روح کی خوشنودی کو اسکی حد بتلایا گیا۔

یہ انتہا تھی فضل و اکرام کی۔ یہ حد تھی تکمیل کمالات کی۔

یہی نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خصوصیت خاصہ ہے کہ عطیہ کی مقدار کو خود حضور کی خوشنودی و رضامندی کی حد تک بڑھا دیا گیا ہے۔

اسی خصوصیت کی تکمیل فرماتے ہوئے رب العالمین نے حضور کے اصحاب کو بھی خلعت رضوان سے مشرف فرمایا ہے۔

اللہ مومنوں سے رضامند ہوا جب کہ وہ	الف لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ

بقیہ حاشیہ ۱۳ جسمانی بستر سے نہ اٹھے تھے۔ ایک عورت نے آکر کہا۔ کہ محمد میں سمجھتی ہوں۔ کہ تیرا شیطان تجھ سے دور ہو کر علیحدہ ہوگیا۔ کیونکہ وہ دو تین شب سے تیرے پاس نہیں آیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قالی کا لفظ اُس کا فرنے استعمال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ فقط۔

لہ آیت بالا میں لفظ آخرت کے معنے عالم آخرۃ و دار الجزاء یقیناً ہیں لیکن اس لفظ کا اطلاق دوسرے معنے میں بھی ہوا ہے ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ (عنکبوت ع ۲) مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ (ص ۱) لہٰذا آخرت کا ترجمہ زمانہ مابعد بھی ہو سکتا ہے۔

قاضی نے تحریر فرمایا ہے و حصل الاخرۃ علی ظاهرها من خیری الدنیا والاخرۃ هنا اولی

یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (الفتح ع۳)	درخت کے نیچے تم سے بیعت کرتے تھے۔
ب) رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (البینہ)	اللہ اُن سے راضی ہوا۔ اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے

فرمایا۔

ج۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔	ایمان لانیوالے جنہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں مال اور جان سے جہاد کیا۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں بہت بڑے درجہ والے ہیں۔ اور یہی اپنی مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔
یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ (توبہ ع۳)	اُن کا رب اُن کو اپنی رحمت اور رضوان اور جنات کی بشارت دیتا ہے بہشت جس میں دائمی نعمتیں ہیں۔ اُنکے لئے ہونگی۔

فرمایا۔

(د) وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (توبہ ع۹)	اللہ کی رضوان تو سب سے بڑھ کر ہے اور یہی سب سے بلند تر کامیابی ہے۔

فرمایا۔

(ھ) رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (انعام)	میں خوش ہوں، کہ اسلام تمہارا دین ہو۔

ہمارا یقین وایمان ہے۔ کہ یہ شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ کہ حضور کے دست مبارک پر ایمان لانے والوں کو بھی رضائے رحمٰن۔ اور خوشنودی منان کا گرانمایہ عطیہ ارزانی فرمایا گیا۔ اور اسطرح پر یہ وعدہ صدق پورا کیا گیا۔ جو آیت زیب عنوان ہیں ہے۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی	تیرا رب تجھے وہ کچھ دیگا۔ کہ تو خوش ہو جائیگا۔

اس کا مکمل نظارہ اہل ایمان یوم الدین کو ملاحظہ کرینگے۔ جبکہ اُن کے طلب وسوال اور وہم وگمان سے بھی سینکڑوں درجہ بڑھ کر انعامات کا نزول فرمایا جائیگا۔

خصوصیت نمبر ۱

اَلنَّبِیُّ الْاُمِّیُّ (اعراف ع ۱۹)

وہ نبی اُمّی ہیں۔

اُمّی۔ یہ محقق ہے کہ سیدنا و مولانا محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سوا اَلرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ اور کسی نبی کا لقب نہ تھا۔ حضور کا یہی لقب انبیاء کرام کو اور سابقہ اُمم کو بتلایا گیا ہے۔ علماء نے اسم اُمّی کے متعلق جو پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ ناظرین کیلئے اُن پر عبور موجب فرح و سرور ہوگا۔

(الف) اُمّی۔ ام القریٰ کی نسبت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کا نام اُمّ القریٰ فرمایا ہے وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (انعام ع ۱۱) کہ تو ام القریٰ کو اور اسکے گرداگرد کی بستیوں کو ڈراوے۔

مشہور قدیم جرمن مؤرخ سپرینجر اور سکریدر کا قول ہے کہ ان محققین کی رائے بالکل درست ہے۔ جو اولادِ سام کا اصلی وطن ملک عرب کو قرار دیتے ہیں۔ اسلامی روایات صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں سب سے پہلی آبادی "بلد مکہ معظمہ" ہے۔ جہاں خانہ بدوش قوموں نے قیام کیا۔ اور بربریت و توحش کو چھوڑ کر عمران و تمدن کی زندگی میں داخل ہوئے۔

الغرض تاریخ اور روایت کے مجموعی اتفاق سے ثابت ہے کہ مکہ ام القریٰ ہے۔ اب سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کیطرف توجہ کرنا چاہیئے۔ انہوں نے بنائے مکہ کے وقت یہ دعا کی تھی۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (بقرہ ع ۱۵)	اے رب اس جگہ کو امن والا شہر بنائیو اور یہاں والوں کو میوہ جات کھلایا کیجیو۔

دعا کے یہ الفاظ بھی ہیں:

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (بقرہ ع ۱۵)	انہیں ایک شاندار رسول بھی جو انہی میں سے

ہو مبعوث کیجیو۔

دعائے خلیل میں دو باتیں عجیب ہیں۔

(۱) اس بستی کے رہنے والوں کیلئے جہاں کی زمین ناقابل زراعت ہے میوہ جات و ثمرات بکثرت ملنے کی استدعا۔

ان الفاظ کی برکت آجتک نظر آ رہی ہے۔ کہ مکہ کے بازار سبزیوں۔ ترکاریوں اور گوناگون میوہ جات سے بھرے نظر آتے ہیں۔ یہ علامت ظاہری اس امر پر دال ہے کہ رب العالمین نے فی الواقع اپنے خلیل کی دعا کو من وعن شرف قبولیت بخشا۔

(۲) یہی دعا بوضوح بتلا رہی ہے کہ صرف خوراک جسمانی یا لذائذ کام و دہان تک ہی اس کا اثر محدود نہ تھا۔ بلکہ روحانیت کے لیے دعا کے الفاظ زیادہ پُر زور تھے۔ وعدہ کا رسول اور دعائے خلیل کا رسول مبعوث ہوا۔ اور بڑی شان کے ساتھ مبعوث ہوا اُسکے حسبی و نسبی تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ تھے جو اس بستی کے سردار تھے۔ لہٰذا ام القریٰ کی نسبت سے اُسے اُمّی کہنا درست ٹھہرا۔

(ب) اسم امی امت کیطرف نسبت رکھتا ہے۔ اور اسکے معنے ایسا نبی ہیں۔ جو اُمت کثیرہ کا مخدوم و مطاع ہو۔

اُمّت کی "ت" بوقت نسبت گر گئی ہے۔ جیسے مکّہ سے مکّی۔ اندریں صورت اسم امی اس حدیث صحیح کی تفسیر ہے۔ جو صحیح مسلم میں بروایت انس رضی اللہ عنہ موجود ہے۔

اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا | کثرت اُمت کے لحاظ سے میں سب انبیاء سے بڑھا ہوا ہوں۔

(ج) اسم اُمّی اُم کی طرف منسوب ہے۔ اس اعتبار سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ پاکی فطرت و عصمت منجانب رب العزت جملہ عیوب و نقائص سے ایسے ہی پاک و صاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ نے انہی معانی پر نظر رکھتے ہوئے اشعار ذیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھے تھے۔ اور ان اشعار کو سن کر آنحضرت نے تا اظہار... سرور...

الوقت ہوتے تھے۔ ؎۱

وَمُبَرَّأً مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ ، وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءٍ مُغْيِلِ
وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ ، بَرَقَتْ بُرُوقَ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

د۔ اُمّی امّ کی طرف منسوب ہے۔ اس اعتبار سے کہ حضور نے ولادت کے بعد اکتساب علوم وفنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی۔ اور حضور کے لوحِ قلب پر تقریراً یا تحریراً کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔

ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی، کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیا کرتے۔ جو ایک ایسے بچّہ کی ہوتی ہے جو نہ مکتب گیا۔ نہ درس لیا۔ نہ قلم ہاتھ میں پکڑا۔ نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔

یہودیوں نے اسی لیے اہل عرب کا نام اُمّیون رکھ دیا تھا۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ (آل عمران) | یہودی کہتے ہیں کہ ہم ان اُمّی لوگوں کے ساتھ خواہ کچھ ہی برتاؤ کریں ہم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔

یہی نام اہل عرب کیلئے معرفہ بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا (جمعہ ع۱) | اللہ وہ ہے جس نے امیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا۔

یہی لفظ اہل کتاب کے ناخواندہ اشخاص کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ | یہودیوں میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں۔ جنکو کتاب کا کچھ علم نہیں۔

الغرض لفظ اُمّی سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طرز و طریق خواندگی اہل دنیا سے بالاتر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسری جگہ اسطرح ظاہر فرمایا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ | اے رسول قرآن سے پہلے تو تم نہ کسی کتاب کو

؎۱ خصائص الکبریٰ جلد اول ص۲۷ بروایت خطیب و ابن عساکر و دیلمی ۱۲۰

وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (عنکبوت ع ۵)

پڑھا کرتے تھے۔ اور نہ تمہارے دست راست نے کبھی کوئی خط کھینچا تھا تب تو یہ بطلان والے شک بھی کر سکتے۔

معنی بالا کے لحاظ سے اسم نبی الامی حضور کا ایک بڑا معجزہ ہے۔

واضح ہو کہ نبی۔ نبا سے ہے۔ اور نبا، واقعہ عظیم اور اعلام ذوالاہتمام کو کہتے ہیں یعنی نبی وہ ہے۔ جو علوم عالیہ۔ اور وقائع عظیمہ کی اطلاع اہل عالم کو دیتا ہو۔ اور جب یہ لفظ اللہ کی طرف مضاف ہوتا ہے تب اسکے معنے یہ ہیں کہ نبی وہ ہے جو علوم عالیہ اور شرائع عالیہ اور نوامیس ربانیہ کی اطلاع براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہو۔

نبی کو نباوۃ سے بھی مشتق بتایا گیا ہے۔ نباوت کے معنے مقام مرتفع ہیں اور نبی وہ ہے جو اس مقام علیا پر فائز ہو۔ جہاں کوئی انسان اکتساب و محنت و ریاضت سے نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس مقام پر اسکے فائز ہونیکا سبب محض اصطفاء ربانی ہوتا ہے۔

نبی الامی کے وصف نے بتلا دیا کہ حضور حرف شناسی و خط کشی سے تو دور ہیں۔ اور باایں ہمہ علوم عظیمہ و آیات کاملہ کا صدور حضور سے برابر ہوتا رہا۔

اہل سیرت جانتے ہیں۔ کہ حضور کو نبی الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا۔ بلایا جاتا۔ اور حضور اسی طرز خطاب سے خورسند و مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو۔ کہ جونہی کسی شخص کو ذرا شُد بُد کہنے کی لیاقت پیدا ہوتی۔ تو وہ اپنے لئے فاضل اکمل۔ لوذعی۔ المعی۔ علامہ وغیرہ الفاظ سننا اور کہلانا پسند کرتا ہے۔ اور یہ تو ہر ایک صاحب قلم و زبان آور کا فطری خاصہ سا ہو گیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اصلیت سے بڑھ کر اسکے علم و فضل کا اندازہ لگایا جائے لیکن ایک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنکو ہر وقت ناخواندگی کا اعتراف اور اُمّی ہونیکا اقرار ہے۔

اس اعتراف و اقرار پر بھی ہزاروں علماء سینکڑوں فلاسفر حاضر ہوتے۔ زانوئے ادب تہ کرتے اور اقرار کرتے۔ کہ ان لوگوں کا علم و فہم اور حضور کا عرفان قطرہ و قلزم کی مثال رکھتے ہیں۔

غور کرو۔ کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا۔ وہ تمام دنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ محاسن اخلاق۔ محامد اعمال۔ تدبیر منزل۔ سیاست مدن اقتصادیات۔ سیاسیات۔ عمرانیات کے درس

اور دماغ کو روشن، قلب کو مجلیٰ، روح کو منور بنانے والی تعلیم دے رہا ہے۔ اُسکی درسگاہ قدس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ وہاں ایک صحرا نشین اور ایک شہری۔ ایک فلاسفر اور ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور یہ آن واحد اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت اُمّی لقب سے عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ کا نور ظہور بخش ہے۔ اور یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ کا دعویٰ متحقق ہو رہا ہے۔

(ھ) لقب اُمّی کی وجہ یہ بھی ہے کہ اول الانبیاء ابو البشر آدم علیہ السلام سے لے کر آخر الانبیاء بنی اسرائیل عبداللہ عیسیٰ بن مریم تک جملہ انبیاء و مرسلین نے حضور کے نعوت عالیہ اور اوصاف جلیلہ بیان کیے۔ الف سے آدم، میم سے مسیح مراد ہے۔ اور یائے نسبت اس راز کی کاشف ہے

اُمّی گویا بزبان فصیح ۔۔۔ از الف آدم و میمِ مسیح[۱]

خصوصیت نمبر ۱۱

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (کوثر)

ہمنے تجھے کوثر عطا کیا ہے

کوثر بروزن فوعل ہے۔ اور یہ وزن مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ لفظ کثرت، تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنے کیلئے ہے۔ جب اُسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا۔ تو اسکے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی۔ اور افزونی بر افزونی ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَلْکَوْثَرُ الْخَیْرُ الْکَثِیْرُ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ	ابو بشر نے سعید بن جبیر سے اُنہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے۔ جو اللہ نے خصوصیت

[۱] مخزن اسرار نظامی گنجوی۔

قَالَ أَبُو بِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ النَّهَرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ۔

سے رسول اللہ کو عطا فرمائی ہے۔ ابوبشر کہتے ہیں میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے۔ جو جنت میں ہے سعید نے جواب دیا۔ ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر ہی میں سے ہے۔ جو

اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور کو عطا فرمائی ہے۔

حوض کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث عن انس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے۔ لہذا حوض کوثر کے وجود اور عطایہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیب عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات نامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیاء کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ امام فخر رازی نے ذکر کیا ہے۔ از انجملہ

(۱) اُمت محمّدیہ ہے۔ ایسی نبوت جامعہ۔ اور ریاست عامہ۔ اور دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی؟

اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس شخص نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

کا فرمان صادر ہوا۔

اور اسی نبوت کے ثمراتِ رنگین میں سے ہے کہ

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

ہم نے جو رسول بھیجا۔ وہ اس لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت کیا جایا کرے

کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔

صاحب کوثر وہی ہے جن کی اطاعت کا امر الٰہی جاری ہوا۔

صاحب کوثر وہی ہے جن کی اطاعت کو اطاعت ربانی فرمایا گیا۔

صاحبِ کوثر کی نبوت وہی نبوت ہے جس کی قدامت تاریخ بشر سے پہلے کی ہے۔ اور جسکی نہایت انتہائے عالم سے ملی ہوئی ہے۔

رب العالمین کے کلام پر غور کرو۔ وہ یہ بھی فرماتا ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ | اللہ کی شہادت ہے۔ کہ اُسکے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔

پھر وہ یہ بھی اعلام فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۔ | اللہ کی یہ بھی شہادت ہے کہ محمد اللہ کے رسول یقیناً ہیں۔

جب رب المشرقین والمغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدق و موکد فرماتا ہے۔ تو نبوت محمدیہ اور رسالت مصطفویہ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔

ازانجملہ

(۲) کوثر سے مراد اسلام ہے۔ وہی اسلام جسکے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول و منظور ہی نہیں۔

وہی اسلام جس کا انبیاء عظام نے ہمیشہ اعلام فرمایا۔

وہی اسلام جو سعادت دارین کا جامع۔ اور صلاح و فلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔

ازانجملہ

(۳) کوثر سے مراد کثرت اُمت ہے۔ یہ کثرت حد و عدد کے احاطہ سے باہر ہے اور یوماً فی یوماً ترقی پذیر ہے ۱۸۸۱ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ بیان کی جاتی ہے۔ اور ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں اُن کی تعداد پونے سات کروڑ شمار میں آئی ہے۔ چالیس سال میں اکیلے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دوچند ہو جانا اعداد صحیح سے ثابت ہو گیا۔ تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اس بیشی کا اسی رفتار سے بڑھتے رہنا یقینی کہا جا سکتا ہے۔

بالمقابل اسکے اکثر اقوام ہیں۔ جو گھٹ رہی ہیں۔ اور آہستہ آہستہ معرض فنا میں گر رہی ہیں

یہ اسلام ہی ہے جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے سوتوں تک پھیلا رہا ہے۔ اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے آسمانی پر چھا رہا ہے۔

از انجملہ

(۴) کوثر سے مراد قرآن حمید اور کتاب مجید ہے۔

یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شاخہائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد جسکی مدح و ثنا کے استیفاد سے عاجز ہے۔ عمر نوح اور فہم جبرئیل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصر اسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔

بیشک یہی کتاب قلزم حقائق ہے۔ اور یہی کوثر علوم ہے۔ یہی مطلع الانوار ہے اور یہی مخزن الاسرار۔

معجزات انبیاء کا ظہور ایک وقت خاص میں ہوتا تھا۔ اور پھر خود انہی کے عہد مبارک میں اس معجزہ کا وجود و نمود نہ پایا جاتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدہا بن جانا۔ پھر اژدہا کا سیرت اولیٰ پر عود کر جانا ایک ایسا نظارہ تھا۔ جو کوہ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔

وہی عصا بنی اسرائیل کیلئے انفجار انہار کا آلہ بنا۔ ضرورت جاتی رہی۔ تو وہی عصا کا عصا رہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ زندہ معجزہ ہے دائمی معجزہ ہے۔ ابدی معجزہ ہے۔ اس کا اعجاز ہر وقت ہر آن موجود و مشہود ہے اور ہر ایک عالم دین اسکے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت و ہر حین پیش کر سکتا ہے۔ بیشک یہ ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان منجانب رب رحمٰن ہونا ضروری تھا۔

(۵) کوثر سے مراد وہ خصائل کثیرہ۔ اور محامد جمیلہ اور نعوت متکاثرہ ہیں۔ جو وجود با جود مصطفوی میں مندرج و منطوی تھے۔

انابت آدم ؑ اور استقامت نوح ؑ
حلم اسمٰعیل ؑ و خلّت ابراہیم ؑ خلیل

درس ادریس	وتنفیث شدیث
حقانیت اسحٰق	اور عاقبت بینی یعقوب
نورانیت یوسف	وصالحیت صالح
ھدی ھود	اور جمعیت شعیب
لطافت لوط	اور عبرت عزیز
شکوہ سلیمان	واندوہ یحییٰ
داد داؤد	ودعائے یونس
اباب ایوب	وذھاب زکریا
امامت ھارون	وابناس الیاس
زہد عیسےٰ	وعلو موسےٰ
احسانیت لقمان	والقیاد خضر
مساعی الیسع	وکفالت ذوالکفل

علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہ ایسے الوان گوناگوں ہیں جو آپکی شمس حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں اور رحمۃ للعالمینی کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگ خاص سے رنگین بنا دیا ہے۔

(۵) کوثر سے مراد سید کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صراح اللغات نے تحریر کئے ہیں۔

یقیناً حضور سید ولد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور کو لیٓس کہکر خطاب فرمایا ہے۔

بالیقین حضور کثیر الخیر ہیں اور سید ہیں۔ حضور ہی وہ مشعل ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر وشرک کو دور فرمایا۔

حضور ہی وہ سراج منیر ہیں۔ کہ چشم کور سواد کو بینائے حقائق بنایا۔

حضور ہی وہ نور بحت ہیں۔ کہ قلب عالم کو منور اور روح اعظم کو مستنیر فرمایا۔

حضور ہی وہ عبد کامل ہیں۔ کہ انسانیت کو تخت سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیہ کوثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اور امید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگان جمال حضور کے زلال الطاف سے بہرہ یاب اور عطشان خشک زبان حضور کے جام کوثر سے ضرور شاد و سیراب ہونگے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ

خصوصیت نمبر ۱۲

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ وَّیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا (فتح ع ۱)

۱۔ آیت بالا میں فتح مبین کے وقوع کی خبر دی گئی ہے۔ اور اسکے نتائج بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

۲۔ مقدم و موخر ذنب کا غفران۔

۳۔ اتمام نعمت۔

۴۔ صراط مستقیم کی ہدایت۔

۵۔ نصر عزیز کی یاوری و معیت۔

علمائے کرام نے ذنب ماتقدم و ماتاخر پر خوب بحث کی ہے اور اُن کا غفران بتلایا ہے۔

الف۔ کسی نے ماتقدم و ماتاخر سے زمانہ قبل نبوت مراد لیا۔ اور معنی یہ بتلائے کہ امور جاہلی کے غفران کی خبر دی گئی ہے۔

امام سبکی کا اس پر اعتراض ہے. کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی قبل از نبوت بھی امور جاہلیہ میں سے کسی امر میں آلودہ نہ ہوئے تھے. لہٰذا ناکردہ فعل کے غفران کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

ب. زمخشری اور بیضاوی نے ذنب سے مراد معمولی لغزشیں بتلائی ہیں۔ اور بتایا ہے. کہ رب العالمین نے ایسی حرکات کو بھی محل لطف و عنایت بنایا۔

امام سبکی کا اعتراض ہے. کہ ایسی لغزشوں کا بھی ثبوت کچھ نہیں۔ اور بالمقابل اس کے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ مسلمہ ہے. انبیاء سے نہ صدور کبائر ہوتا ہے نہ صدور صغائر. لہٰذا یہ توجیہہ بھی نادرست ہے۔

ج. سبکی نے خود یہ معنی لکھے ہیں. اور شیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی نے انہی معنی کی تحسین و تعریف کی ہے. کہ یہ آیت کسی لغزش یا گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی بلکہ از راہ تشریف و تکریم یہ فرمایا گیا ہے. کہ اگر کسی لغزش کا امکان بھی تصور کر لیا جائے. تو وہ بھی بخش دیا گیا۔

وہ کہتے ہیں کہ مقصود کلام اثبات ذنب اور پھر غفران بعد از اثبات نہیں بلکہ اس جگہ مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

د. قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لفظ مغفرت کو تبریہ از عیوب کے معنی میں لیا ہے

ھ. تفسیر خازن میں عطاء خراسانی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ذنب ماتقدم سے مراد آدم و حوا علیہما السلام کا ذنب اور ذنب ماتاخر سے مراد امت کا ذنب ہے۔

ان اقوال میں سے ناظرین کو جو قول پسند ہو۔ اسے قبول کر سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ علماء کی اسقدر شرح و بیان کے بعد بھی کچھ باقی رہ جاتا ہے۔

وجہ اشکال ایک تو یہ ہے. کہ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ سے بظاہر اثبات ذنب واضح ہوتا ہے. اور یہ بالاجماع عقیدہ جمہور امت کے خلاف ہے۔

اور اشکال دوم کی وجہ یہ ہے. کہ لِيَغْفِرَ کے حرف لام کو علت کے بیان کیا گیا ہے اور اسوقت یہ دشواری آ پڑتی ہے. کہ فتح مکہ کو سبب مغفرت قرار دینے میں کیا علاقہ ہے. یا کیا خوبی ہے؟

متعدد علماء کے اقوال عدیدہ کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ اس بارہ میں معنی مزید بیان کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ الفاظ "فتحاً مبیناً" سے مراد فتح مکہ لینا ہی غلط ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں نیز سنن ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ کا نزول صلح حدیبیہ کے انجام پر ہوا تھا۔

ہمراہیان رسول پاک کو اس امر کا رنج و قلق تھا۔ کہ قریش نے نبی اور اصحاب النبی کو مقام حدیبیہ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ نہ طواف کعبہ نصیب ہوا۔ اور نہ قربانگاہ تک قربانی کے جانور پہنچے۔ حتی کہ اسی میدان میں قربانیاں کی گئیں۔ اور احرام کھولا گیا۔

الغرض اس ناکامی کو مسلمان نہایت سختی سے محسوس کرتے تھے۔ مگر وہ معاہدہ جو اسی مقام پر فریقین کے درمیان طے ہو گیا تھا۔ اسکی اہمیت قانونی۔ اخلاقی۔ آئینی کا اندازہ بہت کم بزرگوں کو تھا۔ اللہ تعالی نے کلام پاک میں اسی اہمیت کو ظاہر فرمایا۔ اور ان نتائج اور فوائد اور برکات کو آشکار فرمایا۔ جو انعقاد صلح سے مترتب ہونے والے تھے۔

صحیح بخاری (باب عمرۃ الحدیبیۃ) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم لوگ یوم الفتح سے مراد فتح مکہ سمجھتے ہو۔ ہاں فتح تو وہ بھی ہے۔ مگر ہم (گروہ صحابہ) تو حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو یوم الفتح قرار دیا کرتے تھے۔

روایات بالا سے واضح ہو گیا کہ معاہدہ حدیبیہ اور بیعت الرضوان کا نام فتح مبین ہے اس جگہ معاہدہ حدیبیہ کے فقرات متعدد روایات کو جمع کرنے کے بعد درج کئے جاتے ہیں۔

هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَسُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلٰى اَنْ تُخَلُّوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوْفُ بِهٖ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ (۲) وَلَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ اِلَّا السَّيْفُ وَالْقِرَابُ وَيَخْرُجُ مِنْ مَكَّةَ بَعْدَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ (۳) وَلَا يُخْرِجُ مِنْ اَهْلِهَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ	یہ وہ سمجھوتہ ہے جو محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمر (کمشنر قریش) کے درمیان ہوا۔ (۱) سال آئندہ میں مسلمانوں کو بیت اللہ اور طواف سے روکا نہ جائیگا۔ (۲) مسلمانوں کے ساتھ ہتھیار نہ ہونگے۔ بجز تلوار جو میان سے باہر نہیں نکالی جائیگی (۳) مسلمانوں کیلئے تین دن تک

أَنْ يَتْبَعَهُ وَأَنْ لَا يَمْنَعَ مِنْ أَصْحَابِهِ
أَحَدًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ بِهَا -
(۴) وَعَلَى إِنْ جَاءَ الْقُرَيْشُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ
لَمْ يَرُدُّوهُ إِلَى الْمُسْلِمِينَ
(۵) وَمَنْ جَاءَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْقُرَيْشِ
يَرُدُّوهُ إِلَى الْقُرَيْشِ۔
(۶) وَعَلَى أَنَّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ
فِي عَقْدِ مُحَمَّدٍ وَعَهْدِهِ دَخَلَ
فِيهِ۔ وَمَنْ دَخَلَ فِي عَقْدِ قُرَيْشٍ
وَعَهْدِهِمْ دَخَلَ فِيهِ۔
(۷) وَعَلَى أَنَّ الْحَرْبَ تُوضَعُ بَيْنَهُمْ
عَشْرَ سِنِينَ -
(۸) وَعَلَى أَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوفَةً
فِي صُدُورٍ سَلِيمَةٍ -

کہ خالی چھوڑ دیا جائے گا۔ (۴) اسوقت اہل مکہ میں سے کوئی شخص اگر مسلمانوں کے ساتھ جانیکا ارادہ بھی کرے۔ تو اُسے ساتھ نہیں لے جایا جائیگا لیکن اصحاب محمدؐ میں سے اگر کوئی مکہ رہ جانا چاہے تو اُسے نہیں روکا جائیگا۔
(۵) اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے پاس پہنچ جائیگا وہ اُسے واپس نہ کرینگے لیکن اگر قریش کا کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جاویگا تو وہ اُسکو واپس کردینگے۔ (۶) قبائل میں سے جو کوئی پسند کرے وہ محمدؐ کیطرف داخل ہوسکتا ہے اور جو کوئی قریش کیجانب کو پسند کریں، وہ انکے ساتھ معاہدہ میں شامل ہوسکتا ہے۔
(۷) دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہیگی
(۸) آپس کے سب جھگڑے فراخ حوصلگی کیساتھ طے کئے جایا کرینگے۔

معاہدہ بالا کو اگر دنیا کا کوئی سٹیٹس مین (مدبر و سیاست دان) دیکھے گا۔ تو سمجھ لے گا۔ کہ مسلمانوں نے بہت ہی دب کر بلکہ گھٹیل شرائط پر معاہدہ کیا تھا۔

لیکن ہادیٔ اسلام نے اسی کو فتح مبارک بتلایا۔ اور قرآن مجید نے اسی کو فتح مبین فرمایا۔

وہ کھلی فتح کیا ہے۔

الف۔ وہ یہ ہے کہ کینہ توز، جنگ آور قریش نے دس سال تک چپ رہنے۔ جنگ نہ کرنیکا عہد کیا۔

ب۔ وہ فتح یہ ہے کہ جانبین میں آمد و رفت کی راہ کھل گئی۔

ج۔ وہ فتح یہ ہے کہ اب مسلمانوں کو قبائل کفار میں تبلیغ کا موقعہ ملگیا۔ حقیقت اسلام کو سمجھنے کے بعد جھوٹے شکوک زائل ہونے لگے۔ اور ظنون باطل ٹھہرے۔

لفظ فتح کا استعمال جنگ کی فیروزمندی پر بھی کیا جاتا ہے اور حل مشکلات پر بھی اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

اسلام کیلئے یہی فتح مبین تھی۔ کہ اشاعت اسلام کی دشواریاں جاتی رہیں۔

اب آیت زیب عنوان کا لفظ ذنب غور طلب ہے۔

الف۔ اسکے معنے گناہ بھی ہیں۔ اور گناہ کا اطلاق خلاف ورزی احکام شریعت کے معنی میں ہے

ب۔ اسکے معنے الزام بھی ہیں اور الزام کا اطلاق ملکی یا قومی۔ یا حکومت کے احکام کی خلاف ورزی میں کیا جاتا ہے۔

جب ہم ذَنَب بفتحتین کو دیکھتے ہیں جسکے معنے "دُم" ہیں تو اشتقاق اوسط کے اصول پر ذنب بفتح و سکون ثانی کے معنے بھی متبادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک وہ الزام جو کسی شخص کے پیچھے لگا دیا گیا ہو۔

ذَنوب بفتح اول۔ اس ڈول کو کہتے ہیں جو رسی کے سرے پر بندھا ہوا ہو۔ یہ بھی اسی وضع لغوی کی جانب راہبری کرتا ہے۔

لہذا کیا ضروری ہے کہ آیت بالا میں ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے۔ اور پھر سمجھا جائے کہ کوئی گناہ خدا کا تھا۔

قرآن مجید کی زبان سے سنو۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ (شعراء ع ۲)	اُنہوں نے مجھ پر ایک الزام لگایا ہوا ہے۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دینگے۔

ظاہر ہے کہ فرعون۔ یا قوم فرعون کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام نے کسی گناہ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ لہذا اس کا ترجمہ "الزام" بھی صحیح ہے۔

قانوناً لفظ "الزام" اور لفظ "جرم" کے معنے میں بہت تفاوت ہے۔ "الزام" کا اطلاق اُس نسبت جرم پر کیا جاتا ہے۔ جو بادی النظر میں الزام لگا سکنے والی طاقت کے نزدیک

کسی شخص پر کسی فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے مرتکب بننے کی بابت گمان کیا جاسکے۔ اور جرم کا اطلاق اُس فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے ارتکاب کے ثابت ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر فرعونیوں نے قتل عمد کا الزام لگا رکھا تھا۔ اور اس فعل کے ثابت ہوجانے کے بعد اُسکی سزا قتل و قصاص ہے۔

موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کی ذہنیت کو سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سطحی دماغ سے نہ تو نیت کی ضروری شرط کا خیال رکھیں گے۔ اور نہ اس فرق کو سمجھیں گے کہ ایک تھپڑ کا لگ جانا کیا عادۃً منتج بہ ہلاک ہو سکتا ہے۔ یا تھپڑ لگانے والے کے علم میں یا احتمال میں اُس کا منتج بہ ہلاک ہونیکا ظن غالب ہو سکتا ہے۔

اگر ان ضروری مباحث قانونی کو الزام بر موسیٰ کے ساتھ شامل کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام قتل لگایا گیا۔ تو وہ ۳۲۳ تعزیرات ہند سے بھی گھٹ کر محض ایک تادیبی فعل رہ جاتا ہے جس کا صدور نیک نیتی سے ہوا۔ اور قانوناً کوئی جرم نہیں بنتا۔

ج۔ حدیث میں ہے اِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ جب دو شخص آپس میں مصافحہ کرتے ہیں۔ تو ان میں باہمی کوئی ذنب باقی نہیں رہتا۔

صاحب مجمع البحار نے ذنب کے معنے میں اسطرح تحریر کیا ہے۔ اَیْ غِلٌّ وَ شَحْنَاءُ یعنی ذنب کے معنے یہاں کینہ اور تنگدلی ہیں۔

د۔ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یہاں نبی اور مومنین کے واحد ذنب کا ذکر ہے۔

ان جملہ امور کو مد نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ آیت زیر بحث میں ذنب بمعنے الزام قوم ہے۔ اور ما تقدم سے مراد زمانہ قبل از ہجرت اور ما تأخر سے مراد زمانہ بعد از ہجرت ہے۔ علمائے سِیَر آگاہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے جو جو الزامات و اتہامات لگائے تھے۔ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قبل از ہجرت الگ تھے۔ اور بعد از ہجرت الگ۔

"اتہامات قبل از ہجرت"

یہ کاہن ہے۔ یہ شاعر ہے۔ یہ مجنون ہے۔ یہ ساحر ہے۔ یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنالیتا ہے۔ اسکے پاس غیر قوم کا کوئی شخص ہے۔ جو اُسے ایسی پڑھنت پڑھاتا رہتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

"الزامات بعد از ہجرت"

یہ قوم میں پھوٹک ڈالنے والا ہے۔ مکہ کو اُجاڑنے والا ہے۔ بھائی کو بھائی سے بیٹے کو مائی سے جدا کرنے والا ہے۔ ہماری تجارت کو مخدوش کر دیا۔ قومی انتظامات کو پراگندہ کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

"مومنین پر بھی ایسے ہی الزامات لگائے جایا کرتے"

بے عقل ہیں کوتاہ بین ہیں۔ کمینے ہیں۔ غلام ہیں۔ ناقابل التفات ہیں۔ آیت تَزْدَرِی اَعْیُنُھُمْ میں انہی امور کیطرف اشارہ ہے۔ اجی یہ تو وہ ہیں کہ روٹی نہ ملے تو سب کے سب محمدؐ کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیں۔

آیت لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا[۲] میں یہی بات اُنکی بتائی گئی ہے۔

عروہ بن مسعود نے بھی جب وہ قبل از اسلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں سفیر قریش کی حیثیت سے آیا تھا۔ یہی الزام مسلمانوں کے رو در رو مسلمانوں پر لگایا تھا کہ یہ سب تو تجھے چھوڑ کر الگ ہو جائینگے۔ اور اس کا جواب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو نہایت ذلیل کن الفاظ میں دیا تھا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حدیبیہ کی فتح مبین کا پہلا ثمر شیریں یہ ہوگا۔ کہ کفار اور مسلمین کے مل بیٹھنے سے سب اگلے۔ پچھلے الزامات اُٹھ جائینگے۔ دب جائینگے زیر خاک ہو جائینگے۔ لفظ غفر کے لغوی معنے بھی یہی ہیں۔ صداقت رسول آشکا ہوگی

---

۵۱ یہ اُنکی نگاہوں میں حقیر ہیں۔

۵۲ جو شخص رسول کے ارد گرد ہیں اُنکو خرچ نہ دو۔ یہ منتشر ہو جائینگے۔

بصارت کھل جائیگی۔ بصیرت بیدار ہوگی۔ اتہامات والزامات کی لغویت کا خود اُن لوگونکو اقرار بہ ندامت وانفعال کرنا ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے۔ کہ فی الحقیقت یہ نتائج اس صلح سے بہت جلد مترتب ہوگئے تھے۔

بشارت دوم وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ [۵۱] ہے۔ یعنی صلح حدیبیہ کا ثمر دوم اتمام نعمت ہوگا۔ آیت بالا میں جسکا سال نزول ۶ھ ہے اتمام نعمت کا وعدہ ہے۔ اور آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ [۵۲] میں جو ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی۔ اُس وعدہ کے ایفا کی خبر ہے۔

اتمام نعمت کے معنے ہیں اتمام اشاعت دین۔ اور کمال تبلیغ دین متین۔ اور اس تبلیغ کے مبارک ثمرات شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ کہ قریش اور خلفائے قریش کے اندر رکی ہوئی تھی۔ وہ روک اُٹھ گئی تھی۔ موانعات کے دور ہو جانے سے لوگ اسلام کو سمجھنے لگے تھے۔ پھر پچاسوں اور سینکڑوں کی تعداد میں داخل اسلام ہونے لگے تھے۔

بشارت سوم وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا [۵۳] ہے۔ جو صلح کا تیسرا ثمر شیریں ہوا۔ یعنی جس صراط مستقیم پر مخالفین سنگ راہ بنے ہوئے تھے۔ جس شاہراہ ہدایت کو مشرکین نے روک رکھا تھا۔ وہ صاف ہو جائیگی۔ اور حضور کو اپنی تعلیم پر چلانے اور سالکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچانے کا کھلا موقعہ مل جائیگا۔

بشارت چہارم وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا [۵۴] ہے۔ جو اس صلح کا چوتھا مبارک نتیجہ ہوگا۔

یعنی نصرت الٰہیہ پوری طاقت اور نمایاں غلبہ کے ساتھ آشکار ہوگی۔ قلوب میں کشش اور روح میں ذوق پیدا ہو جائیگا۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں اکی تعداد

---

[۵۱] اللہ اپنی نعمت کو آپ پر پورا کریگا۔ [۵۲] میں نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی کامل نعمت کا اتمام کر دیا۔ [۵۳] سیدھی راہ پر اللہ تعالیٰ تجھے لئے چلیگا۔

[۵۴] اللہ تیری مدد زبردست نصرت کے ساتھ دیگا۔

ہیں لوگ صداقت کے جویا حقیقت کے طالب بن جائینگے۔ حتیٰ کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ
اَفْوَاجًا کا نظارہ چشم ظاہر بین کو بھی نظر آنے لگے گا۔

نصرت الٰہیہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (توبہ ع ۶)

اگر تم اُسکی مدد نہیں کرتے۔ تو اللہ نے تو اُسکی مدد اُسوقت بھی کی۔ جب کافروں نے اُسے نکال دیا تھا۔ اور رسول اُسوقت دو میں سے دوسرا تھا اور وہ دونوں اُسوقت غار میں تھے۔

ہاں نصرت الٰہیہ ہی کا کرشمہ تھا۔ کہ نبی اور صدیق دونوں غار کے اندر موجود ہیں۔ اور کفار اشرار برسر غار کھڑے ہیں اور اتنے قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر دیکھ لیں۔ تو غار کی اندرونی حالت دیکھ سکیں۔ مگر نصرت ربانی کام کر رہی ہے۔ یہ لوگ منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھے ہوگئے ہیں

غار سے برآمدگی کے بعد مدینہ تک پہنچ جانا بھی آسان نہ تھا۔ قریش کے انعام اور بُت پرستوں کے ذاتی انتقام نے تمام راستہ کو نہایت مخدوش بنا دیا تھا۔ یہ تین سو میل کا راستہ سینکڑوں اعداء دین کا روکا ہوا تھا۔ پھر بھی نصرت سبحانی سے یہ خوفناک سفر بخوش اسلوبی طے ہو جاتا ہے۔ بنو کنانہ کے مُدلجی سردار نے اگر تعاقب بھی کیا۔ تو منہ کی کھائی۔ اور بریدہ اسلمی نے اگر تعاقب بھی کیا۔ تو زمرہ خدام میں منسلک ہو گیا۔ حضور کے قدوم میمنت لزوم کی اطلاع و بشارت بھی ایک یہودی بچہ اہل مدینہ تک لے جاتا ہے۔ اور اہل مدینہ اس نعمت خداداد سے درجہ تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد روزافزوں ترقی کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ یہود کی آنکھیں بھی اُس نظارہ سے جسکی خبر صدوق نبی نے دی تھی پتھرا جاتی ہیں۔

اب چھ سال بعد مدینہ سے ٹھیک جنوب میں یعنی ام القریٰ اور اُسکے حوالی میں قدرت ربانیہ اور نصرت الٰہیہ کو نتائج صلح حدیبیہ کا دکھلانا منظور ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ کہ فتح مبین اور اتمام نعمت اور ہدایت راہ مستقیم اور نصرت و عزت کے متعلق سیرت رسول پاک میں ہمیشہ سے مشکلات اشاعت کی دوری۔ اور

۱؎ اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

موانعات تبلیغ کا اندفاع ہے ہیں جس کا نتیجہ اعلاء کلمۃ الحق اور ظہور صداقت و بروز حقیقت ہے بیشک یہ سب کچھ ہے۔ یہ جملہ بشارات حضور ہی کی حیات طیبہ میں منجانب اللہ پورے فرمائے گئے تھے۔ لہذا آیات زیب عنوان حضور کی رفعت شان اور منصب عظیم کی مظہر اتم ہیں۔ اور حضور کی خصوصیات کو مبرہن کرنے والی ہیں۔

مندرجہ بالا تحریر کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ حضور سراپا نور کے مغفور الذنب ہونیکا کوئی منفی پہلو اس سے نکل سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔

تحریر بالا تو حضور کے مدارج علیا کی اور زیادہ وضاحت کن ہے۔ اگر وہ ذات قدسی جسے رب العالمین نے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] فرما کر اہل عالم و عالمیان کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ مغفور الذنب نہ ہو۔ تو پھر عصمت انبیاء کے کیا معنے رہ سکتے ہیں۔

میرا تو ایمان ہے کہ حضور ہی صاحب مقام محمود ہیں۔ منزلت وسیلہ کے سر پر آرا ہیں۔ شفیع المذنبین ہیں شفاعت کبریٰ حضور ہی کے لئے خاص ہے۔ آدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لِوَائِي وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِي[2] حضور ہی کا مرآت کمال ہے۔

الغرض عصمت کاملہ اور شفاعت کبریٰ کے مناصب کے ساتھ ساتھ آیات زیب عنوان سے ان معانی کا استفاضہ بھی ہوگیا۔ کہ اعداء دین نے جو الزامات سرور کائنات پر لگائے تھے اُن کا ازالہ بھی حضور کی پاک ترین حیات ہی میں ہو چکا تھا۔

یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ معاہدہ کرتے وقت چالاک دشمن نے جن شرائط کو اپنی برتری۔ اور اشاعت اسلام کی مسدودی کا ذریعہ سمجھا تھا۔ وہ سب بیت العنکبوت ثابت ہوئیں۔

قریش نے سمجھا تھا۔ کہ جب نومسلم لوگ اکسٹراڈیشن کے مجرم بنجائینگے۔ تو قریش کے جبر و ستم اور بند و قید کے خوف سے آئندہ کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہو گا۔

نیز جب مرتدین کو یہ سہارا ملجائیگا۔ کہ وہ ترک اسلام کے بعد بھی قریش کی پناہ میں آ کر جملہ

---

[1] ترجمہ: تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔

[2] آدم اور ان کے سوا سب برگزیدہ لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے۔ اور حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔

حقوق شہریت سے متمتع رہ سکینگے اور مسلمان اُن کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ تو بیسیوں مسلمان بھی مرتد ہو جائینگے۔ مگر یہ دونوں خیال جھوٹے نکلے۔ اور حرف اشاعت اسلام نے ان کی جملہ تدابیر کو خاک میں ملا دیا۔ اور علیم الحکیم نے اُسی معاہدہ کو فتح مبین اور نصر عزیز بنا دیا۔

بیشک کوتاہ بین آنکھ تو یہ بھی نہ دیکھ سکتی تھی۔ کہ وہ دو شخص جو رات کی تاریکی میں گھروں سے نکلے۔ اور غار کی تہ میں چھپ کر رہے۔ یہی کل دنیا سے روحانیت کے آفتاب و ماہتاب ہیں نبی کریم کی نورانیت سے شرک کی ظلمت۔ اور جہل کی تاریکیاں دور ہوئیں توحید کا نور گھر گھر پہنچا۔ اور خلیفۃ الرسول کی روحانیت سے اسود عنسی۔ اور مسیلمہ و سجاح کی نبوّت کاذبہ کے دعاوی مغاک ہلاک میں ڈالے گئے۔ اور ہر ایک گمراہ کن کی بنیادیں متاصل کی گئیں۔

اسیطرح۔ اور بالکل اسی طرح اس معاہدہ کے وقت کوتاہ اندیشان قریش کی عقل و سمجھ سے یہ بات باہر تھی۔ کہ جو مسلمان مسلمانوں سے بطور مجرم حاصل کئے جائیں گے۔ وہی لوگ مجبوس زندان میں بیٹھے ہوئے مبلغ اسلام کی شان دکھلائینگے۔ اور بیسیوں کو مسلمان کر سکینگے۔

جو لوگ اسلام بزور شمشیر کا جھوٹا اتہام لگایا کرتے ہیں۔ وہ بھی اس معاہدہ پر غور کر لیں کہ اسلام سے پھر جانے والوں کی حمایت اور پناہ کی ذمہ داری قریش کی زبردست قوم اپنے اوپر لیتی ہے۔ اُنکی آبادی اور سکونت کے انتظام کی حامی بنتی ہے۔ اور باایں ہمہ کوئی ایک شخص بھی نہیں نکلتا جس نے اس حمایت و حفاظت و جنبہ داری کا فائدہ اُٹھایا ہو۔

المختصر۔ آیات زیب عنوان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات بخوبی آشکار ہیں۔ اور مضمون ہذا کی مناسبت سے اسی قدر لکھ دینا کافی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّهٖ وَحَبِيْبِهٖ وَاٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

خصوصیت نمبر ۱۳

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال)

جب تو نے پھینکا تھا۔ تب تو نے نہ پھینکا۔ بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔

یہ آیت سورہ انفال کی ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حبر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ کہ سورہ انفال کا نزول بمقام بدر ہوا۔ (صحیحین)

لہذا ثابت ہو گیا۔ کہ جس واقعہ کیطرف آیت بالا میں اشارہ ہے۔ وہ بھی غزوہ بدر ہی کے واقعات میں سے ہے۔

اہل التفسیر و اہل المغازی کا اتفاق ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لشکر کو دیکھا۔ تو زبان سے کہا۔ الٰہی یہ قریش ہیں۔ فخر و غرور میں چور۔ تیرے نافرمان۔ تیرے رسول کے مکذب میں تیری موعودہ نصرت کا طالب ہوں۔ جبرائیل علیہ السلام آئے۔ کہا۔ حضور ایک مشت خاک لیجئے اور قریش کی جانب پھینک دیجئے۔ (اور نمونہ قدرت باری ملاحظہ کیجئے)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں والی مٹی کی مٹھی بھر لی۔ اور لشکر اعدا کی طرف پھینک ماری اس لشکر میں سر میں ایک ہزار کے قریب وہ لوگ تھے جن کے کبر و افتخار کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ یہ مٹھی بھر خاک ہر ایک کی آنکھ میں پہنچی۔ اور ان بے بصران حقیقت کو بتلا گئی۔ کہ جو رسول پاک کی شان سے اندھے ہیں۔ وہ اسی امر کے سزاوار ہیں کہ ان کی آنکھیں پھوٹیں۔ اور خاک راہ ان کے لئے سرمہ بنے۔

واقعہ عجیب تھا۔ کہ ایک مشت خاک اور ایک ہزار اعمی القلوب کی آنکھوں کو تیرہ کر جائے اسلئے قرآن مجید نے یہ راز کھول دیا۔ کہ اس میں دست قدرت شامل ہے اور قدرت کے کام ہمیشہ عقل انسانی کیلئے عجوبے رہے ہیں۔ اور رہیں گے۔

بعض لوگوں نے دیکھا۔ کہ مَا رَمَیْتَ کی نفی۔ اور اِذْ رَمَیْتَ کے اثبات ہیں اور لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کے نتیجہ سے اتحاد ذات اور حلول کا مسئلہ نکلتا ہے۔ لہذا وہ یہ سمجھ گئے کہ یہی وہ آیت ہے جو حقیقت محمدیہ کے چہرہ سے برقع کشا ہے۔ مگر اپنی سمجھ میں خوش فہمی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اس آیت کے حقائق میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کو دیکھتے ہوئے حضور کی ذات اور ذکر اور قول پر اور نگاہ کرتے ہوئے یہ واقعہ اعدا کی نگاہ میں بھی اس لئے تعجب خیز تھا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ

تو کبھی بدی کا بدلہ دینے والے نہ تھے۔ اُن کا ہاتھ کسی کی ضرر رسانی کیلئے کبھی اُٹھتا نہ تھا۔ ہم لوگوں نے ۱۳ سال تک مکہ میں سن سن کر دیکھ لیا۔ کہ وہ کبھی مقابلہ میں اُف تک نہ کرتے تھے ہاتھ کو جنبش دینا تو کجا، زبان کو بھی ہمارے خلاف نہیں ہلاتے تھے۔ آخر محمد کو کیا ہوگیا۔ کیا اُسکی عادت بدل گئی۔ کیا اُسکی فطرت میں بھی تبدیلی آگئی؟ کیا اب بھی خلق محمدیہ کو دنیا کیلئے نمونہ بنایا جائیگا۔

رب العالمین کو یہ گوارا نہیں۔ کہ اُسکے حبیب پاک کے اخلاق کی نسبت ایسی باتیں رموزاً بھی کہی جائیں۔ جھٹ اُسکی نفی فرمادی۔ اور بتلا دیا۔ کہ اخلاق محمدیہ تو وہی ہیں جو دنیا بھر میں مسلمہ ہیں۔ مگر اس واقعہ میں ہمارے نبی کا ذاتی فعل شامل نہیں۔ اس فعل میں اُن کی نیت شامل نہیں۔ نبی نے ہمارے حکم کی تعمیل میں وہی کام کیا جو تیر انداز کے ہاتھ میں ایک کمان کا ہے لہذا ہمارے رسول کی ذات کے متعلق کوئی لفظ زبان سے مت نکالو۔ اور اسے ہمارے ہی جلال کی ایک شان سمجھو۔

اِذْ رَمَیْتَ میں فعل کا اثبات اُسی حیثیت سے ہے۔ جو کمان کا تیر اندازی میں ہے۔ اور مَا رَمَیْتَ میں فعل نبوی کی نفی اُسی حقیقت پر ہے۔ جو تیر انداز کے سامنے کمان کی ہے۔ لہذا آیت کا محل اصلی "ذاتِ رسول" ہے۔

اور اہل اسلام کیلئے سبق ہے۔ کہ ہم سب پر بھی اعدا کے اُن اعتراضات کی جوابدہی لازم و واجب ہے۔ جو حضور کی ذات گرامی پر کوئی مخالف اپنی کم بصری و کوتاہ بینی سے زبان پر لاتا ہو۔

کمان کو تیر انداز اور بندوق کو نشانہ باز کے ساتھ اتحاد و حلول کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح ہے۔

اس آیت ایک اور حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے۔ اسی سورہ انفال کو پڑھو کہ کفار مکہ کی درخواست اللہ تعالیٰ سے یہ ہوا کرتی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

الٰہی یہ محمد کی نبوت۔ اور دعوت اور تیرا نام لیکر آیات قرآنی کی تلاوت اگر درحقیقت تیری ہی جانب

طرف سے ہے۔ تو ہم پر آسمان سے پتھراؤ کیا جائے۔

دیکھو۔ ان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ یہ دعا تو کرتے ہیں۔ کہ ہم پر پتھر برسیں۔ اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے۔ اُسکی دعوت سچی ہے۔ تو ہمارے دلوں کو کھول دے اور قبول حق کا ہوش ہمارے اندر پیدا کر دے۔

ان پر پتھراؤ کا ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ کیونکہ حقانیت اسلام کیلئے اُنھوں نے اسی امر کو شرط ٹھہرایا تھا۔ لہٰذا رسول کو حکم ہوتا ہے کہ ایک مشتِ خاک ان پر پھینک دو۔ جب یہ مشت خاک سب کی آنکھوں میں پہنچے گی۔ تو ان کی آنکھیں کھل جائینگی کہ ہاں اِسطرح پتھروں کا آسمان سے برسنا بھی بعید نہیں

لہٰذا یہ رمی معجزہ بھی ہے اور منکرین کیلئے اُن کی خود منہ مانگی بات کے اصول پر حجّت دلیل بھی اسی توجیہہ کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہیئے۔

کہ رمی جملہ سے رمی کا مقصد اُن لوگوں سے برأت و بیزاری کا اظہار بھی ہے۔ جو مغوی اور شرارت پیشہ ہوں۔ جو بوجہ خبث باطن حقانیت و صداقت سے اسقدر دور ہو چکے ہوں کہ بظاہر آثار رشد بھی اُن سے معدوم ہو چکے ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بمقام منیٰ مغوی شیطان پر تین بار رمی جمرات فرمانا اور پھر نفاذ حکم الٰہی پر بکمال طوع و رغبت مستعد رہنا اسی اصول پر تھا۔

فرزند خلیل۔ اور دعائے ابراہیم نے بھی بدر میں اُسی نمونہ کا اتباع فرمایا۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک شریر النفس کو خائب و خاسر بنانے میں کامیاب ہوتے تھے۔

فخر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی مشت خاک نے ایک ہزار کا غی دباغی فوج اور اُنکے ناپاک ارادوں کو خاک نشین فرما دیا۔

محمد عربی کابروئے ہر دو سراست۔
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سراو۔

الغرض یہ آیت حضورؐ کے خصائص خاص میں سے ایک خصوصیت کی مظہر ہے۔

فصل دوم

خصوصیت نمبر ۱۴

یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ۔

(بقرہ ۱۸۶۔ عمران ۱۷۶۔ جمعہ ع ۱)

نبی لوگوں پر اللہ کی آیات کو پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے۔ تو انہوں نے چاہا۔ کہ خدمت اسلام میں وہ کام کریں۔ جو سخت مشکل ہو مسلمانوں نے بتایا کہ سب سے مشکل کام قریش کو قرآن مجید کا سنانا ہے۔

یہ دھن کے پکّے تھے۔ قریش کے مجمع میں پہونچے۔ اور تلاوت قرآن شروع کر دی تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے۔ تو ان کا سارا بدن لہو لہان تھا۔ اور زخموں نے چہرہ کو بے پہچان بنا دیا تھا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو آیات قرآنیہ کا پڑھ کر سنانا کتنا کٹھن کام تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز اسی کام میں لگے رہتے تھے۔ آبادی مکہ کے اندر ہر ایک مجمع میں حضور پہنچتے تھے۔ اور قرآن سناتے تھے۔ ہر شخص کو تنہائی میں ملتے تھے اور اسے پیام الٰہی پہنچاتے تھے۔

آبادی سے باہر بھی جتنے رستے آنے جانے والوں کے تھے۔ ان سب پر دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں حضور جا پہنچتے تھے اور قرآن کی تلاوت آنے جانے والوں کے کانوں میں حکم الٰہی بنا دیتے تھے۔

عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا۔ جہاں حضور نہ پہنچے ہوں۔ اور حضور نے تبلیغ بذریعہ تلاوت۔ اور اشاعت بذریعہ دعوت نفرمائی ہو۔ عکاظ کا ذرہ ذرہ۔ اور طائف کا پتہ پتہ حضور کی تلاوت کا گواہ ہے۔

غور کرو۔ اس گوہر مقدس کی جرأت و فتوت نجدت و جلادت پر کہ رزم گاہ عالم میں جملہ ادیان عالم بلکہ اقوام عالم کے خلاف اپنی زبان کھولتا ہے۔ ہر ایک کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے۔ ہر ایک کا شیشۂ پندار سنگ براہین سے توڑتا ہے۔ ہر ایک کے بت بطلان کو سندان حقانیت پر پھوڑتا ہے۔

اُسے نہ ضرب کا ڈر۔ نہ ضرر کا غم۔ نہ خوف و خطر کا اندیشہ۔ اُس کا سینہ و جگر نیزہ و تیر سے دل نہیں چراتے۔ اُسکی زبان بیان تذبذب سے بند نہیں ہوتی۔ اُسکی سرگرمیاں لوگوں کی سرد مہری سے ٹھنڈی نہیں پڑ جاتیں۔ مال کی طمع۔ حکومت کی للچاہٹ اُسے اپنے کام سے روک نہیں سکتی۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ تلاوت آیات کتنا کٹھن۔ دشوار۔ اور خطرناک کام تھا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے۔ جسے حضور نے ایسی خوش اسلوبی سے پورا کیا۔ کہ اپنی آواز کو ہر ایک غافل تک پہنچایا۔ ہر ایک غفلت زدہ کو خواب سے جگایا۔ اور بالآخر سب کو بیدار کر کے چھوڑا۔

آج اگر کوئی شخص تلاوت قرآن کا عمل سہل و آسان سمجھتا ہے۔ تو اُسے بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مخالفین کے زمرہ میں تلاوت کا کام فی الواقع آج بھی آسان نہیں۔ اور اب اگر کسیقدر سہولت پیدا بھی ہو گئی ہے تو یہ اُسی تلاوت نبوی کی برکت اور اثر ہے۔ جسکے لئے حضور خود گونا گون مصائب اور بوقلموں نوائب کی برداشت کر چکے ہیں

یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ تلاوت کی دو صورتیں ہیں

الف۔ خود اپنے لئے پڑھنا۔ اسکے آداب الگ ہیں مثلاً تحسین صوت۔ حضور قلب۔ معانی پر تفکر و تدبر۔ حقائق و معارف کی غواصی۔

ب۔ دوسروں کو پڑھ کر سنانا۔ وہ دوسرے بھی کون؟ مخالفین دین جن کے کان سننے سے اور

دل سمجھنے سے سخت منکر ہوں۔

اُن کو اس طرح پر سنانا۔ کہ ثواب ابدی۔ عذاب اُخروی۔ نعمائے آلٰہی۔ رضوان ربانی سُننے والے کو شکل نظر آنے لگیں۔ بدن لرز جائے۔ اور دل کانپ اُٹھے آنکھ کھل جائے اور طبیعت اپنے سابقہ اطوار سے رُک جائے۔

یہ کام بیشک بدرجہ کمال حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہی کے کرنیکا تھا۔ اور قرآن گواہ ہے کہ حضور نے اس کام کو نہایت ہی عمدگی کے ساتھ سرانجام دیا۔ اور اسی لئے حضور کا یہ طریق خصوصیت میں داخل ہوا۔

خصوصیت نمبر ۱۵

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (بقرہ ۱۸۴)

نبی تم کو وہ کچھ سکھلاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

آیت کا خطاب جملہ اہل عالم سے ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہ ہے۔ کہ ساری دنیا کو اُن علوم کی تعلیم دیں۔ جن سے دنیا ناواقف و بے بہرہ تھی۔ مسیح علیہ السلام جیسے صادق اللہجہ نے استعداد مخاطبین اور قابلیت مستمعین کا اندازہ کرتے ہوئے یہ اعلان فرما دیا تھا۔

اِنَّ لِیْ اُمُوْرًا کَثِیْرَۃً اَیْضًا لِاَقُوْلَ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَا تَسْتَطِیْعُوْنَ اَنْ تَحْتَمِلُوْا الْاٰنَ وَاَمَّا مَتٰی جَآءَ ذَاکَ رُوْحُ الْحَقِّ فَھُوَ یُرْشِدُکُمْ اِلٰی جَمِیْعِ الْحَقِّ[۱]۔

اردو انجیل کی عبارت یہ ہے۔

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں۔ پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کرسکتے جب وہ یعنی روح حق آئے۔ تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتاوے گی"[۲]

---

[۱] یوحنا ۱۶ باب۔ نقل از کتاب المقدس عربیہ مطبوعہ اوکسفورڈ ۱۸۷۱ء۔

[۲] نقل از بائبل اردو مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء۔ بیرا ترجمہ ہے کہ الفاظ "بتاوے گی" بصیغہ مونث استعمال [illegible]

مسیح علیہ السّلام کا قول بالا بتلا رہا ہے۔ کہ جتنی تعلیم انہوں نے قوم کو دی۔ وہ کم تھی بہ نسبت اُس تعلیم کے۔ جو باقی رہ گئی تھی۔ اِس فقرہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اِس کمی تعلیم کا سبب یہ نہ تھا کہ حضرت مسیح خود اُستاد کامل نہ تھے۔ بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ سننے والے ایسی ابتدائی حالت میں تھے۔ کہ ان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اِس کی مثال ایسی ہے کہ ایک ایم۔ اے پاس اُستاد کسی پرائمری کلاس کو تعلیم دینے لگے اور وہ اُن کو بہت سی علمی باتیں نہ بتا سکے اور نہ سمجھا سکے۔ اس لئے کہ شاگردوں کی سمجھ ناقص ہے۔

بہرحال نتیجہ یہ ہے کہ مسیح جیسے نیک اُستاد کی تعلیم کا حصّہ اور بہت بڑا حصّہ دنیا کو اُسوقت نہ مل سکا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیحی مذہب کی اس کمی کو کسی شخص نے کسی زمانہ میں پورا کیا۔ جہانتک ہمکو عیسائی عالموں سے معلوم کرنیکا اتفاق ہوا۔ وہ بتاتے ہیں کہ پینتی کاسٹ کے دن اِس کمی کو پورا کر دیا گیا۔

پینتی کاسٹ کا ذکر کتاب اعمال کے دوسرے باب میں ہے۔ اور اُسکی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رفع مسیح سے پچاس دن بعد کا ہے۔ الغرض پہلے ہی سال کا۔

پینتی کاسٹ کے معنے کتاب احبار (موسیٰ کی تیسری کتاب) کے ۲۳ باب میں یہ بتاتے گئے ہیں۔ کہ عید فصح کے ایام میں نذر کی قربانی کا پیش کرنا۔

ہاں کتاب اعمال سے ظاہر ہے کہ اِس پینتی کاسٹ کے دن مسیح کے بارہ شاگرد جمع تھے۔ اُن کو ایک زور کی آواز سنائی دی۔ اور شاگردوں کو جدا جدا آگ کی سی زبانیں (شعلے) دکھائی دیں اور وہ ہر ایک پر بیٹھیں اور یہ سب غیر زبانیں بولنے لگے۔ آواز سنکر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ سب حیران ہوئے۔ ایک دوسرے سے گھبرا کے کہنے لگے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے۔ اور لوگوں نے ٹھٹھے سے کہا کہ یہ نئی شراب کے نشے میں ہیں۔ تب پطرس نے اپنی آواز بلند کی اور لوگوں سے کہا کہ یہ نشے میں نہیں۔

۱۶/۲ یہ وہ ہے جو یوایل نبی کی معرفت فرمایا گیا کہ۔

۱۷/۲ خدا فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی روح میں سے ہر بشر پر ڈالونگا۔

پطرس کی تقریر کے بعد تین ہزار آدمی اُنکے ساتھ شامل ہو گئے۔

(خلاصہ از یکم تا ۴۲ درس باب دوم اعمال)

پینتی کاسٹ کے دن جو کچھ ہوا۔ اُس پر شک کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ غور کی ضرورت ہے سوال تو یہ تھا۔ کہ مسیح کی پیشگوئی جو باقی ماندہ صداقت کی مکمل تعلیم کے متعلق تھی۔ کب پوری ہوئی پینتی کاسٹ کے دن تو حضرت پطرس نے عین اسوقت جب کہ وہ روح القدس سے بھرپور تھا۔ یہ بتلا دیا تھا۔ کہ یہ حالت وہ ہے جس کا ذکر یوایل نبی کی معرفت ہوا تھا۔

اب انصاف کا مقام ہے۔ کہ پطرس معہ روح القدس ظاہر کر رہا ہے۔ کہ یوایل نبی کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور پادری بتلاتے ہیں۔ کہ نہیں۔ بلکہ مسیح کی پیشگوئی پوری ہوئی۔

کیا پادری کا یہ کہنا پطرس کے سامنے سچ ٹھہرے گا۔ اور پطرس معہ روح القدس اس پادری کے سامنے جھوٹا قرار دیا جاویگا؟

میں کہتا ہوں۔ کہ نہیں ہرگز نہیں۔ لہذا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پینتی کاسٹ کے دن مسیح علیہ السلام کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور مسیحی علماء اس دن کے سوا اور کسی دن کا حوالہ بھی نہیں دے سکتے۔ جب مسیح کی پیشگوئی پوری ہوئی ہو۔

ساری دلیل کا لب لباب یہ ہوا۔ کہ عیسائیونکو بہت زیادہ صداقت کی باقی ماندہ تعلیم کبھی بھی نہیں ملی تھی۔

آیت زیب عنوان بتلاتی ہے۔ کہ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ کی تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دنیا کو دی تھی۔

اس دلیل کی صحت اس اندرونی شہادت سے بھی ہو جاتی ہے۔ کہ حضرت مسیح نے تو فرمایا تھا۔ کہ روح الحق اُس کامل صداقت کی تعلیم دے گا۔ جو مسیح نہیں دے سکے تھے اور اس پینتی کاسٹ کے دن کسی ایک نئی بات کی تعلیم بھی نہیں دیگئی۔ پطرس نے اس واقعہ کو یوایل نبی کی پیشگوئی بتلایا یا صلیب مسیح کا واقعہ سنایا مگر تعلیم کچھ بھی نہیں دیگئی تھی۔

اندریں حالات ہماری برہان مکمل ہو جاتی ہے۔ کہ عیسائیوں کو ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا۔

اسکے بعد یہود یونکی حالت سنو۔

وہ یہود جو موسیٰ کی مسند پر بیٹھنے والے تھے۔

وہ یہود۔ جو غرور کتاب دانی۔ اور نخوت کتاب داری سے سرشار تھے۔ قرآن مجید نے خود ان کو مخاطب بنا کر فرما دیا تھا۔ کہ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ یعنی تم کو علم کا بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔

جب اہل کتاب کے یہ دونوں گروہ حضرت مسیح کی شہادت اور قرآن پاک کے اعلان سے بہت تھوڑے علم والے ثابت ہو چکے۔ تو ضرور تھا۔ کہ دنیا کو کبھی مکمل تعلیم دی جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نورانی میں وہ وقت آ گیا۔ کہ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ کی کمی کو پورا کیا جائے۔

یہ بدیہی ہے کہ جب کتاب والے ہی ادھورے نکلے تو دیگر اقوام کا تو علمی حیثیت میں اُن سے ادنیٰ درجہ پر ہونا بالضرور ثابت ہو گیا۔ لہٰذا آیت بالا کے مخاطب جملہ اہل عالم ہیں اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ہی کا وہ منصب عالی ہوا۔ کہ سب کو ایسی تعلیم دیں جس سے دنیا آج تک بے بہرہ تھی۔

مسیح علیہ السلام کی پیشگوئی کے متعلق یہ امر بھی شرح طلب ہے۔ کہ اس پیشگوئی میں اسم "روح الحق" کا استعمال ہوا ہے اور اناجیل اربعہ میں اس مقام کے سوا اور کسی جگہ اسم ہذا کا استعمال نہیں ہوا۔ دوسرے مقامات پر تو روح القدس کا لفظ آیا ہے پینتی کاسٹ والے دن بھی پطرس نے روح القدس ہی کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ ہر دو مقامات کا فرق صراحۃً بتا رہا ہے کہ "روح الحق" اور ہے اور "روح القدس" اور۔

روح القدس کو پادری صاحبان تثلیث کا جزو ثالث تسلیم کرتے ہیں تو کیا کریں۔ مگر روح القدس نے تو کبھی کوئی نئی تعلیم کسی مسیحی کو نہیں دی۔ چنانچہ خود کسی مسیحی عالم کی شہادت بھی یہ موجود نہیں کہ اُسے راستبازی کی وہ باقیماندہ تعلیم روح القدس سے ملی ہے۔ جسے حضرت مسیح ادھورا چھوڑ گئے تھے۔

آیت زیب عنوان نے صاف طور پر بتلا دیا۔ کہ استاد عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت حضور سرور کائنات ہی کو حاصل ہے۔

ناظرین دریافت کر سکتے ہیں۔ کہ امور کثیرہ کیا ہیں؟ جو مسیح کی تعلیم میں نہیں پائے جاتے بلکہ یہودیوں کی کتابیں بھی اُن سے خالی ہیں اس کا جواب ناظرین کو ہمارے دوسرے مضمون "خصائص

القرآن" سے ملیگا۔ اُسے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے۔ کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے۔ کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں۔ جن کو علم لدنی عطا ہوا تھا۔ تو کیا اس سے اشتباہ گزر سکتا ہے۔ کہ اُن میں سے ہی کسی بزرگ نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو؟ جواباً عرض ہے کہ ان سب ایسے بزرگوں کا زمانہ حضرت مسیح سے بہت پیشتر کا ہے پس وہ لوگ مسیح کی کمی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے۔

لہذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ سرپرآرائے علوم ہیں جو فرش خاک پر بیٹھے۔ اور خاکی و نوری۔ انسی و جانی کو ایسے ایسے علوم سے مستفیض فرمایا۔ کہ یہ خاک کے ذرّات بمقدارِ آسمانِ علوم پر تاباں نجوم بنکر چمکے۔ اور ضیا بخش عالم و عالمیان قرار پائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے تلامذہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے۔ مسیح کے بارہ شاگردوں میں سے شمار کر لو۔ کہ کتنے شاگرد اُن کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے۔ دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لئے جا سکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اسی قدر ہے۔ کہ اُنہوں نے جناب مسیح کے حالات زندگی کی اشاعت کی ہے۔ اور بس۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعات میں ہر قسم و ہر منصب کے کاملین نظر آئیں گے۔

آپ دیکھیں گے کہ ابوبکر و عمر ملکداری و جہانبانی کی تعلیم

ابو عبیدہ و خالد ہنگامہ آرائی و جہان کشائی کی۔

معاذ و ابو درداء بیان دین و دانش کی۔

سلمان و ابوذر زہد و قناعت کی۔

علی مرتضی و ابن مسعود حقائق علمیہ کی۔

عثمان غنی و ابن عوف پرورش یتامی و اعانت ایامی کی۔

زید بن ثابت و ابی بن کعب انصاری فرائض الہیہ کی تعلیم کی دنیا کو دے رہے ہیں رضی اللہ عنہم

یہ چند مبارک نام صرف تقریب و تفہیم مدعا کیلئے درج کر دیئے گئے ہیں۔ ورنہ اس بارگاہ قدس سے وہ کونسا طالب ہے جو کہ شعبہ کا ... بارانِ رحمت سے ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کی روایات کا شمار ۲۲۱۰ ہے۔ اور ابن عمر و انس بن مالک کی مرویات بھی اسی کے قریب پہنچ جاتی ہیں اور ابو ہریرہ کی احادیث کا شمار ۵۳۷۴ ہے۔ پھر ان کے سوا اور بھی ایسے صحابہ رہ جاتے ہیں جن کے نام مکثرین روایات کی تحت میں درج ہیں مثلاً ابن عباس، و جابر بن عبد اللہ، و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اجمعین تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ قدس کا ہر ایک طالب علم استاد عالم ہونے کی شان رکھتا ہے۔

یاد رکھیئے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں۔ وہی عرب جنکی صفت اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتَابَ کے الفاظ میں نمایاں ہے۔ (یعنی ان پڑھ اور کتاب سے بے خبر)

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نہ صرف یہی لوگ فروہ علیات علوم کو پہنچے بلکہ انکے شاگرد بھی وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ کی سند سے مسند امامت تعلیم ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت عربوں نے علم کو عام بنایا اور اسے رفعت کمال پر پہنچایا۔

یہ حضور ہی کے ادنیٰ ترین کفش بردار تھے۔ جنہوں نے سپین و قرطبہ، بغداد و دہلی، تیونس و الجزائر، ترکستان و چین، تاتار میں ہزاروں مدارس و مکاتب کھول دیئے تھے۔ جن میں جملہ اقوام (مسلم و غیر مسلم) کو بلا تفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو اقرار ہے۔ انکار نہیں کہ یہی اسلامی ممالک تمام یورپ کے استاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اس روش اور طریقہ کو دیکھیں جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں ان کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اس فراخ دلی و وسعت خاطر کا اندازہ لگائیں۔ جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علوم جدیدہ کی ایجاد و حاجت میں ان کا معمول رہا ہے۔ تو بخوبی ہویدا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنہوں نے ابتدائے دنیا میں علوم کو پھیلایا

تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سید و مولا نبی صلعم کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہذا ان غلاموں کے اعمال بھی حضور ہی کے حسن ہدیٰ کا بیان اور حضور ہی کے اسوۂ حسنہ کی برہان ہیں۔

اور یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی کمال و حقیقت عالم اعلیٰ کے ساتھ منسوب نہیں پائی جاتی ہے۔

غالباً یہ بیان نامکمل رہ جائیگا۔ اگر میں اس مقام پر مختصراً ذکر نہ کرونگا۔ کہ علوم جدیدہ کی ترویج اشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی۔ اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے کیسے نمونے دکھلائے۔

ڈی رومینس نے ظاہر کیا۔ کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے اسے خدا کی کمانِ جنگ بتانا۔ یا انتقام الٰہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔

صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے روما بھیجا گیا۔ وہ جیل ہی میں مرا۔ اُسکے لاشہ کو۔ اور اُسکی کتابوں کو جلا دیا گیا۔ جو حکم سوختگی لاشہ کی بابت صادر ہوا تھا۔ اُس میں اس سوختنی کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا تھا۔ کہ "وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا"۔

گویا ساعیٔ صلح اسی پاداش کا مستحق تھا۔

برونو کو سنہ ۱۶۰۰ء میں لمبی قید کے بعد اس لئے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اُس نے دنیا کو عالم اسباب کہہ دیا تھا۔ یا اُسکے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکار ہوتا تھا۔

کرویت زمین کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا۔ اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا۔ لیکن یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا۔ تو قیامت برپا ہوگئی اور بہتیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے قتل کر دیئے گئے۔

چیچک کا ٹیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا۔ سنہ ۱۷۲۱ء میں ایک عورت مسماۃ میری مونٹا اسے یورپ میں لیگئی تو پادریوں نے اس طریقۂ علاج کی بے حد مخالفت کی۔ حتٰی کہ بادشاہ سے بھی درخواست کیگئی کہ شاہی اختیارات سے اسکا نفاذ روک دیا جائے۔

امریکہ میں جب یہ طریق نکلا۔ کہ عورت کو ولادت کیوقت مخدر کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے۔ کہ عورت کو ولادت کیوقت آرام پہونچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کیلئے موجود ہے۔

کرونیال آسمینس نے ۸ ہزار قلمی کتابیں غرناطہ میں اس لئے سوختہ کردیں کہ ان کا مضمون کنیسہ کی رائے کے مطابق نہ تھا۔

ہم پر تعصب کو ایک اسلام یافتہ اور ترقی کردہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے

کہ اس مذہب میں دل و دماغ کو آزادی عطا کیگئی ہے۔ اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو
کلفان نے سیرفیٹ کو جلا ڈالنے کا حکم اس لئے دیا تھا۔ کہ اسکی تحقیقات میں مجلس نیقسہ
کے انعقاد سے بھی پیشتر دینِ مسیحی میں بدعت داخل ہو چکی تھی۔

اُسے زندہ دھکتی آگ میں کباب کیطرح صرف اسی گناہ عظیم کی پاداش میں بھونا گیا۔

فاینی بھی ۲۹ سنہ کو اسی جرم میں شہر تلوز میں جلایا گیا تھا۔

پادری لوپتر ارسطو کو ہمیشہ جھوٹا۔ ناپاک۔ خنزیر کہا کرتا تھا۔

علم پروارانِ اسلام نے نہ تو اخذ علوم میں اس لئے تنگ چشمی کی۔ کہ وہ علوم اقوام غیر یا ممالک غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں اس لئے تنگ دلی کی۔ کہ طالب علم غیر مذہب یا غیر قوم۔ یا رعایائے غیر ہیں۔

ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں۔ جو مؤرخین اسلام پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے بیسیوں کا ذکر ڈیون پورٹ۔ لیبول پول۔ اور ایڈورڈ گبن نے بھی کیا ہے مسلمانوں میں یہ روشنی اسی منبع نور سے آئی۔ جسکی خصوصیت کے اثبات میں آیت وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ زیب عنوان ہے۔

ناظرین کو تاریخ عالم کے تفحص سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس خصوصیت کا تاج حضور صاحب معراج ہی کے فرق مبارک پر تاباں و درخشاں ہے فافہم

خصوصیت نمبر ۱۶

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ ۲)

ہمارا نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

قبل ازیں تحریر ہو چکا کہ الکتاب قرآن مجید ہے۔ اور تعلیم الکتاب کی تحت میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ شامل ہیں۔

لہذا خصوصیت ہذا کے تحت میں "تعلیم حکمت" کا مذکور ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا | جسے حکمت دی گئی۔ اُسے خیر کثیر دی گئی۔

آیت بالا سے آشکار ہے کہ فضائل محمودہ۔ اور محاسن کثیرہ کا نام حکمت ہے۔ لفظ حکمت کا اثبات منصب نبوت سے علیحدہ بھی کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (لقمان) ہمنے لقمان کو حکمت عطا فرمائی تھی۔

قابل غور یہ امر ہے کہ الکتاب اور تعلیم الکتاب کے بعد اب کونسی بات رہ گئی تھی جسے حکمت سے تعبیر فرمایا گیا۔

واضح ہو کہ ہدایات واضحہ اور بیانات راشدہ پر عمل کرنے کے موقعہ پر مختلف الامزجہ لوگوں کی حالت بھی مختلف ہوا کرتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچیدہ معاملات کو عملی طریق پر بھی حل کر کے صحابہ کو مکمل تعلیم عطا فرمائی تھی۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز مدینہ ہوتے ہیں تو اول مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کرتے ہیں اور پھر یہودان یثرب اور مومنین اسلام میں ایک معاہدہ قلم بند فرما کر انکو بھی اتحاد مدنیت میں شامل فرما لیتے ہیں معاہدہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ وَّ يَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ إِنَّهُمْ أُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ	یہ تحریر محمد النبی صلعم کی جانب سے ہے۔ کہ مومنین و مسلمین مکہ و یثرب ایک قوم واحد ہونگے اور جو جو لوگ ان کا اتباع کرینگے اور ان کے مجاہدات میں شامل ہونگے وہ سب ہی اس وحدت میں شامل ہونگے۔
۲۔ وَإِنَّ يَهُوْدَ بَنِيْ عَوْفٍ أُمَّةٌ مَّعَ الْمُؤْمِنِيْنَ	یہودان بنی عوف بھی مومنین کی معیت میں قوم سمجھے جاوینگے
۳۔ وَإِنَّ بَيْنَهُمُ النَّصْرَ عَلٰى مَنْ حَارَبَ أَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ	مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان باہمی امداد کا طریق جاری ہوگا۔ خواہ کوئی بھی اس معاہدہ والوں کے خلاف لڑنے کو آئے۔

غور کرنے والا جب الفاظ معاہدہ کی گہرائی کا اندازہ کریگا۔ تو اُسے یہ فعل عین حکمت نظر آئیگا۔

۲۔ سرورِ کائنات نے مدینہ پہنچکر اُن سب رستوں پر آباد قبائل سے جو مکہ سے مدینہ کو آتے ہیں معاہدہ باہمی کا قائم و مستحکم کر لینا ضروری خیال فرمایا۔ بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے معاہدات اسی حکمت پر مبنی ہیں۔

۳۔ صلحنامہ حدیبیہ میں "من محمد رسول اللہ" لکھا گیا تھا۔ قریش کا کمشنر معاہدہ اس پر معترض ہوا وہ اپنی بات پر اصرار کرتا ہے اور کاتب نبی بھی اس مقدس کتابت پر اتنا ہی جما ہوا ہے یقینا یہ کلمہ پاک اُسکے دل پر مرتسم ہے۔ تکرار یہانتک بڑھ جاتی ہے کہ صلحنامہ کا نامکمل رہ جانا زیادہ یقینی ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں "محمد رسول اللہ" بھی ہوں۔ اور محمد بن عبد اللہ بھی۔ لہذا محمد بن عبد اللہ لکھدیا جائے۔ اس حکمت سے سارا مناقشہ ختم ہو جاتا ہے۔

۴۔ کفار مکہ نے کفار یثرب کو لکھا۔ کہ وہ مہاجرین و انصار سے جنگ شروع کر دیں۔ اگر یثرب والوں نے ایسا نہ کیا تو مکہ والے خود حملہ کر کے اپنے مخاطبین کو فنا کر دینگے۔ اہل یثرب پر دھمکی کا یہ جادو چل گیا۔ اور اُنہوں نے مہاجرین و انصار پر حملہ کی تیاری کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ اطلاع پا کر اہل یثرب کے پاس گئے اور یوں تقریر فرمائی۔

"تم اہل مکہ کی چال کو نہیں سمجھتے وہ تمہارے ہاتھ سے تمہارے اعزا و اقارب کو (جو مسلمان ہو گئے ہیں) قتل کرانا چاہتے ہیں حالانکہ اگر تم کو اہل مکہ سے جنگ کرنی پڑی۔ تو وہ مقابلہ اغیار سے ہوگا۔"

اس مختصر تقریر نے عجیب اثر کیا۔ اور اہل مدینہ میں جو اندرونی جنگ شروع ہونے والی تھی رُک گئی۔ اس حکمت نے اہل اسلام کے ہجرت گاہ کو اندرونی بے اتفاقی سے محفوظ کر دیا۔

۵۔ طائف و حنین کے لوگ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا چاہتے تھے۔ اُن کو بمقام اوطاس شکست ہوئی۔ انکی فوج طائف کے قلعہ میں حصار بند ہو گئی۔ محاصرہ کیا گیا۔ جب محصورین کو محاصرہ کی سختی محسوس ہونے لگی۔ اور اندر کے آدمی یکاں یکاں قلعہ کی دیوار پھاند پھاند کر بھاگنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ اُٹھا دینے کا حکم دیا۔ اس حکم سراپا رحم کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ چپ ناہ

کے بعد طائف کی تمام آبادی مسلمان ہوگئی۔

۶۔ ہرقل نے عرب پر حملہ کرنا چاہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند فرمایا۔ کہ عرب کو رومائی فوجوں کا تاراج گاہ بنایا جائے۔ خود آگے بڑھے۔ اور عرب کی انتہائی سرحد پر جا کر ٹھہر گئے۔ اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ تمام ملک کی امداد لشکر اسلام کو بخوبی پہنچ سکتی تھی۔ ہرقل پر اس پیشقدمی اور جرأت کا گہرا اثر پڑا اور اس نے عرب پر حملہ کے خیال کو دماغ سے نکال دیا۔

۷۔ سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ تو وہاں سے ۳۶۰ بت تو نکالدیئے گئے۔ مگر خود عمارت کعبہ کے متعلق کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ موجودہ عمارت وہ تھی جو حضور کی نبوت و بعثت سے پانچ سال پیشتر بنائی گئی تھی۔ اس تعمیر کے وقت قریش نے سامان اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کا طول کم کر دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منشاء بطور استحسان تو ظاہر فرما دیا کہ عمارت کا بناء ابراہیمی پر ہونا بہتر ہے مگر اس حکمت سے کہ ابھی قوم کی دینداری حداثت میں ہے۔ عمارت کو یوں کا توں چھوڑ دیا۔ ابھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے اس عمارت کیلئے مالی، بدنی، امداد دی تھی۔ اس لئے یہ بعید نہ تھا۔ کہ ان لوگوں کو اس عمارت کا انہدام شاق گزرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دلداری و دلدہی کی بنیاد کو مضبوط فرمایا۔ اور اینٹ پتھر کی عمارت کیلئے زیادہ اہتمام نہ فرمایا۔

امثال بالا اور انکی اشباہ و نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر جملہ معاملات تمدن و اخلاق اور مصلحت شناسی میں تعلیم حکمت کو جاری رکھتے تھے۔

ہاں یاد رکھو کہ تعلیم حکمت میں یہ امر بھی شامل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شرائع کو عقل و حکمت پر مبنی ظاہر فرمایا تھا۔ اور ان احکام کی علت و حکمت کا اظہار بھی فرما دیا کرتے تھے یہ ایک عجیب خصوصیت حضور کی حکمت آموزی کی تھی۔ ورنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پیشتر شرائع ماقبل میں بہت کم اس پر توجہ کی گئی۔ بلکہ احکام کی تعمیل و عدم تعمیل کو علامت اطاعت یا نشان طغیان کے اصول پر منحصر رکھا گیا تھا۔ جس سے لوگ سمجھنے لگے تھے۔ کہ شریعت کی مثال ایسی ہے۔ کہ ایک آقا نے اپنے غلام کو حکم دیا۔ کہ اس پتھر کو ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھ دے۔ اگر غلام نے پتھر اٹھا دیا۔ تو وفادار سمجھا گیا۔ اور نہ اٹھایا۔ تو نافرمان قرار دیا گیا

حالانکہ اس حکم سے نہ آقا کا کوئی اصلی مقصود تھا۔ اور نہ غلام کا کچھ فائدہ یا نقصان اُسکی تعمیل یا عدم تعمیل میں مضمر تھا۔

ہاں دیکھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو بطور طب روحانی مرتب فرمایا ہے عضو عضو پر وارد ہونیوالے امراض روحانیہ کا ذکر فرمایا۔ پھر اُنکا علاج۔ اور علاج میں مفرد و مرکب اشیاء کا استعمال سکھلایا ہے صحت قلب کی حفاظت کرنیوالی۔ حیات روحانی کو نشو و نما دینے والی۔ روحانیت کے اعضائے رئیسہ کو قوی و چست بنانے والی ادویہ کا ذکر درجہ بدرجہ فرمایا ہے۔

تکمیل نفس کے بعد حضور کی تعلیم حکمت کا دورِ ثانی شروع ہوتا ہے۔ اور تدبیر منزل و تربیت عائلہ کے مفصل احکام ملتے ہیں۔

دورِ ثالث میں سیاست مدن کے دروس کا آغاز ہوتا ہے۔ اقوام عالم اور بلدان جہاں کے واجبات و حقوق سے عالم ورعالم کو روشناس فرمایا ہے۔ حضور کی یہ جملہ مساعی بطور معلم حکمت ہیں اور اہل بصیرت و دانش کو اقرار کرنا پڑے گا کہ حضور کے برابر اس فرض کو اور کسی نے بھی اس حسن تکمیل کے ساتھ ادا نہیں فرمایا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اسماء اللہ الحسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی "حکیم" ہے اور کتاب اللہ کی صفت میں بھی یہی اسم استعمال ہوا ہے۔ فرمایا یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ۔ اور اس کتاب حکیم نے حضور کو معلم حکمت بتلایا ہے۔ تو ان حوالجات سے اول تو حکمت و دانش اور علم و دانش کا درجہ بلند تر ہو جاتا ہے۔ اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب عالی کا ارفع و اعلیٰ ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

تعلیم حکمت کے متعلق مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک حدیث اس مضمون کے اختتام پر لکھ دینی چاہیئے۔ مضمون حدیث کی ہمہ گیری اور صاحب ارشاد کی حکمت آموزی کی وسعت کا اندازہ ناظرین خود فرمالیجئے۔

کَلِمَۃُ الْحِکْمَۃِ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ اِذَا وَجَدَھَا اَخَذَھَا

کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو۔ جہاں پاؤ۔ اپنا ہی مال سمجھو۔

خصوصیت نمبر ۱۷

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف ۱۶)

اور اُنکا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے اور وہ پھندے کھول دیتا ہے جو اُن پر پڑے تھے

آیت بالا سے روشن ہے۔ کہ لوگوں کو بھاری بوجھوں نے دبا رکھا تھا۔ اور اُنکے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔

اُن بندشوں، قیدوں، زنجیروں، بندھنوں سے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے آزاد فرمایا تھا۔ اور ایسا کرنا حضور کی نبوّت عامہ کا لازمہ تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت عرب عجم پر عام ہے۔ اور حضور کی دعوت میں کافّةً لِّلنَّاسِ شامل ہیں لہذا مفہوم آیت بالا کے سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ قبل از بعثت نبوی دنیا بھر کی ساری اقوام کیسی کیسی قیود سے جاہیں گرفتار تھیں۔

ہم مختصراً عرب۔ یہود و نصاریٰ۔ مجوس وہنود کا ذکر کرینگے یہی وہ اقوام ہیں جن کو تمدن کے لحاظ سے کوئی منزلت دی جا سکتی ہے۔

الف۔ عرب

بدکاری وزناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے۔ اور اپنے افعال قبیحہ پر فخر کرتے ہوئے اُن کو اپنے اشعار کے ذریعہ مشتہر کیا کرتے تھے۔

شراب اور سخت نشیلی عرقیات کا استعمال عام تھا۔ مدہوشی میں جو معیوب اور خراب باتیں سرزد ہوتیں۔ اُن پر شرمندہ نہ ہوتے تھے۔

لونڈیوں کو (جو قینیات) کہلاتی تھیں گانے بجانے، ناچنے کے لئے پالا کرتے تھے۔

اُنکی زناکاری کی آمدنی کو اُنکے آقا اچھی آمدنی سمجھا کرتے تھے جو عورتیں لڑائی میں گرفتار ہو کر آتیں۔ اُنکو قینیات میں داخل کیا جاتا تھا۔

عورت کسی جانور کا دودھ نہیں دوہ سکتی تھی۔ اگر کسی گھرانے کی عورت ایسا کر بیٹھتی۔ تو سارا خاندان حقیر سمجھا جاتا۔

مال وراثت کا حصہ صرف بالغ مرد پاتے تھے۔ تمام عورتیں اور بچے اپنے والدین اور عزیز و اقارب کے ترکہ سے قطعاً محروم رکھے جاتے تھے۔

بیوہ عورت پر متوفی شوہر کا قریبی رشتہ دار اپنی چادر ڈال دیتا تھا۔ عورت خوش ہو یا ناخوش۔ وہ چادر والے کی بیوی بنجاتی تھی۔ سوتیلے بیٹے بھی اپنی سوتیلی ماؤں پر اسیطرح قابض ہوجایا کرتے تھے۔

عورتیں بے حجاب مجمع عام میں نکلا کرتی تھیں اور اپنے جسم کا مخفی سے مخفی حصہ عوام الناس کو دکھلانے میں عار نہ سمجھتی تھیں مرد و زن جسم کو نیل سے گودا کرتے۔ عورتیں مصنوعی بال لگاتیں۔ دانتوں کو درانتی سے تیز بناتی اور ان مصنوعی طریقوں سے خود کو نوجوان بناکر جوانوں کو جل دیا کرتی تھیں۔

جو خاندان زیادہ شریف سمجھے جاتے تھے۔ وہ زندہ لڑکیوں کو زیر زمین دفن کر دیتے یا چاہ عمیق میں دھکیل کر ہلاک کر دیتے تھے۔ اس فعل پر فخر کیا کرتے اور اسے اعلیٰ شرافت کا نشان سمجھا کرتے تھے۔

ازدواج کے متعلق کوئی قاعدہ موجود نہ تھا۔ اور محرم و غیر محرم عورتوں کی تمیز کے لئے کوئی صاف آئین منضبط نہ تھا۔

قمار بازی نہایت دلپسند شغل تھا۔ اور مشہور مشہور لوگوں کے گھر "قمار خانہ عام" سمجھے جاتے تھے ارواح خبیثہ کا اعتقاد عام تھا۔ اور انسان پر ایسی ارواح کے تصرف تام کو تسلیم کرتے تھے خیالی وہمی دیوتا اور دیویاں مانی جاتی تھیں۔ اُنکی شکلیں اور صورتیں عجیب عجیب بناتے اور اُسی کے موافق اُنکے بت گھڑے جاتے تھے۔ پھر مندروں میں استھاپن کئے جاتے اور پوجے جاتے تھے عموماً ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا بت الگ تجویز کیا کرتا تھا۔ اور اپنی قسمت اُسی بت کے قبضہ میں سمجھا کرتا تھا اگر ایک قبیلہ کی عداوت دوسرے قبیلہ سے ہوجاتی۔ تو اُسکے بتوں سے بھی عداوت و نفرت کی جاتی تھی۔

گھوڑ دوڑ پر بازی لگانے کا بہت رواج تھا۔ (اسے رہان کہتے تھے) گھوڑ دوڑ میں بیسیوں گھوڑے شامل کئے جاتے تھے۔

گھوڑوں کے نمبر لگانے میں کبھی اتنا اختلاف بڑھ جاتا کہ لڑائی چھڑ جاتی۔ اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔

اگرچہ غلاموں کا آزاد کرنا موجب فخر و مباہات سمجھا جاتا تھا مگر آزاد شدہ غلاموں پر مالک کا حق ملکیت قائم رہتا تھا۔ اس حق کو آقا دوسرے کے پاس فروخت یا ہبہ بھی کر سکتا تھا۔

بتوں اور ارواح کی پرستش کی جاتی۔ اُن کو سجدہ کیا جاتا۔ اُنکی منت مانی جاتی۔ اُن کے نام پر قربانیاں کی جاتیں۔ اونٹ۔ گائے۔ بکری کا پہلوٹا بچہ اُن کے نام پر ذبح کیا جاتا۔

زراعت میں زمین کا بہترین حصّہ بتوں کے نام پر خاص ہوتا۔ اگر اس حصّہ کی پیداوار کسی ارضی یا سماوی حادثہ سے ماری جاتی۔ تو زمین کے دوسرے حصّہ کی پیداوار سے اُس کی کمی کو پورا کیا جاتا۔

بھوک اور قحط کے وقت مویشی کا خون پی جاتے تھے۔ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ جانوروں کی حرکات سے یا آوازوں سے شگون لیا کرتے۔ ٹوٹکے منتر مانے جاتے تھے۔ اُن کی عقل و فکر پر توہمات کی پوری حکومت تھی۔

انتقام اور کینہ جوئی کو اچھا سمجھا جاتا۔ ایک ایک دو۔ دو نسل اوپر کے واقعات کا انتقام لیا جاتا۔ اور اسے بہادری کا لازمہ سمجھا جاتا۔

عرب کے ملحق الحدود ملکوں میں جو جو فواحش اور قبائح موجود تھے۔ اُن کو جلد اخذ کر لیا جاتا۔ حسب نسب پر غلو کے ساتھ فخر کیا کرتے۔ ہر ایک قبیلہ دوسرے قبائل کو ذلیل و حقیر سمجھا کرتا اور یہی بات بسا اوقات عداوت منافرت۔ اور جنگ کا موجب بنجاتی۔

خاندانی رسوم کی حکومت دل و دماغ پر قانون اور مذہب سے بڑھ کر حکمران تھی۔ رسوم کے مقابلہ میں حریت رائے کا وجود گم تھا۔

اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کیلئے قبائل اپنے ملحق الحدود اقوام غیر سے ساز و باز رکھا کرتے۔ فارس۔ روما۔ حبش کو اپنے ہی ملک پر چڑھا لانے پر ہوشیاری سے کام لیتے۔

اُن کے مشہور مشہور بُت مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ ھُبَل۔ بہت لانبا بُت تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے والی دیوار کی منڈیر پر نصب شدہ تھا۔ عرب کی

تمام قبائل اسکی عظمت کے سامنے سرنگوں تھے۔ جنگ اُحد میں ابوسفیان نے اُعلُ ھُبلُ ہی کا نعرہ لگایا تھا۔ میںنے ۱۳۳۹ھ میں باب السلام سے باہر پتھر کا ایک لمبا ستون پڑا ہوا دیکھا تھا جسکے اوپر سے قدم رکھتے ہوئے لوگ آتے جاتے تھے۔ عام طور پر مشہور تھا۔ کہ یہ ستون اُسی بُت ھبل کا ایک حصہ ہے۔ اسکے تین پہلو نمایاں تھے۔ اُن پر کوئی مورت نہ تھی۔ وَد۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق نسر حضرت شیث علیہ السلام کے پوتوں۔ پرپوتوں کے نام ہیں۔ لوگوں نے ان کے بت تیار کر رکھے تھے۔

قبیلہ بنو کلب	وَد کو	بنو مذحج	سواع کو
بنو مراد	یغوث کو	بنو ہمدان	یعوق کو

اور بنو ہمدان کی دوسری شاخ نسر کو معبود سمجھا کرتے تھے۔

لات۔ لفظ اللہ کا مؤنث بنایا گیا ہے۔ اُسے "ربّہ" بھی کہا کرتے تھے۔

منات۔ لفظ منان کا مؤنث ہے۔ کوہ مشلل پر اس کا بُت تھا۔ ان دونوں بتوں کی خدائی تمام عرب میں مسلمہ تھی۔ ہذیل و نزار اوس و خزرج منات کے خاص پوجا کرنے والے تھے۔

عُزّیٰ۔۔ لفظ عزیز کا مؤنث ہے۔ بنو شیبان خصوصیت سے اسکی پرستش کرتے اور اعتقاد رکھتے کہ موسم گرما میں خدا اسی کی استھان میں رہا کرتا ہے۔ بنو کنانہ بھی اسی کے معتقد تھے۔

دوّار[۱۱]۔ نوجوان عورت کا بُت تھا۔ اُسکے گرد اگرد چکر لگایا کرتے۔

(۱۱-۱۲) اساف[۱۱] بن یعلی اور مسمات نائلہ[۱۲] بنت زید بن جرہم۔ یمن کے باشندے تھے۔ انکے باہمی تعلقات گندے تھے۔ مکّہ مکرمہ میں پہنچکر یہ مرتکب کبیرہ ہوئے۔ ان کو سزا دی گئی اور ان کے لاشے تشہیر و رسوائی کیلئے بلا دفن رکھے گئے۔ اساف کو کوہ صفا پر۔ اور نائلہ کو کوہ مروہ پر۔ لاشے گل سڑ گئے۔ تو ان کے بُت بنا کر رکھدیئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد لوگ ان دونوں کی پرستش کرنے لگ گئے[۱]

سعیدب[۱۳]۔ ایک بڑا پتھر تھا۔ قربانی [illegible] تھا استھان۔

شمس[۱۴]۔ [illegible] کا دیوتا۔ [illegible]

ل ماخوذ از اغاثۃ اللھفان صفحہ ۳۱۔

ایسا ہی یہ ایک بُت کا نام تھا۔ ایک بار ایام قحط اس بُت کی رضامندی کیلئے ایک سو بیل (گاو نر)
اسکی بھینٹ چڑھائے گئے تھے۔ اسکے حالات وفد خولان نے اسلام لانے کے بعد نبی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی حضور میں گزارش کئے تھے۔

ذوالکفین[۱۵] - لکڑی کا بُت تھا۔ قبیلہ دوس کا معبود طفیل بن عمرو بن حممہ نے اسلام کے بعد
اسے آگ لگاکر راکھ بنایا تھا۔

فُلس[۱۶] - قبیلہ طے کا بُت تھا۔ جلایا گیا۔

سَعد[۱۷] - بنی ملکان بن کنانہ کا بت۔

ذوالشری[۱۸] - بنو حرث بن شکر کا بُت۔

نُہم[۱۹] - بنو مزینہ کا بُت۔

شعیر[۲۰] - بنو عنزہ کا بت۔

ذوالخلصہ[۲۱] - تاج پوش عورت کی شکل میں قبیلہ خثعم و بجیلہ کا معبود۔ ملہ

ان بتوں کی پرستش میں جن تکالیف اور مصائب نے اہل عرب کو اپنا شکار بنایا ہوا تھا۔ اُنہی کو
آیت پاک میں "اِصر" اور "اَغلال" فرمایا گیا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم ہی کے طفیل تمام عرب کو ان بندشوں سے نجات ملی تھی
اب یہود کا حال بھی معلوم کرو۔

ب ۔
یہود

یہود اگرچہ صرف اُسی ایک قبیلہ کو کہنا چاہیئے تھا جو یہودا پسر یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ہے
لیکن اب یہ نام بعرف عام اُن بارہ قبائل کا ہو گیا ہے۔ جو دوازدہ اسباط بنو اسرائیل ہیں۔
ذیل میں اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے سب فرزندوں کے نام بہ ترتیب ولادت تحریر کئے
جاتے ہیں۔

نمبر شمار	نام	نام کے معنے	والدہ کا نام
۱	روبن	انظر ابناً بیٹا دیکھو	لیاہ بیگم

ملہ ماخوذ از زرقانی و اغاثۃ اللہفان۔ نقطہ۔ ۱۲ منہ

۲	سمعون	سماعت	لیاہ بیگم
۳	لاوی	جفنت	لیاہ بیگم
۴	یہوداہ	تحسین	لیاہ بیگم
۵	دان	منصف	مسماۃ بلہا کنیز راخیل بیگم
۶	نفتالی	کشتی گیر۔ یا پہلوان	مسماۃ بلہا کنیز راخیل بیگم
۷	جد	عسکر	مسماۃ زلفہ کنیز لیاہ بیگم
۸	آشر	نصیب	مسماۃ زلفہ کنیز لیاہ بیگم۔
۹	اشکار	اجرت یا انعام	لیاہ بیگم
۱۰	زبلون	رفیق	لیاہ بیگم
۱۱	یوسف	مزید	راخیل بیگم
۱۲	بن یمین	دست راست کا فرزند	راخیل بیگم

یہودیوں کی عزت و شہرت داؤد علیہ السلام کے عہد سے بڑھ گئی تھی۔ اُن کے فرزند سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہر یہودا اپنی خوشی سے اُٹھتا بیٹھتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کو دنیا سے رخصت ہوئے چند ہی سال ہوئے تھے۔ کہ اُن کے فرزند رجعام سے دس اسباط علیحدہ ہو گئے۔ رجعام کی حکومت صرف دو فرقوں پر رہ گئی۔ رجعام کی اولاد شاہان یہودا۔ اور دوسری شاخ شاہان بنو اسرائیل کہلائے۔

وہ یروسلم جسے خدا نے اپنا گھر کہہ کر منظور کیا تھا۔ چالیس سال ہی کے بعد مردود ربانی ہو۔ یہودیوں کی تاریخ کو پڑھو۔ پھر وہ ہمیشہ کیلئے مصیبتوں کی داستان بن گئی۔ ان میں بت پرستی و بے ایمانی کا آغاز تو عہد سلیمانی کے آخری ایام ہی میں ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ بخت نصر نے دونوں شاخوں کا خاتمہ کیا۔ اُسوقت سے اُن کی تاریخ اسیری بدنظمی۔ جلاوطنی۔ غلامی کے واقعات سے لبریز ہے۔ بعہد سلطنت نیرو (بادشاہ روما) یعنی سنہ ۷۰ء میں فلسطین یہودیوں سے بالکل خالی تھا۔ وہ مَلْعُونِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا کے پورے پورے مصداق تھے۔

جب قسطنطین اوّل عیسائی ہو گیا۔ تو یہود کی دنیوی حالت آسیائے سنگ میں پھنسے ہوئے دانہ
کی سی تھی۔ اُنکی قومیت کسی جگہ تسلیم نہ کی جاتی تھی۔ اُن کو کسی ملک میں بھی آزاد شہری
کے حقوق حاصل نہ تھے۔

دینی حالت بد سے بدتر تھی۔ موسیٰ کلیم اللہ کے عہد سے لیکر عیسےٰ کلمۃ اللہ کے زمانہ تک
اُنھوں نے ہر ایک نبی اللہ کی تکذیب و تذلیل میں ہمیشہ سرگرمی دکھلائی تھی۔ کتاب توراۃ
ان میں موجود نہ رہی تھی۔ اس لئے حلال و حرام اور سُخط و رضا کا بیان صرف اَحبار کے اِخبار و
واعتبار پر رہ گیا تھا۔ اور یہ لوگ اکل سُحت (مردار خواری) اور اخذ ربٰو (سود خواری) میں اتنے
دلیر ہو گئے تھے۔ کہ فتاویٰ شرعیہ فروخت ہوتے تھے۔ اور امیر و غریب کے مقدمات مقدار
رشوت کے مطابق طے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں رسل و انبیاء بکثرت و تواتر بھیجے۔ لیکن اسرائیلیوں نے کبھی اُنکی
نہ وقعت کی۔ اور نہ نصرت۔ بلکہ بعض اوقات انبیاء کو قتل کرنے سے بھی نہ ٹلے۔

توہمات نے روحانیت مذہبی کو فنا کر دیا تھا۔ اور خود گھڑت زہد و اتقا نے شریعت کو
اُن کے حق میں لعنت ٹھہرا دیا تھا۔ سیّدنا مسیح اِن کو سانپ اور سانپ کے بچے فرمایا کرتے تھے
سیّدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مخذول قوم کے اغلال و اصر کو
دور کر دینے کا عزم فرمایا۔ اور از راہ ترحم چاہا۔ کہ ان کو بھی دنیا کی دیگر اقوام کی مجلس میں عزت
کی جگہ عطا فرمائیں۔

اِس مبارک خیال سے حضور نے مدینہ پہنچتے ہی ایک معاہدہ بین الاقوامی منعقد فرمایا۔ اور معاہدہ
میں یہود کو تمدن کے حقوق مساویانہ سے معزز بنایا۔

اُنکی دینی حالت کو درست فرمانے کیطرف توجہ کیگئی یعنی احبار کے خود ساختہ فتاوٰی سے
اُن کو علیحدہ کر کے اصل شریعت سے روشناس فرمایا۔ اور یہود کے مقدمات باہمی میں تورات
کے احکام بیّنہ کے مطابق فیصلے صادر کئے۔

یہ جملہ تدابیر اس قوم کی اَغلال و آصر سے رہائی دلانے کیلئے تھیں۔

۲۔ شریعت موسوی کے احکام میں بھی شدّت و سختی بہت زیادہ تھی۔ مثلاً توبہ کیلئے خودکشی

یا تحریم دیت ۔ یا تحریم غنیمت ۔ یا سبت کا قطعاً ترک عمل ۔ یا نماز کا کنیسہ سے باہر عدم جواز وغیرہ وغیرہ ۔ ان احکام میں سہولیت و وسعت کا پیدا کر دینا بھی اِصْر و اَغلال سے رہائی دینے کے برابر تھا ۔

نصاریٰ

ج
مسیح علیہ السلام نے اپنے لئے بارہ شاگرد چُن لئے تھے ۔ کہ وہ بنی اسرائیل کے دوازدہ اسباط کے سامنے مسیح کی تعلیم کے گواہ ٹھہریں ۔ ایسے کامل اُستاد کی موجودگی میں بھی یہ لوگ ایسے کچے نکلے کہ مسیح نے کئی بار ان سے فرمایا ۔ کہ اگر ان میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا ۔ تو وہ ایسا اور ایسا کر سکتے ۔ مسیح علیہ السلام اُن کو ملامت فرمایا کرتے کیونکہ مسیح کے ساتھ ایک رات بیدار رہ کر بھی وہ دعا و استغفار میں مشغول نہ رہ سکتے تھے ۔

حضرت مسیح کی تشریف بری کے بعد ان بارہ شاگردوں کے درمیان عقاید اور اعمال کے متعلق سخت اختلافات نمودار ہو گئے ۔

الف ۔ احکام شریعت (توراۃ) کی پابندی ضروری ہے یا نہیں ۔

ب ۔ اقوام غیر میں تبلیغ عیسائیت جائز ہے ۔ یا نہیں ۔

ج ۔ ختنہ صرف اسرائیلیوں کیلئے ہے ۔ یا ہر ایک شخص کیلئے جو عیسائیت میں داخل ہو ۔ ان مسائل پر خوب گرما گرم بحثیں ہوا کرتیں ۔

پولوس یہودی جو بارہ شاگردوں میں نہ تھا ۔ بلکہ مسیح کی موجودگی میں خود مسیح اور اُن پر ایمان لانیوالوں کو ستانے والا تھا ۔ اب عیسائیت میں داخل ہو گیا تھا ۔ اسکی علمی قابلیت اُن بارہ شاگردوں سے بڑھی ہوئی تھی ۔ اس لئے وہ تحریر و تقریر میں خاص شاگردانِ مسیح کو دبا لیتا تھا اور اُس تعلیم کے مقابلہ میں جسکی بابت مسیح نے اُن کو اپنا گواہ ٹھہرایا تھا ۔ ایک نئی تعلیم پیش کر رہا تھا ۔

پولوس ہی تھا جس نے اپنے خواب کو شریعت سے بالاتر درجہ دیا ۔ اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کو نئی نسل کیلئے حلال ٹھہرا دیا ۔

پولوس نے اپنی زندگی میں یہ ایسی نظیر قائم کر دی تھی ۔ جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے

شمع راہ بن گئی۔ کونسلوں پر کونسلیں قائم ہوتی تھیں۔ نئے نئے اعتقاد بنائے جاتے اور منظور کئے جاتے تھے۔ اور پھر جو کوئی اس اعتقاد محدثہ سے اختلاف رائے کا اظہار کرتا تھا۔ اُسے تلوار اور موت کی گھاٹ اُتارا جاتا تھا۔

کونسلوں کے نزدیک زیادہ ضروری فیصلہ طلب مسئلہ مسیح کی الوہیت و ابنیت کا تھا کسی نے مسیح کو دو شخصیتوں اور ایک روح والا۔ اور کسی نے مسیح کو ایک شخصیت اور دو روح والا قرار دیا تھا کسی نے مسیح کو زندگی دنیوی تک بشر اور صلیب کے بعد ابنیت پر فائض بتلایا بہت تھوڑے لوگ تھے جو قدیم عقیدے پر قائم رہ گئے تھے۔ اور مسیح کو بشر اور نبی سے بڑھ کر کچھ تسلیم نہ کرتے تھے۔

تثلیث کا اعتقاد بھی کونسلوں نے نکالا۔ اس اعتقاد کو افلاطون کی تثلیث (خدا عقل اور نفس کلی) سے لیا گیا تھا۔ افلاطون کے مسائل یونان میں عام تھے۔ اس لئے یونان میں اس تثلیث پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا۔ اور یہ عقیدہ جلد پھیل گیا۔

تثلیث کے اقانیم کی بابت بھی اختلافات ہوئے۔ کسی نے تثلیث کے ارکان خدا[1] مریم[2] اور مسیح[3] کو بتایا۔ کسی نے خدا[1] جون[2] یعنی یوحنا۔ اور مسیح[3] کو بتلایا۔ کسی نے خدا[1]۔ روح القدس[2] اور مسیح[3] کو اقانیم ثلثہ ظاہر کیا۔

پھر روح القدس کے متعلق اختلافات شدید ظاہر ہوئے۔ (۱) کسی نے بتلایا۔ کہ مسیح کی پیدائش خدا اور روح القدس سے ہوئی۔ (۲) کسی نے بتلایا کہ روح القدس کی پیدائش خدا اور مسیح سے ہوئی۔ یہ اختلافات وہ تھے۔ جو شجر عیسائیت کی جڑ میں جراثیم بنکر اُسے بیخ و بُن سے کھو کھلا کر رہے تھے۔

روما و قسطنطنیہ اور مصر و یروشلم کے کلیسیا اپنے اپنے شرف و بزرگی کے مدعی تھے اور ایک دوسرے پر تمام امور دینی میں فوقیت و برتری کے خواہاں تھے۔

انہی ایام میں مریم اور مسیح کی پرستش کا دستور بھی رائج ہو گیا تھا۔ ہزاروں عورتیں اور ہزار در ہزار مرد تارک الدنیا (راہبات ۔ راہبان) بن گئے تھے۔ ان کا وجود متمدن دنیا کیلئے بوجھ تھا۔ نیز کلیسا کے اخلاق و اعمال پر ایک بدنما دھبہ تھا۔

کفارہ کے مسئلہ نے اعمال صالحہ کی رغبت کو مٹا دیا تھا۔ اور مسیح کے لعنتی اور جہنمی بنکر نجات دہندہ ہو جانے کی مسرت نے وحشیانہ طبائع کی امنگوں کو مطلق العنان کر دیا تھا۔

مقدس جھوٹ کے مسئلہ نے ہر ایک فرقہ کو اپنی اپنی خواہشات اور قیاسات کے مطابق اعلیٰ سندات بنا لینے کے اختیارات کامل عطا کر دیئے تھے۔

ان تمام خرابیوں نے مسیحیت کو نہایت مکروہ اور قابل نفرت بنا دیا تھا۔ پریسبیٹر آرڈین ڈیکن بشپ وغیرہ کے ہاتھوں جو جور وستم عیسائیوں پر ہوئے۔ اُنکے سامنے ہیروڈیس اور نیرو کے مظالم بالکل ہیچ تھے۔

یہی حالت تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

اسلام کے ظل حمایت میں آجانے کے بعد شام و مصر اور عراق کے عیسائیوں کو اپنے اپنے معتقدات پر رہ کر امن مستحکم کی زندگی نصیب ہوئی۔ اسلام کی حفاظت نے اُن اغلال واصر (ہتھکڑیوں اور طوقوں) کو اُنکے جسم سے اُتارا۔ جنہوں نے عیسائیوں کے سر و دوش۔ اور عقل وہوش کو زیر بار گراں کر رکھا تھا۔

د۔ ہندو اقوام

اہل اسلام نے۔ دریائے انڈو۔ یا سندھ کے مشرق میں رہنے والوں کو انڈو یا ہندو تحریر کیا ہے۔ اِس ملک اور قوم کی تاریخ قدیم بالکل تاریک تھی تاہم ایسے آثار قوی پائے جاتے ہیں کہ اِس ملک میں بھی کسی زمانہ میں علم کی ترقی ہو چکی ہے۔

ہندو قوم۔ اور ملک اور مذہب وعلم کا زوال مہابھارت کے جنگ سے شروع ہوا ۱؎ یہ جنگ کم ازکم ڈیڑھ ہزار سال قبل از مسیح ہوا تھا۔ ۲؎

بیان کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان میں کوئی ایک شخص ایسا نہ رہ گیا تھا۔ جو فریقین (کورو۔ و پانڈو) میں سے کسی ایک کا جانب دار نہ ہو۔ ہم اندازاً قیاس کرتے ہیں۔ کہ اُس وقت ملک کی آبادی پانچ کروڑ تو ضرور ہو گی۔ مگر جنگ کا کیا نتیجہ ہوا۔ کہ طرفین میں سے صرف بارہ مرد زندہ باقی رہ گئے تھے۔ فاتحین نے یہ حالت ہوشربا دیکھی۔ تو انہوں نے بھی [illegible] [illegible] اپنی زندگیوں کا

۱؎ ستیارتھ پرکاش ۲؎ قدیم ہندوستان مصنفہ رمیش چندر دت صاحب ۱۲ منہ

خاتمہ کر دیا۔

حضرت مسیح سے چھ صدی پیشتر بدھ مذہب نے ظہور کیا [۱]

بدھ نے پالی زبان کو اختیار کیا تھا۔ اور سنسکرت پڑھنے پڑھانے کی ممانعت کر دی تھی [۲]

ویدمت کی جگہ بدھ مت قائم ہو جانے سے قدیم مذہب کی کتابیں نیست و نابود ہو گئیں اور انکا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔

شنکراچارج نے ان لوگوں سے کچھ مناظرے کئے اور اپنی علمیت کا رنگ جمایا۔ مگر وہ ۳۳-۳۴ سال کی عمر میں مر گیا۔ اسکی مساعی کا نتیجہ صرف اتنا ہوا۔ کہ سنسکرت کو پھر دربار میں جگہ ملگئی مگر اسکے ساتھ ساتھ شاعرانہ غلو۔ اور استغراق نے بھی قدم جمالئے۔ اور حقائق واقعات پر استعارات کا پردہ پڑ گیا۔

قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب مہابھارت پائی جاتی ہے مگر وہ بھی یاد لوگوں کے تصرفات سے محفوظ نہ رہی۔ بیس ہزار اشلوک اس کتاب میں جعلی طور پر شامل کر دیئے گئے [۳]

بدھ مذہب کا زور راجہ اشوک کے عہد تک رہا [۴]۔ اسکے بعد بدھ ازم روبہ زوال ہو گیا۔ بدھ ازم کے اصول متمدن دنیا کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے تھے بھکشوؤں (گداگروں) کی لاتعداد جماعت جو بدھ مت نے تیار کر دی تھی۔ وہی زیادہ تر اسکے زوال۔ اور حدود ملک سے انتقال کا باعث بھی ہوئی گو پران مت نے بھی اسکے نکالنے میں بہت بڑی جد و جہد کی تھی

بدھ مت کے بعد ملک کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ فسق و فجور اور فواحش کا دور دورہ ہو گیا چکرانکمت۔ وام مارگی۔ بہنسر بھگ ورشنان بکتی۔ شاکت۔ نتوارک آدکت راہ اپاسک ڈنڈی وغیرہ بیسیوں ایسے فرقے پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے اخلاق و تہذیب کو جلا کر راکھ کر دیا [۵]

---

[۱] بدھ کا اصلی نام سدھارتھ ہے۔ خاندانی نام گوتم۔ بدھ تعظیمی نام ہے جسکے معنے بیدار ہیں کپل وستو (نیپال کی ترائی) میں مایا کے بطن سے بخانہ سدھوذنا پیدا ہوا۔ اس کا باپ ساکھیا قوم کا حکمران تھا۔ مسمات یسودا سے شادی ہوئی۔ راہولا نام فرزند پیدا ہوا۔ ۲۹ سال کی عمر میں فقر اختیار کیا۔ سنہ ولادت ۵۶۰ قبل مسیح ہے۔ ہشتاد سالہ عمر میں انتقال کیا۔ دنیا کے مشہور ترین اشخاص میں سے ہیں فقط۔

[۲] پنڈت شیونرائن کی کتاب بدھ صفحہ ۱۶۹۔ [۳] ستیارتھ پرکاش۔ [۴] راجہ اشوک کا عہد ۲۶۳ ق م۔ ڈاکٹر سٹراس کی کتاب بدھ صفحہ ۱۲۳۔ [۵] ان فرقوں کے کرتوت ستیارتھ پرکاش میں دیکھو۔

یہ وقت تمام ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے شراب۔ جوا۔ بدکاری کو مذہب کا لباس پہنا کر پوتر قرار دیا تھا۔

ہندوستان کی یہی بدترین حالت تھی جب سندھ۔ اور شمال مغربی حدود۔ اور جنوبی ہند میں مبلغین اسلام پہنچے۔ انہوں نے ملک کو حقائق و معارف سے روشناس کیا۔ تب دیدہ وروں کو اپنی برہنگی نظر آئی۔ اکثر نے خلعت اسلام زیب تن کیا۔ اور اکثر نے اپنی دھوتی کو خود ہی سنبھال لیا۔

الغرض یہ وہ اصر و اغلال تھے جن سے رہائی ہندو ملک اور ہندو قوم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام اور تعلیم اسلام کی طفیل حاصل ہوئی۔

۵۔ مجوس

ایران میں نہایت قدیم زمانہ سے سلطنت قائم ہوئی۔ انہوں نے قریباً ایک ثلث کرۂ ارض پر جو اس وقت آباد تھا مدت ہائے دراز تک حکومت کی۔ حکومت سے امن۔ امن سے عیش و عشرت کا وجود پیدا ہوا۔ عیاشی نے دل و دماغ کو کمزور کر دیا۔ اور ایوان سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔

مانی کے مذہب نے آئین قدیم کو نیست و نابود کر دیا۔ مرد و زن کی طبائع میں شوریدگی و آوارگی پیدا کر دی۔ مزدک نے زن و زر و زمین پر سے ملکیت اٹھا دینے سے فسق و ظلم اور طغیان و عصیان کا طوفان بپا کر دیا۔ مائیں اپنے بیٹوں کے عشق کا شکار بنیں اور صاحب تخت و تاج شہزادیاں اپنے افسران فوج کے جذبات ہیولانی سے تختہ ہائے ہوس پر لٹائی گئیں۔ محرمات ابدیہ کو محللات و قبیلہ بنا لینے کے دلائل پسند کئے گئے۔ عصمت و پاکدامنی کو ہر دو جنس کے لئے ناپاک قرار دیا گیا۔ قباد جیسے مکرم نام اپنے بادشاہ کے رقیب بنے اور شیرویہ بیٹے نا شائستہ نے جوش شہوت میں باپ کا شکم چاک کر کے شیریں پر قبضہ کیا۔ سپاہ سالار بہرام چوبین ملکہ پوران دخت کی آتشکدہ عشق کا ایندھن بنا۔

سلطنت ہائے روما و ایران کی عداوت قدیم اور آئے دن ایک سلطنت پر دوسری کی چڑھائی نے ملک کو بے چراغ بنا دیا تھا۔

اصل مذہب کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ مقدس کتب سکندر کی تاخت و تاراج میں گم ہو کے بے نشان

ہو چکی تھیں یہ حالت تھی جب اسلام نے اس ملک کو اپنی حمایت میں لیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیمات نے اس وسیع ملک کے باشندوں کو جبر و استبداد۔ اور فحش و ظلم کے بند و زندان سے آزاد کیا

ناظرین۔ ان حالات کو جو عرب اور یہود۔ عیسائی و ہنود اور مجوس کے متعلق مختصراً قلمبند کئے گئے ہیں مکرر غور سے پڑھیں۔ اور اندازہ لگائیں کہ یہ شاندار قومیں کس طرح پر قبل از اسلام تطاول زمانہ کے جور و ستم سے برباد ہو چکی تھیں کیسی کیسی درماندگی و تیرگی ان پر چھائی ہوئی تھی۔

ان جملہ اقوام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی محبانہ و ہمدردانہ۔ صادقانہ۔ و بے غرضانہ۔ جود و رحم نے غار ہلاکت سے نکالا۔ اور تمدن و حسن معاشرت۔ امن عامہ و عافیت کلیہ سے بہرہ اندوز فرمایا۔ اور

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام پاک وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ

حضور سرورِ کائنات ہی کی ذات ہمایوں پر صادق و منطبق ہوا۔

خصوصیت نمبر ۱۸

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ (سورۂ توبہ)

تمہارے پاس عظیم الشان رسول آیا ہے۔ جو تم ہی میں سے ہے۔

مِنْ أَنفُسِكُمْ کے مخاطب اہل عرب اور قریش ہیں۔

اہل عرب کو اپنے حسب و نسب پر بے انتہا فخر اور بے حد ناز تھا۔ وہ غیر عرب کی کوئی وقعت نہ سمجھتے تھے۔ اور ایسے شخص کی اطاعت کو بھی ننگ و عار سمجھا کرتے تھے۔ لہذا رب العالمین نے اہل عرب پر یہ بھی اظہار منت و احسان فرمایا۔ کہ یہ عظیم الشان رسول جس کا اولین فرض عرب کو ہدایت کرنا ہے۔ تم ہی میں سے ہے۔ تم سے غیر نہیں۔

صحیح بخاری میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ مِنْهُ۔ | اللہ تعالیٰ نے مجھے قبائل کی شاخ در شاخ میں بہترین شاخ سے مبعوث فرمایا حتیٰ کہ میں اس قرن سے پیدا ہوا۔ جو میرا حصہ تھا۔

صحیح مسلم میں بروایت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ حضور کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ إِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ۔

اللہ تعالیٰ نے نسل اسمٰعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا۔ اور قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا۔ اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔

صحیح ترمذی میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب عم رسول رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ اہل قریش بیٹھے ہوئے حسب و نسب کا ذکر اور باہمی تعلقات کا بیان کر رہے تھے۔ حضور کا ذکر بھی آ گیا۔ تو انہوں نے حضور کو نخل کُدیہ[1] سے تشبیہہ دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِهِمْ فِيْ خَيْرِ فِرَقِهِمْ وَخَيْرِ الْفَرِيْقَيْنِ. ثُمَّ تَخَيَّرَ الْقَبَائِلَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِ قَبِيْلَةٍ۔ ثُمَّ تَخَيَّرَ الْبُيُوْتَ فَجَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِ بُيُوْتِهِمْ فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَّخَيْرُهُمْ بَيْتًا۔

اللہ تعالیٰ نے خلقت پیدا کی۔ اور ان کی شاخیں بنائیں اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا۔ پھر قبائل بنائے اور مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر بیوت (گھرانے) بنائے اور مجھے بہترین گھرانہ میں بنایا لہذا میں ان سب سے بہترین ذات اور بہترین گھرانے کا ہوں۔

ب۔ مِنْ أَنْفُسِكُمْ کے مخاطب کل اہل جہان ہیں۔ اور آیت کے معنے یہ ہیں کہ یہ رسول جو منصب رسالت کے اعتبار سے عظیم الشان ہے جنس بشر ہی سے ہے کیونکہ اگر وہ جنس ملائکہ سے ہوتے تو اتحاد جنسیت کے فقدان سے اتحاد و یگانگت کی تکمیل نہ ہو سکتی تعلیم و تعلم میں دشواریاں لاحق ہوتیں اور سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہوتا۔ کہ اسوہ رسول کا اتباع کرنے والوں کو صفات ملکوتی پر چلنا محال ہو جاتا اور اتباع نہ کرنے والوں کو سب سے بڑا بہانہ ہاتھ آ جاتا اور ایسی ایسی کہاوتیں استعمال کرتے کہ ع

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

یا ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

---

[1] یعنی کھجور کا وہ درخت جو سنگلاخ زمین میں ہو۔ اس سے قریش کا اشارہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند نرینہ نہ ہونے کی جانب تھا۔

اب کہ حضور کا نسل انسانی اور جنس بشریت سے ہونا ثابت ہوگیا۔ تو جملہ انواع بشر کو بھی عزت و عظمت ہوگئی۔ ع

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ   ذرہ آفتابِ تابانیم

اور شیدائیان اتباع کے حوصلے بھی بڑھ گئے۔ اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اقتدا سب کو مرغوب و محبوب ہوگیا۔

(۳) صاحب معالم التنزیل اور خازن نے بروائت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زہری و ابن محیص نے مِنْ اَنْفُسِکُمْ کو بہ فتح فا یعنی مِنْ اَنْفَسِکُمْ تلاوت کیا ہے۔ اسوقت اس کا مادہ نفاست ہوگا۔ اور اسکے معنے پاکیزگوہر اور لطافت طبع۔ اور طہارت ذات میں حضور کا افضل خلائق ہونا ثابت ہو جائیگا۔ اور آئت زیب عنوان میں اسی خصوصیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

خصوصیت نمبر ۱۹

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ (توبہ ۶)

تمہاری تکلیف اُن پر شاق گذرتی ہے۔

جب عَزَّ یَعَزُّ (بفتح عین) ہو تب اسکے معنے شاق۔ اور سخت ہوتے ہیں۔ عَنِتُّمْ (جس سے عَنِتُّمْ بنا ہے) کے معنے مشقت، فساد، ہلاکت، خطا وغیرہ ہیں آئت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو چیز تمکو مشقت میں ڈالنے والی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہائت ہی شاق وگراں گزرتی ہے۔

یعنی تمہاری تکلیف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ تمہارے درد کو وہ درد سمجھتے ہیں۔

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت کفار اور مومنین دونوں کے حق میں تھی۔

الف۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کفار کو کفر و شرک میں دیکھتے۔ اور خیال فرمایا کرتے۔ کہ یہ لوگ کس انجام بد کا شکار ہونیوالے ہیں یہ لوگ کیونکر اپنے ہاتھوں اپنے لئے چاہ ہلاکت کھود رہے ہیں تب حضور کے دل رحم پرور کو نہائت صدمہ گذرتا تھا۔

لیسا اوقات یہ کیفیت اسقدر بڑھ جاتی رکہ اللہ تعالیٰ کو حضور کے تسلیہ وسکینہ کے لئے اپنا کلام وپیغام بھیجنا پڑتا۔

سورہ یٰس میں ہے فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ انکی باتوں سے آپ اپنا جی بُرا نہ کریں۔

سورہ آل عمران میں ہے وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ. کفر میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے والوں کی حالت سے آپ اندوہ گین نہوں۔

واقعات بدر میں مذکور ہے۔ کہ جب حملہ آوران مکہ قید کرلئے گئے۔ تو رات کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند نہ آئی۔ ادہر سے اُدہر حضور کروٹیں لیتے تھے۔ کرب و اضطراب نمایاں تھا۔ ایک انصاری نے عرض کی۔ کہ حضور کو کچھ تکلیف ہے۔ فرمایا نہیں مگر عباس کے کراہنے کی آواز میرے کان میں آرہی ہے۔ اس لئے مجھے چین نہیں پڑتا۔ انصاری چپکے سے اُٹھا۔ اس نے جاکر عباس کی مشک بندی کھول دی۔ اُنہیں آرام مل گیا۔ تو وہ فوراً سو گئے۔ انصاری پھر حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور نے پوچھا کہ اب عباس کی آواز کیوں نہیں آتی۔ انصاری بولا۔ کہ میں نے اُن کے بندھن کھول دیئے ہیں فرمایا جاؤ۔ سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرو جب حضور کو اطلاع دی گئی۔ کہ سب قیدی اب آرام سے ہیں۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اضطراب دور ہوا۔ اور حضور خواب شیریں سے استراحت گزیں ہوئے۔

ذرا سوچنا ہے۔ قیدی وہ تھے۔ جنہوں نے ۱۳ سال تک متواتر اہل ایمان کو ستایا تھا۔ کسی کو آگ پر لٹایا کسی کو خون میں نہلایا۔ کسی کو سنگین پتھروں کے نیچے دبایا۔ کسی کو سخت اونٹوں کے بعد خاک و خون میں سلایا تھا۔ اور پھر اُن پر یہ نرمی۔ یہ سلوک۔

عباس حضور کے چچا تھے۔ اور جہانتک معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے۔ وہ بادل ناخواستہ صرف قوم کے اکراہ و اجبار سے بدر میں آئے تھے۔ باایں ہمہ حضور کے عدل و انصاف نے انہیں اور دوسرے قیدیوں میں کوئی امتیازی فرق قائم کرنا پسند نہ فرمایا۔

لیکن حضور کی رحم دلی۔ اور طبعی شفقت و رافت کا یہ عالم تھا۔ کہ جب تک سب قیدیوں کے باآرام ہونے کی رپورٹ نہ ملی۔ اُسوقت تک حضور کو نیند تک نہ آئی۔

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ کا یہ پہلو ایسے تند آوران و دشمنان جانی و ایمانی کے مقابلہ میں تھا

(۲) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر رونق افروز مدینہ ہو چکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ فرمان وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال ۴۶) کا مفہوم ظاہر فرمایا۔ اور اہل مکہ پر قحط شدید کی آفت کو اتارا۔ قحط اس شدت کا تھا۔ کہ اہل مکہ کی آنکھوں کی روشنائی بھی کم ہو گئی۔

ابوسفیان اموی ہمیشہ مسلمانوں سے برسرِ پرخاش رہا کرتا تھا۔ وہ خود دربار مصطفوی میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے عرض گستر ہوا۔ کہ حضور ہمیشہ احسان اور صلہ رحم کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ ہم حضور کے قرابتی ہیں اور رحم کے ملتجی۔ احسان فرمائیے۔ اور دعا کیجئے۔ کہ اس قحط شدید سے ہمکو نجات ملے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال سردار نجد کو جو دولت ایمان سے مالا مال ہو چکا تھا۔ حکم بھیج دیا۔ کہ مکہ میں فوراً غلہ پہنچانے کا بند و بست کرے۔ اُسکے علاقہ میں اناج بکثرت تھا۔ اس نے غلہ صرف اس لئے روک رکھا تھا۔ اور منفعت تجارت کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ کہ اہل مکہ دشمنانِ رسول ہیں۔ اب حکم نبوی کی تعمیل ہوئی۔ اور اہل مکہ کی جان میں جان آئی۔

یہ بھی دشمنوں کے مقابلہ میں عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کا ایک ثبوت تھا۔

۳۔ جنگ طائف ان حملہ آوروں کے ساتھ ہوئی جن سے حنین و اوطاس میں شدید محاربہ ہوا تھا۔ یہ لوگ ان مقامات سے شکست کھا کر قلعہ طائف میں متحصن ہو گئے تھے۔ اور ابھی انکی فوجی طاقت زوروں پر تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد حضور کو معلوم ہوا۔ کہ دشمن محاصرہ کی شدت سے سخت تکلیف میں ہے۔ بھوک نے انکی ہلاکت کو بہت قریب کر دیا ہے۔ حضور نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ چند صحابہ نے جنگی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض بھی کیا۔ کہ اب تو قلعہ فتح ہی ہونے والا ہے۔ مگر حضور نے ازراہ رحم و کرم جو حکم دیا تھا۔ اُسی کی تعمیل کرائی۔ یہ واقعہ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کا تیسرا نمونہ ہے۔

ان نظائر سے واضح ہو جاتا ہے اور ایسی نظائر اور بھی بہت ہیں۔ کہ قلب رحیم اور طبع کریم پر اہل محاربہ کی حالت زبون اور انجام دگرگوں کا کیا اثر ہوا کرتا تھا۔

اہل اسلام کے متعلق حضورؐ کی رحمت و شفقت کا بیان بے پایاں ہے۔

عبادات و معاملات میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ امت کو دشواری سے بچانے کے لئے یا امت کی آسانی کیلئے حضور کیا کچھ توجہ فرمایا کرتے تھے۔

یعنی امت کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور امت کی راحت کو اپنی راحت قرار دے رکھا تھا۔
صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اور ابوحبیہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب معراج کو پچاس نمازیں فرض کیگئی تھیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ (آپ کی اُمت میں اتنی عبادت کی طاقت نہیں) تب حضور نے رجوع الی اللہ فرمایا۔ تخفیف ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی حضور کو وہی کہا۔ جو پہلے کہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بار رجوع الی اللہ فرماتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں[1]
اس واقعہ سے دو نتیجے صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں۔
الف۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانِ رحمٰن کے کتنے منقاد و مطیع تھے۔ کہ جب پچاس نمازوں کا حکم ہوا۔ تو حضور نے اس بارہ میں ذرا بھی لب کشائی نہیں فرمائی۔
ب۔ حضور اپنی امت پر کسقدر مہربان تھے۔ کہ جب موسیٰ کلیم اللہ جیسے تجربہ کار نبی نے اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ کو دھرایا تو فوراً اُس پاک فطرت کا ظہور ہوا۔ جو عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ کی تحت میں پنہاں تھی۔ اور حضور نے بار بار رجوع الی اللہ فرمایا۔
اس حسن ادب اور التماس متواترہ کا ثمرہ یہ ہوا۔ کہ تعداد تو پچاس سے پانچ رہ گئی اور ثواب وہی پچاس کا رکھا گیا۔
میرا خیال ہے۔ کہ اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ کے فقرہ کا استعمال نہ فرماتے اور حضور کو کسی اور دلیل سے التماس تخفیف پر مائل کرنا چاہتے۔ تو وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عبودیت اور وفورِ شوق عبادت کے سامنے تو پچاس نمازوں کی کثرت بھی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ وہ قلب شاکر اور وہ لسان ذاکر جو یادِ آلٰہی سے ایک دم کیلئے غافل نہ ہوتے ہوں۔ اُنکے لئے محدود وقت میں محدود رکعتوں کا ادا کرلینا کیا دشوار ہوسکتا ہے۔
۴۔ ماہ رمضان تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ معظمہ کو تشریف لا رہے تھے۔ حضور روزے رکھا کرتے تھے۔ جب بمقام عُسفان پہونچے۔ تو حضور نے پانی منگایا۔ اور دست مبارک کو بلند کرتے ہوئے لوگوں کو دکھلا کر پانی پی لیا۔ اور پھر مکہ پہنچنے تک روزہ نہ رکھا۔

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ۔ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء۔ ۱۲

یہ ترجمہ تو صحیح بخاری کی روایت عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے لیکن دیگر روایات میں صراحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے روزہ افطار فرمایا۔ اور ترک صوم کیا تھا۔ کہ اہل لشکر کو سفر میں روزہ کی شدت تکلیف دہ تھی۔ اور امت کی تکلیف سے حضور خود تکلیف محسوس فرماتے تھے۔

۵۔ صلوٰۃ التراویح کے متعلق صحیحین اور سنن میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو شب یہ نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی۔ اور تیسری شب کو حضور مسجد میں اس نماز کیلئے تشریف نہ لے گئے۔ اور پھر صبح کو لوگوں سے فرمایا۔

قَدْ رَأَيْتُ صَنِيْعَكُمْ۔ فَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يُّفْرَضَ عَلَيْكُمْ۔

اس نماز کیلئے تمہارا آنا۔ انتظار کرنا وغیرہ میں نے دیکھا۔ مجھے آنے میں صرف یہ خیال مانع ہوا کہ کہیں نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔

۶۔ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز تہجد میں تھے میں حضور کے ساتھ جا شامل ہوا۔ حضور نے میری اقتدا کو محسوس کیا۔ تو نماز ہلکی کر دی۔

۷۔ ام المومنین عائشہ طیبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شیوہ عفوی کو ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے

إِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَّعْمَلَ بِهٖ خَشْيَةَ أَنْ يَّعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ

(بخاری باب تحریض النبی صلعم علی صلوٰۃ اللیل والنوافل)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عمل کو بھی چھوڑ دیتے جس کا کرنا حضور کو پسند ہوتا۔ اس خیال سے کہ لوگ بھی عمل کرنے لگیں گے۔ اور ڈر ہوتا کہ کہیں وہ عمل فرض نہ ٹھہرایا جاوے۔

ان جملہ روایات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کی صفت حضور میں کیسی مستحکم تھی۔ اور امت کی تکلیف کا خیال حضور پر کسقدر شاق تھا۔

یہ محبت۔ یہ شفقت۔ یہ ترحم۔ یہ پیار تو ماں باپ کو بھی اپنی سب اولاد کے ساتھ یکساں نہیں ہوتا۔ جو حضور کو اپنے ہزار در ہزار۔ اور الوف در الوف افراد امت کے ساتھ تھا۔

بیشک حضور کی رحمت رب العالمین کے بعد ہر ایک رحم کرنے والے اور محبت کرنے والے سے برتر اور بڑھ کر تھی۔

خصوصیت نمبر ۳۰

حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ (سورہ توبہ)

جب حرص کا استعمال علیٰ کے صلہ سے کیا جاتا ہے۔ تو اسکے معنے شدت طلب ہوتے ہیں آیت کا ترجمہ یہ ہوا۔ کہ "ہمارا نبی صلعم تم لوگوں کی نفع رسانی کا کمال درجہ طالب و شائق ہے"۔

آیت بالا سے بوضوح ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی نوع کے مفاد۔ اور رفاہ وصلاح کی آرزو بدرجہ کمال تھی۔

سورہ یوسف میں ہے۔

وَمَا اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ	بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائینگے۔ اگرچہ تجھکو انکے ایمان لے آنیکی بڑی چاہت ہے۔

اس آیت سے بھی یہی استفادہ ہوا۔ کہ حضور کا منتہائے نظر۔ اور کمال آرزو یہی تھا۔ کہ تمام عالم کے سر ایک ہی مالک "وحدہٗ لا شریک لہٗ" کے سامنے جھکے ہوئے ہوں۔

رب واحد کا دین واحد ہی تمام اصناف انسانی کو متحد و متفق بنانے والا ہو۔

۲۔ قریش کے سردار عتبہ نے ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملکر یہ عرض کیا تھا۔

الف۔ کیا تم مال و دولت چاہتے ہو؟

میرا ذمہ ہے۔ کہ سب سے زیادہ زر و مال تیرے پاس جمع کر دونگا۔

ب۔ کیا تم ریاست کے خواہاں ہو؟

ہم سب تجھے اپنا رئیس تسلیم کر لیتے ہیں۔

ج۔ کیا تم تخت و تاج کرنا چاہتے ہو؟

میں سارے عرب سے تیری فرمان روائی کی تصدیق کرا دونگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے نہ زر و دولت کی ضرورت ہے۔ اور نہ ریاست و حکومت کی آرزو ہے۔ میں تو رب العالمین کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اور اسی پیغام کا ہر ایک سننے والے کان تک پہونچا دینا میرا مقصود اعلیٰ ہے۔

۳- ایکبار ابوجہل لعین نے حضور کو مضروب کیا۔ حمزہ عم رسول نے یہ واقعہ سنا تو انہوں نے ابوجہل کو جا پیٹا۔ اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آکر بتلایا۔ "محمد تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا انتقام لے لیا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔ مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ۔ تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات جم گئی۔ اور وہ مسلمان ہو گئے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اغراض کے گرد و غبار سے بلند تر تھا حضور کی تعلیم اور تعلیم کیلئے بیحد سرگرمی کسی ذاتی مفاد پر مبنی نہ تھی۔ انتقام اور دیگر رذائل سے حضور کے اخلاق عالیہ پاک و صاف تھے۔ یعنی حضور کی کوئی آرزو اپنے نفس کیلئے کچھ بھی نہ تھی۔ حضور کا پیکر محبت کل تھا۔ اور حضور کا وجود منفعت عامہ۔ اور جود عامہ کے صفات سے متشکل و مجسم تھا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

ذرا حضور کی ان ادعیہ پر نظر ڈالو جو وقتاً فوقتاً حضور نے اُمت کے حق میں فرمائی ہیں۔

وفات سے ایک ماہ پیشتر ایک خطبہ کے آغاز میں فرمایا۔

مسلمانو! اللہ تمکو سلامتی سے رکھے۔ تمہاری حفاظت فرمائے۔ تمہیں شر سے بچائے۔ تمہاری مدد کرے۔ تم کو بلند کرے۔ ہدایت اور توفیق دے۔ اپنی پناہ میں رکھے۔ آفتوں سے بچائے تمہارے دین کو تمہارے لئے محفوظ بنائے۔"

ذرا ان الفاظ پر غور کرو۔ ایک کے بعد دوسری دعا۔ اور دوسری کے بعد تیسری۔ گویا دعا و برکت دیتے دیتے تھکتے ہی نہیں۔ یہ اسی صفت حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ کا ظہور ہے۔

اور یہ خصوصیت ذات ہمایونی ہی کی ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی نَبِیِّکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ!

خصوصیت نمبر ۲۱

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ)

وہ مومنوں سے بہت پیار کرنے والا۔ اور اُن پر ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

آیت بالا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رَءُوْفٌ اور رَحِيْمٌ کے اسماء سے یاد فرمایا گیا ہے

رَءُوْفٌ۔ رافت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

رَحِيْمٌ۔ رحم سے صفت مشبّہ کا صیغہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جو صیغے مبالغہ کے اوزان[1] پر آتے ہیں وہ معنی کثرت و فراوانی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔

اور جو صیغے صفت مشبّہ کے اوزان[2] پر آتے ہیں وہ صفت لازم اور معنے ثابت کے مظہر ہوتے ہیں لہٰذا رءوف کے معنے کامل العطوف ہیں اور رحیم کے معنے دائم الرحمت ہیں سورہ حج وسورہ بقرہ میں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ | اللہ انسانوں پر رءوف و رحیم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ امر نہایت شرف و عزت۔ اور غایت تکریم و حرمت کا موجب ہے کہ حضور کی صفت میں وہ دو نام بحالت ترکیبی تجویز فرمائے گئے ہیں جو اُسی ترتیب کے ساتھ

---

[1] مبالغہ کے اوزان دس ہیں اور مندرجہ ذیل لغات اُن اوزان پر ہیں۔

(۱) نَجَّارٌ (۲) عَلَّامَةٌ (۳) صِدِّيْقٌ (۴) مِسْكِيْنٌ (۵) مِسْعَرٌ (۶) مِعْطَارٌ (۷) نَصِيْبٌ (۸) ضُرُوْبٌ (۹) حَذِرٌ (۱۰) فَارُوْقٌ۔

مبالغہ ہمیشہ فاعلیت کے معنے دیتا ہے

[2] صفت مشبہ فعل لازم سے بمعنی فاعل آتا ہے مندرجہ ذیل لغات اُسکے وزن کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۱) حَسَنٌ (۲) طَيِّبٌ (۳) صَعْبٌ (۴) جَبَانٌ (۵) شُجَاعٌ (۶) شَنِيْعٌ (۷) مُهْدٌ (۸) أَشْيَبُ (۹) عَطْشَانُ (۱۰) كَبِيْرٌ (۱۱) وَقُوْرٌ (۱۲) فَرِحٌ

ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ بھی معنے اور تصرفات میں اسم فاعل کے مشابہ ہوتا ہے۔ فقط۔

خود ذاتِ پاک سبحانی کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔

ہاں الٰہ المحمود کی رافت و رحمت کو عموم ناس پر عام فرمایا گیا ہے۔ اور حضور کی رافت و رحمت کو بالخصوص مومنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ فہم معانی میں اس عموم وخصوص کا امتیاز یاد رکھتے ہوئے مومنین کیلئے شکر و ابتہاج کا مقام ہے۔ کہ اُن کو المضاعف رحمت وعطوفت کا مورد و مصداق بنایا گیا ہے۔

مناسبت مقام سے یہ بحث بھی ایک لطیف بحث ہے۔ کہ کیا دیگر اسماء مبارکہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایسا شرف و امتیاز موجود ہے؟

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

وَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ ۔۔۔ فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّھٰذَا مُحَمَّدٌ

اگر حسان بن ثابت المؤید بروح القدس کی سنت حسنہ کا اقتدا کیا جائے تب تو حضور کے اسّی سے زیادہ ایسے اسماء گرامی نکلیں گے جن کا توافق و تطابق اسماء اللہ الحسنیٰ سے ہو جاتا ہے۔

سیرت نبویہ کے ائمۃ الاعلام کا شیوہ رہا ہے کہ

الف۔ جس مصدر، یا فعل کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف کتاب حمید میں فرمائی گئی ہے۔ اُس سے اسم بنا لیتے ہیں

ب۔ جس صفت کے ساتھ حضور کی توصیف الفاظ حدیث میں آئی ہے۔ اُسے اسم شمار کر لیتے ہیں

ج۔ جن اعلام کے ساتھ اشعار میں جو حضور کے سامنے پڑھے گئے۔ حضور کو مخاطب یا موصوف کیا گیا ہے۔ اُن کو اسماء کے ذیل میں شامل کر لیتے ہیں۔

ائمہ سیرت کا یہ شیوہ مستحسن ہے اور حسن ادب۔ نیز کمال محبت پر دال ہے زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اسماء مبارکہ کی جو فہرست بہ ترتیب حروف تہجی درج کیگئی ہے۔ وہ انہی اصول ثلثہ پر مبنی ہے۔

مندرجہ بالا اصول کی صراحت کے بعد یہ قابل گزارش ہے۔ کہ حضور کے جن اسماء کی صراحۃً

لہ عزت افزائی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے حضور کا نام اپنے نام سے نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ محمود ہے اور حضور محمد ہیں

تطبیق کلام ربانی سے ہوتی ہے۔ اُن کا شمار (۹۲) ہے۔ ان اسماء کے معانی کی بحث تو آگے
چل کر آئے گی۔ اس جگہ حضور کے وصف رافت و رحمت کے متعلق مختصرًا کچھ لکھ دینا ضروری ہے۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا | نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو گاہ بگاہ وعظ سنایا کرتے اس اندیشہ سے کہ روزانہ وعظ کا سننا ہمپر گراں نہ گزرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اصول ازراہ شفقت و رافت تھا، کہ سامعین جسقدر بھی سنیں نشاط طبع اور حضور قلب سے سنیں اور آئندہ کیلئے شوق تمام باقی رہے۔

عادت مبارک تھی کہ جب بحالت نماز کسی بچہ کے رونے کی آواز سن پاتے تو نماز ہلکی فرما دیتے کہ ماں بچہ کو جلد سنبھال سکے۔

عادت مبارک تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پا پیادہ ہمرکاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے۔ اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے تمنائی رہتے۔ یا تو اُسے سوار کر لیتے تھے یا واپس لوٹا دیتے تھے۔

عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مسلمان مقروض مر جاتا۔ تو اُس کا قرض بیت المال سے قبل از تدفین ادا فرما دیتے تھے مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کسی کی غیبت میرے سامنے مت کرو۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آئے۔

بار ہا ایسا ہوا۔ کہ ساری ساری رات اُمت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ چھوٹے بچوں کو پیار کیا کرتے۔ اُنکو خود سلام کیا کرتے۔ اُنکے سر پر دست شفقت رکھتے۔ گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے۔ غلاموں کے ساتھ سفید زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔

ان سب امور کا ظہور ازراہ شفقت و رافت ہوا کرتا تھا۔ اور اس بلند ترین رافت و رحمت کا ظہور حضور پُر نور کے خصائص میں سے تھا۔

خصوصیت نمبر ٣٢

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (سبا ع ٣)

ہمنے تجھے جمیع انواع انسانی کے لئے بھیجا ہے۔

کتاب خروج باب سوم میں ہے۔

موسیٰ نے ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھے۔ اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا وہ یہ دیکھنے کو آگے بڑھے تب خدا نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔ (٦)

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی۔ جو خراج کے محصلوں کے سبب سے ہے سنی۔ اور میں انکے دکھوں کو جانتا ہوں۔ (٧)

اور میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کے اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں۔ اور حتیوں۔ اور اموریوں اور فرضیوں اور حویوں۔ اور یبوسیوں کی جگہ میں لاؤں۔ (٨)

اب دیکھ۔ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری اُن پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ (٩)

پس اب تو جا۔ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال (١٠)

مندرجہ بالا فقرات (٧ و ٨ و ٩ و ١٠) موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے مقصد و مدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے۔ کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی رہائی اور اُن کو وعدہ کی زمین کی جانب لیجانے کے سوا دیگر اقوام عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔

کتاب استثناء (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے۔ موسیٰ نے ہمکو ایک شریعت فرمائی۔ جو کہ یعقوب کی جماعت کی میراث ہو باب ٣٣ درس ٤۔

اس فقرہ نے شریعت توراۃ کا خاص اسرائیلیوں کے لئے ہی ہونا ظاہر کر دیا۔ اگر یہ فقرہ نہ

ہوتا۔ تو ممکن تھا کہ کوئی مدعی کہہ سکتا۔ کہ شریعت تورات سب دنیا کیلئے ہے۔

یہ مسلمہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسےٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیاء بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں ہی کے لئے آتے رہے۔

اب سیدنا عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق ہمکو صراحتًہ ظاہر کر دینا ہے۔ کہ اُن کی نبوت کن کن لوگوں کیلئے تھی۔

الف۔ انجیل متی کا باب ۱۵ پڑھنا ضروری ہے۔ جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے۔ یہ عورت اسرائیلی نہیں اور حضرت مسیح کے پاس اس لئے آئی ہے کہ حضور اپنی معجزانہ طاقت سے اُسکی بیمار بیٹی کو چنگا کر دیں۔ مسیح نے فرمایا۔ "میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" ۲۴/۱۵

"پر وہ آئی اور اُسے سجدہ کر کے کہا اے خداوند میری مدد کر" ۲۵/۱۵

مسیح نے جواب دیا "مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو پھینک دیں" ۲۶/۱۵

اس تمام واقعہ پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہیئے کہ مسیح نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ اُنہوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند سے اور دیگر اقوام کو کتوں سے تشبیہ دی۔ اور دیگر اقوام کا اپنی برکات سے محروم ہونا۔ اور محروم کرنا اس دلیل سے واضح کر دیا۔ کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا۔ تو یوں کہا۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا" ۱۰/۵

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعًا ممانعت فرمائی گئی۔ اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔

یہ اسناد اس امر کے ثابت کرنیکو کافی ہیں کہ جناب مسیح کی نبوت اور اُنکے بارہ شاگردوں کے فرض تبلیغ کا رقبہ صرف اسرائیلیوں کے اندر اندر محدود تھا۔

انبیائے بنی اسرائیل کے بعد دیکھو کہ دنیا میں اور کونسے مذہب میں تبلیغی شان موجود ہے

عام لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں۔ کہ بودھ مت ہی میں تبلیغ عام کا وجود پایا جاتا ہے۔ لیکن بودھ مذہب کی صدہا سالہ تاریخ پر عبور کر جاؤ۔ اُنہوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی دوسری قوم تک تبلیغ کو نہیں پہنچایا۔ اور کسی غیر مذہب اسرائیلی۔ بابلی۔ مصری حجازی۔ مغربی وغیرہ کے معتقد کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔ بسلسلہ تعامل کی یہ زبردست شہادت بودھ ازم کو محدود رقبہ اور محدود قوم کیلئے خاص بتا رہی ہے۔ اور اگر آریہ سماج کی تحقیقات کسی حقیقت کا انکشاف کر سکتی ہے۔ تب تو یہ بھی ہے کہ بودھ ازم کوئی علیحدہ مت نہ تھا بلکہ بودھ مہاراج ویدمت ہی کے تازہ کرنے والے تھے [1]

اب ویدمت کو لیجئے۔ ویدمت کے عروج کا زمانہ مہابھارت کی جنگ سے پیشتر کا ہے وید۔ اور چھ شاستر اور منوسمرتی خاموش ہیں کہ ویدمت کو کبھی تبلیغی مذہب بتایا گیا ہو۔ یا کبھی اقوام غیر میں اسکی تبلیغ کیگئی ہو۔

منوجی مہاراج کی سمرتی کو آریہ اور سناتنی صاحبان بالاتفاق قابل سند تسلیم کرتے ہیں۔ اس سمرتی میں تمام آبادی کو چار ورنوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اور تحصیل علم و فضل اور قرأت وید کا کام صرف برہمن ورن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم۔ یہ پابندی بتلا رہی ہے۔ کہ منوجی مہاراج۔ اور اُنکے ماتحت رشیوں نے جو سمرتی مذکور کے لکھنے کیلئے مجتمع ہوئے تھے ویدمت کو کبھی تبلیغی مت نہیں قرار دیا تھا۔

دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعامل بھی یہی یقین دلاتا ہے۔

غور کرو۔ کہ شریعت موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیلی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس کا جانشین یعنی مسیحی برکات کا مخزن کبھی کسی غیر یورپین کو تسلیم نہیں کیا۔ اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔

ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی۔ بلکہ کسی مست کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔

---

[1] سماج کی یہ تحقیقات بھی صحیح نہیں کہ بودھ مت والے سنسکرت زبان کی تعلیم اور وید کے تعلم سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اس امر کا اقرار خود بودھ ازم کے مصنفین کو ہے ۱۲

یہ علی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے پیشرو بزرگوں نے حقیقۃً اپنے اپنے مذاہب کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لئے خاص سمجھا ہوا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منصب کا کہ حضور کل دنیا کیلئے مبعوث ہیں آیت زیب عنوان کے لئے دیگر آیات میں بھی اعلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (اعراف ع ۲۰)

اے نبی کہہ دیجئے کہ اے نسل انسان کے بچو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

خصوصیت نمبر ۲۳

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح ع)

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔

مبایعت بیع سے ہے۔ لغت میں بیع مطلقاً بمعنی مبادلہ ہے۔ شرعاً اخذ ثمن اور اعطاء مثمن کو جبکہ بہ تراضی جانبین ہو۔ بیع کہتے ہیں

بیع بمعنے شراء اور شراء بمعنے بیع بھی مستعمل ہے۔ یہ جانبین کی حالت کے لحاظ سے ہے۔

الغرض مبایعت میں جانبین کو کچھ دینا۔ اور کچھ لینا ضروری ہے۔

بیعت۔ اصطلاح میں اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں جو طاعت امام کے متعلق انسان اپنے نفس پر عائد کر لیتا ہے۔ وفائے عہد کا التزام بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے۔

جس بیعت کا آیت بالا میں ذکر ہے۔ وہ بمقام حدیبیہ درخت سمرا کی تحت میں ہوئی تھی۔ قرآن پاک میں ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

اللہ ان سب مومنوں سے راضی ہو گیا۔ جو کہ شجرہ کے نیچے رسول اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔

اس بیعت کی ضرورت و حقیقت یہ تھی۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کو مکہ کیلئے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا۔ اُن کی معیت میں دس صحابہ بھی بھیجے گئے۔ اُن کے پہنچ جانے سے ایک دو روز بعد حضور تک ایک اُڑتی سی خبر پہنچی۔ کہ قریش نے حضور کے سفیر عثمان کو قید۔ اور اُنکے ہمراہیوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ایسا واقعہ تھا۔ کہ اگر اسکی صداقت ہو جاتی۔ تو حُرمت سفارت اور احترام سفیر کیلئے جنگ کرنا اخلاقاً و شرعاً ضروری تھا۔ اس وقت جو لوگ حضور کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ وہ صرف ادائے عمرہ۔ و طواف کی نیت سے آئے تھے۔ اُنکے علم میں اس امر کا احتمال بھی نہ تھا کہ کسی جنگ سے سابقہ پڑے گا اور مہاجرین کو خود اپنے خویش و تبار اور قرابت داروں کے منہ پر تلوار چلانی ہو گی۔

لہذا یہ بیعت لینی پڑی۔

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (متفق علیہ) سے ثابت ہے۔ کہ اُسوقت ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درخت کے سایہ میں نور افروز تھے۔ بیعت لینے کے لئے دست مبارک پھیلایا ہوا تھا۔ عمر فاروق نے اپنے ہاتھ کو حضور کے ہاتھ کا سہارا بنایا ہوا تھا۔ کہ مبارک کو نکان نہ ہو۔

لوگ آتے تھے۔ اور یکے بعد دیگرے بیعت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے سلمہ بن اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُنہوں نے بیعت علی الموت کی تھی۔

اور جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ اُنہوں نے عدم فرار کی بیعت کی تھی۔ ہر دو روایات کی تطبیق سے مستنبط ہوا کہ الفاظ بیعت کو خود بیعت کنندہ کے پسند اور اختیار پر رکھا گیا تھا۔ بیشک حُریت اسلام ایسی ہی حُریت نفس کی معلم ہے جس میں اجبار و اکراہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اس جم غفیر کے اندر صرف ایک شخص جد بن قیس اسلمی ایسا تھا۔ جو اپنے اونٹ کی اوٹ میں جا چھپا تھا۔ اور بیعت میں شامل نہ ہوا تھا۔ حُریت اسلام کی یہ دوسری دلیل ہے کہ اُس پر بھی کچھ سختی نہیں کیگئی۔ البتہ حضور نے مبائعین کا شرف وجاہ ظاہر کرنے کیلئے یہ فرمایا۔

اَنْتُمْ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ "آج تم روئے زمین کے جملہ موجودہ اشخاص سے بہتر و نیک تر ہو"
اس بیعت کا ذکر کلام اللہ کی متعدد آیات میں ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
واقعہ سے رضوان الٰہیہ کو تعلق مستحکم اور رابطہ قویم ہے۔

فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (توبہ ع ۱۴)	اللہ نے مومنین کی جانوں کو خرید لیا ہے اس تبادلہ میں کہ جنت اُن کی ہے۔

فرمایا۔

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ (توبہ) اپنی ایسی بیع پر تمکو پوری پوری خوشیاں منانی چاہئیں
میں نے اس آیت کا ذکر خصائص النبی میں اس لئے کیا ہے۔ کہ اس سے ایک نہایت ہی خاص
فضل و شرف محمدیہ کا ثبوت حاصل ہوتا ہے۔

غور کرو۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مبائعین
ذات قرار دیا ہے۔

اور یہ وہ شرف ہے۔ جو کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آیت زیب عنوان میں یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ کے الفاظ ہیں امام فخر رازی فرماتے
ہیں کہ لفظ ید ہر دو جگہ میں یا تو بمعنے واحد مستعمل ہوا ہے یا الگ الگ معانی ہیں۔

الف اگر ید کے معنے ہر دو جگہ ایک ہی ہیں تب معنے آیت یہ ہیں۔ کہ احسان الٰہی
تمہارے احسان سے برتر و اعلیٰ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ (حجرات)	بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے۔ کہ تمکو ایمان کی ہدایت فرمائی۔

نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نصرت و تائید منجانب اللہ حاصل ہے۔ وہ
اُس تائید و نصرت سے بہت برتر و اعلیٰ ہے۔ جو حضور کو منجانب صحابہ حاصل ہے۔

لفظ ید بمعنی غلبہ و نصرت و قوت زبان عرب میں بخوبی مستعمل ہے۔ محاورہ ہے۔ کہ
اَلْیَدُ لِفُلَانٍ اب فلاں شخص کا غلبہ ہے۔

ب۔ ید کا استعمال الگ الگ معانی میں ہے۔ تب یدُ اللہ کے معنے حفظ الٰہی ہیں اور ایدیھم سے مراد مبائعین کے ہاتھ (یہ جارحہ جسمانی) ہیں۔ اور بتلایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت ہمیشہ ان مبائعین کے ساتھ ہوگی۔

اسکی تائید اسی سورۂ مبارکہ میں تھوڑی دور آگے چل کر ان الفاظ پاک میں پائی جاتی ہے

فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا (فتح)	اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے دلوں کی اندرونی حالت کو جان لیا۔ اُن پر سکینہ اتارا انکو فتح قریب عطا فرمائی۔ اور وہ بڑی فتوحات

بھی اُنکے لئے خاص کردیں۔ جنکو وہ حاصل کرینگے۔

خلفاء راشدین۔ اور اُنکے ماتحت عمال۔ گورنر۔ جرنیل۔ قائدین لشکر۔ اور فاتحین کشور انہی بیعت کرنے والوں میں سے تھے۔ حضرموت و عمان۔ عراق و فلسطین۔ شام و مصر۔ افریقہ و سوڈان۔ ٹیونس و الجزائر۔ مالٹا اور کریٹ۔ ایران۔ خراسان کی فتوحات و مغانم انہی خلفاء راشدین اور اُنکے حکم برداروں کو حاصل ہوئی تھیں

ہاں یہی وہ بزرگ ہیں۔ جو مفہوم آیت اور اس بشارت عظمیٰ کے مظہر ہیں۔ انہی کے دلوں کا امتحان لیا گیا۔ اور انہی پر نزول سکینہ ہوا۔ وہ سکینہ جسکے نزول کا ذکر احوال موسیٰ علیہ السلام میں بھی ہے۔

انہی کے ہاتھوں میں وہ طاقت تھی۔ کہ کُل دنیا کے ہاتھ انکے سامنے پست تھے۔ کبھی کسی سلطنت کی قواعددان۔ اور باقاعدہ مسلح فوج کے ساتھ ان پر غالب نہ آسکے کَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ[۲] کا ایک نظارہ یہ بھی تھا۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم کے فضل و شرف۔ جاہ و احتشام۔ دولت و اقبال مادّی اور رحمت و برکات روحی کا سبب۔ ذریعہ کیا تھا۔ یہی بیعت نبوی۔ یہی اتباع محمدی۔ یہی صدق و اخلاص جو انہیں پیارے رسول کی ذات اور تعلیم کے ساتھ تھا۔

---

[۱] اہل حدیث لفظ ید کی کوئی تاویل نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کو جسم لوازم جسم سے پاک و برتر تسلیم کرتے ہیں وہ مجسمہ و معطلہ سے علیحدہ ہیں صفات میں انکا مسلک ہرایک ایچ پیچ سے پاک و صاف ہے۔ ۱۲۔ [۲] لوگوں کے ہاتھ تم سے روک لئے ۱۲۔ امسند

لہذا وہ سب طفیلی تھے۔ اور ان خصوصیات کا اصل تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک سے ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ شرف حضور کے خصائص میں سے ہے۔

خصوصیت نمبر ۲۴

وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب ۵۶)

خاتَم۔ اور ختم دونوں کے ایک معنے ہیں[1] النبیین کا الف لام جنس جملہ انبیاء و رسل پر حاوی ہے۔ کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے۔ کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ النبی الامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

یہ ایک عجیب پیشگوئی ہے۔ اور اسکے اندر ایک عجیب طاقت منجانب اللہ موجود ہے۔

ایران کو دیکھو۔ وہاں ہزاروں سال تک متواتر سروش آسمانی کی آواز بیسیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔

ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک لاکھوں مہارشی ایسے ہوئے جن پر آکاس بانی کا پرکاش ہوتا رہا۔

بنی اسرائیل کے حالات پڑھو۔ جہاں ایک ایک وقت میں دو۔ دو۔ چار۔ چار نبی موجود پائے گئے۔

مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت و رسالت ہونیکے دعاوی کو بلند کیا۔

لیکن جب سے کلام اللہ تعالیٰ میں آیت زیب عنوان کا اعلان ہوا ہے۔ اور ختم نبوت کا فرمان سنا دیا گیا ہے۔ اس وقت سے ان سب مذاہب اور ادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیئے ہیں۔

---

[1] خاتم بفتح تا بمعنی ختم القاموس منتہی الارب۔ المنجد۔ وغیرہ۔

مجوسی اب کیوں کسی شخص کو جاماسپ وزرانشت کے اورنگ پر نہیں بٹھلاتے۔ آریہ ورت اب کیوں آکاس بانی کا ایک حرف بھی نہیں سنتا۔

بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

پیارے ناظرین۔ یہ سب قدرت الٰہیہ کا روشن کارنامہ ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بتانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے داعیوں اور طبیعتوں سے بھی یہ بات نکال دی ہے۔ کہ خود ان کے مذہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر۔ نبی۔ رسول۔ اوتار کہا جائے۔

دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ۔ یا طبعی میلان۔ بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے۔ کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتی توصیف کیلئے ایسا فرما دیا ہے۔

اول۔ اس لئے کہ دعویٰ کرنا آسان ہے۔ مگر زمان مستقبل پر حکومت کرنا دشوار ہے یہاں تو چودہ صدیوں کا زمانہ[1] اور مختلف ومتعدد مذاہب کا متفقہ رویہ اسکی تائید میں موجود ہے جس شے کی تائید میں خود نیچر ہو۔ وہاں تصنع کا کیا دخل رہ جاتا ہے۔

دوم۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا ذاتی فخر بھی قائم کرنا مقصود ہوتا۔ تو حضور ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے متبعین کو نبوت کے منصب سے ممتاز بناتے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اپنے اتباع کرنے والے انبیاء کی شان اور اعداد کا اظہار کرتے۔

بعض مسلمان صوفیہ کی نسبت یہ بات زبان زد عوام ہے۔ کہ انہوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اول تو ان روایات کی صحت بالکل مشکوک ہے۔ دوم اگر ثابت بھی ہو جائے کہ کسی شخص نے انا الحق بھی کہا۔ یا سبحانی ما اعظم شانی بھی کہا۔ تب بھی یہ نتیجہ تو صاف نکلتا ہے۔ کہ خدا بننا تو ان کو سہل نظر آیا۔ مگر نبی کہلانے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔ ایسے

---

[1] ۹ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ کو یوم وفات سے مکمل بعثت پورے ۱۴۰۰ برس ہو جاتے ہیں یعنی سنہ ہجری میں ۵۳ سال حضور کی عمر بوقت ہجرت کو جمع کر لینا چاہیئے۔ ۱۲ منہ

ہی لوگوں میں یہ مصرعہ بہت شہرت یافتہ ہے۔ ع

"با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار"

ذیل میں ان اسلامی روایات کا اندراج ضروری ہے۔ جو آیت زیب عنوان کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باسناد صحیحہ ثابت ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَآءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُہٗ تُرِکَ مِنْہُ مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ فَطَافَ بِہِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِہٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ فَکُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَۃِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ) وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ (متفق علیہ)

امام بخاری و امام مسلم نے بالاتفاق ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور دیگر سب انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے۔ جسے خوب بنایا گیا تھا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی دیکھنے والے آتے تھے مکان کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق تعجب ظاہر کرتے تھے۔ اب میں ہوں جس نے اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے میرے ذریعہ ہی سے عمارت ختم ہوئی۔ اور میری وجہ ہی سے رسول ختم کئے گئے۔ وہ اینٹ میں ہوں یوں سب انبیاء کا ختم کرنے والا ہوں۔

(۲) عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ لِیْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ (متفق علیہ)

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں متفقہ روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ہے۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا ہے۔ حضور فرماتے تھے میرے کئی[1] نام ہیں میں محمد ہوں۔ میں احمد ہوں میں ماحی ہوں اللہ میرے ذریعہ سے کفر کو محو کر دیا۔ میں حاشر ہوں کہ لوگ قیامت کو میرے بعد اٹھائے جائیں گے میں عاقب ہوں عاقب وہ ہوتا ہے جسکے بعد کوئی نبی اور نہو۔

[1] اس حدیث میں حضورؐ نے اپنے پانچ نام فرمائے۔ محمد و احمد ان کے معانی نہیں فرمائے۔ ماحی۔ حاشر۔ عاقب۔ ان کے معانی بتلائے۔ اس سے واضح ہوا کہ محمد و احمد ذاتی نام ہیں۔ اور ماحی و حاشر و عاقب وصفی نام ہیں۔

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّةً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے سب انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت ہے

۱۔ مجھے کلمات جامعہ عطا فرمائے گئے۔
۲۔ مجھے رعب سے مدد دی گئی ۳۔ مال غنیمت ہم پر حلال کیا گیا
۴۔ روئے زمین کو ہمارے لئے مسجد اور سبب طہارت بنایا گیا
۵۔ مجھے تمام مخلوق کیلئے رسول بنایا گیا۔
۶۔ میری ذات پر انبیاء کا خاتمہ ہو گیا ؎۱

(۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ خُطْبَةِ الْوَدَاعِ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ (رواہ ابن جریر و ابن عساکر)

ابن جریر اور ابن عساکر نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا۔ لوگو۔ یاد رکھو۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔

(۵) رَوَی اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالْحَاکِمُ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ (زرقانی جلد ۵ صـ ۲۶۷)

زرقانی (شرح المواہب اللدنیہ) میں ہے کہ امام احمد امام ترمذی، امام حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی۔ لہذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا۔ اور نہ کوئی نبی ہوگا۔

(۶) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلٰثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت میں تیس شخص ایسے ہونگے۔ جو کذاب ہونگے ان میں سے ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

؎۱ اس حدیث کی شرح ہم آگے چل کر لکھیں گے۔ ۱۲ منہ

۷۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (رواہ الترمذی)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میرے بعد کسی نے نبی ہونا ہوتا۔ تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوتے۔

سب جانتے ہیں کہ عمر فاروق نبی نہ تھے۔ ثابت ہوگیا کہ حضور کے بعد کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا

۸۔ جنگ تبوک کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ علی نے عرض کیا۔ کہ حضور مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ اُسوقت حضور نے فرمایا۔

اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ	کیا تم اس پر خوش نہیں۔ کہ تم میرے لئے ویسے ہی ہو۔ جیسے ہارون موسیٰ علیہ السلام کے لئے

تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔ (صحیحین)

موسیٰ علیہ السلام میقات ربی کے لئے طور پر چالیس یوم ٹھہرے تھے۔ اور اپنے بعد ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غزوہ تبوک میں قریباً پچاس یوم مدینہ سے باہر رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی واقعہ کیطرف اشارہ ہے۔ اس واقعہ میں خلافت بعد وفات رسول کا اشارہ تک نہیں کیونکہ ہارون علیہ السلام کی وفات موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئی تھی۔

۹۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری غسل دے رہے تھے۔ تو اپنی زبان سے یوں فرما رہے تھے۔

بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبَاءِ وَاَخْبَارِ السَّمَاءِ (نہج البلاغت ص۲۱۰ چھاپہ دارالسلطنت تبریز ۱۲۶۷ ہجری)	میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ حضور کی موت سے وہ چیز ختم ہوگئی جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی۔ یعنی نبوت اور اخبار غیب اور آسمان سے خبروں کا آنا اب ختم ہوگیا۔

ان صحیح ترین روایات اسلامیہ کی تصدیق قدرت قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبان بندی سے فرما دی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت وہ خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل حضور ہی کی ذات

اقدس کو حاصل ہے

اس آیت کیساتھ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی تفسیر بھی پڑھ لینا چاہیئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ختم نبوت کا منصب اسکو شایاں ہے۔ جو اکمال دین اور تمام نعمت کی بشارات سے بھی مُبشّر ہو۔

الغرض آیت زیب عنوان نہایت مستحکم دلائل۔ اور قطعی براہین کے ساتھ حضور کی خصوصیت "ختم المرسلین" کو واضح کر رہی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک

اب اگر اہل اسلام کے اندر کوئی شخص ایسا ہے۔ جسے اپنی نبوت کا زعم ہو تو اُسے مناسب ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کو پیش نظر رکھ کر اگر چاہے تو اُن تیس کے شمار میں داخل ہو جائے۔ یا ارشاد نبوی کے سامنے اپنے زعم باطل کو چھوڑ کر تائب و مومن بنجائے۔

خصوصیت نمبر ۲۵

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء)

ہمنے جو تجھے بھیجا ہے۔ تو سب عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں جو آسمان شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے۔ اُن کے خطابات سے اُنکی شخصیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

کسی کا لقب مہاراجہ ادھیراج ہے۔

کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے۔

کوئی مہادیو۔

کوئی مہابلی۔ کوئی تہمتن کوئی روئین تن۔ کوئی گنگوپال۔ کوئی فرزند نور۔ کوئی بودھا (بمعنے بیدار)۔ کوئی سولہ کلاں سمپورن۔ کوئی چندربنسی۔ کوئی سورج بنسی وغیرہ وغیرہ

یہ اور اس جیسے اور دیگر خطابات اس شخص کی اپنی ذات یا صفات کے متعلق ایک

نمایاں خصوصیت کے مظہر ہیں لیکن ایسے خطابات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات سے اس ہستی کو کیا نسبت ہے۔

لیکن رحمۃ للعالمین ایسا خطاب ہے۔ جو صرف اُسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے۔ جو ممدوح الوصف کو مخلوقات کے ساتھ ہے۔

رحمت۔ کے معنے پیار۔ ترس۔ دیا۔ ہمدردی۔ غمگساری۔ محبت۔ اور خبر گیری ہیں ان الفاظ کے معانی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔

کون شخص ہے؟ جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اُسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور وہ ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے۔ غالبًا کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلیگا۔

عالم۔ علمیت کی صفت سے بنا ہے۔ یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے۔ ظہور پکڑنے اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے۔ وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس لفظ کا استعمال انواع و اصناف و اجناس کے ممیز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ عالم جمادات۔ عالم نباتات۔ عالم حیوانات۔ عالم علوی۔ عالم سفلی اور جذبات و ذہنیات و کوائف کے لئے بھی استعارۃً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عالم وجد۔ عالم شوق۔ عالم شباب وغیرہ۔

الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی و ذہنی تک وسیع ہے۔ عالمین صیغہ جمع ہے۔ اور جملہ عوالم پر اس کا احاطہ ہے۔

اب اندازہ کرو۔ اس مقدس ہستی کا جس کا سب سے پیارا نام ہے جو سب کا ترس کھاتا ہے۔ جو ہر ایک کا ہمدرد و غمگسار ہے جسکی محبت عام ہے۔ جو ہر ایک کی مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے۔ جو ہر ایک وسواس کو اپنے حقائق سے ہمدرد و درست بنا سکتا ہے۔ جسکے فیوض سے ماڈیات و ذہنیات تصورات و تصدیقات کو شادابی و درستی صحت اور صداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرماکر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ عالمین پر در و دیوار کی الوہیت عام ہے۔ اور آپکی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی نا پرواہ نہیں رہ سکتی۔ اسلئے رسول کریم کی تعلیمات و تفہیمات سب کیلئے اور سب کے فائدہ کے لئے

ہیں۔ اور کوئی شے بھی حضور کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکر کو یہ کہہ دینا آسان ہو۔ کہ اُسے سورج کی روشنی اور گرمی کی احتیاج نہیں لیکن ایک عالم اور صاحب دماغ کے لیئے یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ اُسے تعلیمات محمدیہ کی مطلقاً حاجت نہیں۔

دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہ کے بعد کیونکر انہوں نے حضور کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے۔ اور کیا کیا بھیس بدل بدلکر اس خرمن حیات سے خوشہ چینی کی ہے۔

حضور کی سیرت پر غور کرو۔ اور حضور کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مفہوم اُس سیرت سے سمجھنے کی سعی کرو۔

(۱) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے ۱۴۔ ۱۵ سال کی عمر میں حرب الفجار کو دیکھا۔ اور اُسی وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا۔ انسان کا انسان کو شکار غضب و وحشت بنانا ناپسند فرمایا۔

(۲) رحمۃ للعالمین وہ ہے جسکی فطرت سلیمہ اور طینت طیبہ نے حلف الفضول[۱] کے عہد و پیمان کو محکم و استوار بنایا۔ اور ایک شریف النفس کیلیئے داد خواہی مظلوماں اور دستگیری ملہوفاں حفاظت مسافران۔ اور اعانت بیچارگاں کے اوصاف کا حاصل کرنا لازم ٹھہرایا۔

(۳) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے دشمن کو بھی دوست بنا لینے کی تدبیر سکھلائی۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ	بُرائی کی مدافعت خوبی و نیکی سے کرو۔ پھر تو تمہاری عداوت والا بھی تمہارا گرم جوش دوست بنجائیگا۔

(۴) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں۔ حقوق جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں، عبادت سے روکنے والے دشمنوں کے ساتھ بھی ہر ایک انتقامی کارروائی

[۱] قبل از نبوت محمدیہ مکہ معظمہ میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی۔ جس کے ممبر قسم کھایا کرتے تھے۔ کہ ہم مظلوموں کی امداد کیا کریں گے۔ عورتوں اور یتامٰی پر ظلم نہ ہونے دینگے۔ قتل و غارتگری کے روکنے کی سعی کیا کرینگے۔ اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے۔ اس لیئے اس انجمن کا نام حلف الفضول ہوگیا تھا۔

کرنے سے اہل ایمان کو روکا۔ اُسوقت جبکہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت و قوت بھی موجود تھی

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (الآیۃ)	اُس قوم کا بغض جس نے تمکو حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا۔ اس امر کی طرف کھینچ کر نہ لیجائے کہ تم بھی اُن سے خلاف انصاف کرنے لگو۔

(۵) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے کاہنوں کے ترہّب کو۔ ہندوؤں کے جوگ و سنیاس کو یہودیوں کے فرقہ لاماساس کو یونانیوں کے گروہ کلبیہ کو۔ عیسائیوں کے نن اور منک کو اور ان سب کے افسوسناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا اور

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ	رہبانیت تو لوگوں کی خود ساختہ گھڑت ہے اللہ نے تو اُسے انسان کیلئے کبھی مفید نہیں فرمایا۔

کا فرمان سنایا اور لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ (اسلام میں رہبانیت نہیں) کے ارشاد سے تمدن اور انسانیت کو تاج امتیاز عطا فرمایا۔

(۶) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو یہودیوں کی طرح ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کی برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا۔ جو کاتھولیکو کی طرح آسمان کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا جو گنگا اور یہوپا کے برہمنوں ہی کو نرگ اور سرگ میں آدم انسانی کے دھکیل دینے کی طاقت کا ٹھیکہ دار نہیں بناتا۔ جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدائش کی بنیاد پر انکو فرزندان آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔

جو زرتشتیوں اور لاماؤں کی طرح پیران خاص کے سوا باقی سب پر رحمت و افضال کے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

(۷) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس کی نگاہ میں رومی۔ یونانی مصری و سوڈانی۔ سب مساوی ہیں جسکے دربار میں یدعم سوڈانی۔ بلال حبشی۔ فیروز خراسانی۔ سلمان پارسی۔ صہیب رومی۔ ثمامہ نجدی اور عدی طائی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں جہاں جندل کا بادشاہ اکیلا نہیں بلکہ عمان کا حکمران جیفر آل حمیر کا مدعی الوہیت ذوالکلاع اور ملک یمن کا بڑا کاہن ضماد غلامان بارگاہ سے بہت پیچھے صف نعال میں خوش و شاداں موجود ہے۔

(۸) رحمۃ للعالمین وہ ہے جو یہود جیسی مخذول و مغضوب قوم کو جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل و خوار ٹھیرایا تھا مستقل قوم ہونیکا درجہ عطا فرماتا ہے اور معاہدات میں انکو مساویانہ حقوق کے عطیہ سے شاد کام فرماتا ہے۔

(۹) رحمۃ للعالمین وہ ہے جو جملہ عیسائی اقوام کی اسوقت حفاظت فرماتا ہے جبکہ دوسری مذھبی کونسل پہلی مذہبی کونسل کو اور تیسری مذھبی کونسل دوسری مذھبی کونسل کو کفر و لعنت کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذھبی کارروائی کیا کرتی تھی۔

وہ عیسائیوں کی جان و مال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے جبکہ مسیح کے جسم ایک رُوح یا دو روح ہونیکے مسئلے نے یروشلم اور روما اور مصر میں خونریزی کو عام کر رکھا تھا۔

(۱۰) رحمۃ للعالمین وہی ہے جسکی تعلیم لوتھر کی رہنمائی کرتی ہے اسکے مخالف اسے خفیہ مسلمان ہونیکا الزام بھی لگاتے ہیں۔ مگر وہ رحمۃ للعالمین کے فیوض سے استفاضہ کرنے میں نہیں جھجکتا۔ اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہریت پرستی کو گرجاؤں سے دور کر دیتا ہے۔

(۱۱) رحمۃ للعالمین وہ ہے جو جملہ اقوام و ممالک عالم کو دین صحیحہ کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ	اللہ کی پیدا کردہ فطرت جسپر انسانی سرشت بنائی گئی ہے اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں

اسی کو دین قیم کہتے ہیں۔

اہل روما اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر رہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکالکر دکھلائیں کہ دین صحیحہ کی یہ تعریف کبھی کسی اور جگہ بھی بتلائی گئی ہے۔

دین صحیحہ کے متعلق ایک دوسرا اصول سکھایا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج)	دین کے متعلق ارادہ الٰہی یہ نہیں کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں رکھے۔

تیسرا اصول جسپر شریعت مصطفویہ کے احکام کا انفاذ ہوا ہے۔

وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔	ہاں شریعت سے ارادہ آلہی کا مقصود یہ ہے کہ انسانوں کو پاک و صاف ٹھہرائے اور ان پر

اتمام نعمت بھی فرمائے۔

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلم رکھتے ہوئے بھی یہ ارشاد ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔	دین کے بارے میں کسی پر زور اور زبردستی نہیں ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا ہے

(۱۲) رحمۃ للعالمین وہ ہے جسکی تعلیم اختلاف الوان اور تبدیل زبان اور تباین ملکی سے بہت بلند ہے جسکی تعلیم میں حسب و نسب کا خالی دعویٰ صداقت سے عاری ہے۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے سب سے پہلے ھو اللہ احد کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خویش و بیگانہ کو دی جس نے سب سے پہلے احمر و اسود۔ غربی و شرقی۔ مبتدین و غیر مبتدین کو قوم واحد بنایا۔ ایک ہی کلمہ زبان پر ایک ہی ولولہ دماغ میں ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

(۱۳) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے ترہب اور تبتل میں تفریق کی جس نے ایک گھرستی کو گھرستی میں رہ کر سنیاسی بنایا۔ اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنیوالے کو ناخوشنودی رحمٰن کا مورد بتلایا۔

رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتلائے جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

(۱۴) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے دیکھا کہ کہیں تو عورت کو اناج۔ غلہ۔ روپیہ۔ پیسہ کیطرح داؤ میں دیا جاتا ہے۔ (ہندومت) اور کہیں عورت کو بے روح بنایا جاتا ہے۔ یا کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے (سترھویں صدی سے پہلے پہلے کی عیسویت) کہیں اُسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے۔ (یہودیت)

اور کہیں بے جان زمین کیطرح اُسے سب مردوں کا ملکوک ہونا تجویز کیا گیا ہے۔ (ایران کے مزدکیہ و مانویہ)

اور ان جملہ حالات میں اُسکی شخصیت۔ ذہنیت اور حقوق کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہیں رکھا گیا ان جملہ مصائب کو دور کرنے کیلئے یہ حکم سناتا ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ	جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔

علم نحو میں لام استحقاق و تخصیص و تملیک کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا لَهُنَّ کا لام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا۔

اَلنِّسَآءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ۔	عورتیں مردوں ہی کا ایک جزو۔ اور حصّہ ہیں یا عورتیں مردوں کیلئے گل و ریحان ہیں۔

ارشاد فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ	عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام کرنا

(۱۵) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے رسوم کی زنجیروں۔ اور اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو آزاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کے اِن کارناموں کو اسطرح ظاہر فرمایا ہے۔

يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ	بوجھ اُتار دیئے اور زنجیر و طوق کو اُن سے اُتار کر دور پھینک دیا۔

(۱۶) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے اور مانع بھی۔ حضور نے یہ فرمان سنایا۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	جملہ اقسام نکوئی میں اور جملہ انواع خدا ترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو۔ اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں تم کسی کی مدد نہ کیا کرو۔

(۱۷) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس کا کام جملہ خصائل رذیلہ۔ اور اخلاق نکوہیدہ سے انسان کو

پاک وصاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ یُزَکِّیْھِمْ ۚ — وہ اُنکی میل کچیل کو دور کر کے اُنکو پاک صاف بناتا ہے

(۱۸) رحمۃ للعالمین وہ ہے جو انسانیت کے درجہ رفیع کو نہ تو زر و دولت کے لباس میں دیکھتا ہے اور نہ فقر و تہی دستی کے وقت اُسکی نفی فرماتا ہے۔ بلکہ انسانیت کا مدار۔ اور ابن آدم کہلانیکا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔

لفظ ایمان فرائض الٰہیہ پر۔ اور لفظ علم واجبات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے۔ فرمان ذیل پر غور کرو۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ	اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے۔ اُن کے جو تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور اُنکے جنکو علم دیا گیا

فضیلت علمی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کیلئے فرمایا

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ۔	عالم کی عابد پر فضیلت اتنی ہے۔ جتنی نبی کو ادنیٰ امتی پر ہوتی ہے۔

(۱۹) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ (ابوداؤد) کے راز سے دنیا کو واقف بنایا۔ اور سمجھایا۔ کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشوار یوں کے حل کرنے کیلئے ضروری ہے۔ اور اُسوقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ جس طرح ایک عضو میں سمیت آجانے کی وجہ سے اُس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و برید جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قطع عضو بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے

ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے۔ کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو اُس سے بغض بھی ہے۔ لہذا جب تک مسلم نہ ہو جائے کہ صرف یہی ایک صورت مرد کے بقا و عزت رضا و ذات ایمان و عزت کے لئے رہ گئی ہے۔ اُسوقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲۰) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے طلاق کے روکنے کیلئے ایسی تدابیر کو ضروری ٹھہرایا جن پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک تنک مزاج لاپرواہ اور ... [illegible] ... کو طلاق کی برائی

سے محفوظ فرمالیا ہے۔

الف۔ زوجین کے اختلاف و شقاق کے مٹانے کے لئے پہلی تدبیر یہ بتائی کہ دو ثالث مقرر کئے جائیں۔ ایک مرد کے گھرانے کا۔ ایک عورت کے گھرانے کا۔ وہ دونوں ان زوجین کے حالات و شکایات کو سنیں اور فیصلہ کر دیں۔

ب۔ اب بھی اگر اصلاح نہ ہو۔ اور قصور کا بوجھ صرف عورت پر ہو۔ تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کیلئے ہمبستری ترک کر دے۔ یہ تدبیر بہت موثر ہے۔

ج۔ اب بھی کوئی درستی نہ ہو تو تادیب کے طور پر ہلکی سی مار مارے۔ ہلکی مار یہ ہے کہ چہرہ پر نہ مارے۔ ایسی ضرب نہ مارے۔ جس سے جلد پر نشان نمایاں ہو جائے۔ یہ تدبیر بھی پست درجہ کی سمجھ والیوں میں موثر ہوتی ہے۔

د۔ یہ تدبیر بھی ناکافی ثابت ہو۔ تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کیلئے شوہر کو اُس وقت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ جب وہ ماہواری ایام سے پاک صاف ہو جائے۔ ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک کیلئے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے۔ کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں۔ ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یکجائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت و عادت اور فعل پر جسکی طفیل نوبت بحد سے رسیدہ ہو گئی ہے۔ غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اسطرح پر اگر وہ دل مل بیٹھے۔ ایک نے دوسرے کی ہمبستری کا موقعہ حاصل کر لیا تو وہ ایک طلاق اُن کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

ہ۔ ایک مہینہ گذر گیا۔ عورت کو دوسرے مہینہ کے ایام بھی دیکھنے پڑتے۔ اُنکے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق کے دینے کا اختیار ہے۔ لیکن اس دوسری طلاق کے بعد بھی زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا سہنا سونا بیٹھنا ہوگا۔ اب پھر ایک مہینہ کی لمبی میعاد ان کے درمیان ہے۔ جذبات انسانی چھوٹے غصہ۔ بے جا بدگمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب و مفقود کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا۔ تو پھر یہ بڑا میاں اور بیوی کا ہے۔ دونوں طلاقوں کا اُن پر کوئی بوجھ نہیں

و۔ اب تیسری طلاق کا وقت آگیا ہوگا۔ [illegible]

اب شریعت اُسے بتلاتی ہے۔ کہ دیکھ یہ ہما تیرے ہاتھ سے نکلنے والی ہے۔ پرندہ اُڑ جاتا ہے تو کف افسوس ہی ملنے پڑتے ہیں سمجھ لے۔ اور تیسری طلاق سے رُک جا۔

ان ہدایات پر بھی اگر نفرت و شقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے کہ مرد ایک طلاق ہی پر تُلا ہے تب شریعت اُسے مجبور نہیں کرتی۔ اور معاہدہ شادی کو لعنت زندگی کا طوق نہیں بنا دیتی۔ رحمۃ للعالمین کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کر سکتی ہے۔ کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر بیچارگی گھر سے نکال دے۔ جیسا کہ سیتا جی کا معاملہ ہے۔ یا یہود یوں کی طرح۔ جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں۔ بلاوجہ و بے سبب شریک زندگی سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ علیٰ ہذا یہ بھی گوارا نہیں۔ کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اُسکی بدمزاجیوں۔ گستاخیوں۔ یا امراض مخصوصہ کے بعد بھی اُس سے گلوخلاصی نہ ہو سکے۔ جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ ہاں حقوق زوجین کا ازحد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین نے ایک ایسی سڑک تیار کردی ہے۔ جس میں نہ تفریط کی گھاٹیاں آتی ہیں۔ اور نہ افراط کے پہاڑ حائل ہیں۔

(۲۱) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے عرب کے اُس رواج کو توڑا۔ کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف اُن لوگوں کو ملے گا۔ جو تلوار و نیزہ اُٹھا سکتے ہوں۔ عورت اور معصوم بچے بیٹی بہن کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائداد سے بوجہ بیٹی ہونیکے بھائی کی جائیداد سے بوجہ بہن ہونیکے شوہر کی جائداد سے بوجہ زوجہ ہونیکے اور اولاد کی جائداد سے بوجہ والدہ ہونیکے متعدد حصے دلاتا ہے۔ اور حضور کے تعلیم کردہ قانون توریث کو اصولاً بہت سی غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

(۲۲) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے اولاد کو فقر و تنگدستی سے اور جائداد کو تباہی سے اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیۃً ناواقف تھی۔

(۲۳) رحمۃ للعالمین وہ ہے۔ جس نے جواز جنگ کیلئے ظالم ہونے، حقوق ملی و قومی سے بلاوجہ محروم کردیئے جانے، دین حقہ کی حفاظت کرنے والوں کی جان و مال کے غیر محفوظ ہو جانے یا امن کا قیام مفقود ہو جانے اور مذاہب عالم اور اُنکے اماکن عبادت کے معرض تلف میں آجانے و بلاد

شروط اولین قرار دیا۔

یہ حقیقت آیات ذیل سے آشکار ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا

جنگ کرنے والوںکو اذن دیا گیا کیونکہ وہ مظلوم تھے۔ اور بےشک اللہ انکی مدد کی ضرور قدرت رکھتا ہے یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلاسبب نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ انہوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا تھا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ سے مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد۔ عیسائیوں کے گرجا۔ صابئین کی عبادتگاہیں نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے ضرور گرادی جاتیں۔

(۲۴) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا۔ اور اسے ام الخبائث بتلایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر انتہائی اجازت تک پہنچ جاتی ہے) جو پولوس نے مرعی رکھی تھی۔ کہ تبدیل مزہ کیلئے پانی میں تھوڑی سی شراب ملا لیا کرو۔ سدباب کر دیا۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (مائدہ)

شراب اور قمار کو شرک منہیہ کے برابر برابر بیان فرما کر اسے شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا۔

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی۔ کُلُّ مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو۔ اسکی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔

(۲۵) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے زنا کی جملہ اقسام کو جنکے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اسکی قباحتوں کو چھپانے کیلئے رکھ لئے گئے تھے۔ حرام ٹھہرایا۔ اور اس حکم کو منبر و محراب میں خوب شائع کیا۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ

فلاح والے وہ ہیں — جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (مومنون)

کرتے ہیں۔ بیویاں۔ اور وہ جن کے مالک انکے دھنے ہاتھ ہوتے۔ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور انکی بابت اُن پر کوئی ملامت نہیں مگر جو کوئی انکے سوا اور عورت کی تلاش کرتاہے۔ تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانیوالے ہیں۔

(۲۶) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے اسیران جنگ کی جان بخشی و رحم فرمائی کے اصول واضح فرمائے۔ توراۃ میں دشمنوں کی جان توکیا۔ اُنکے حیوانوں۔ اور عورتوں کی جانوں کا بچانا بھی حرام اور موجب غضب الٰہی بتایا گیا تھا۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً ط (محمد)

جب کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو انکی گردنیں مارو۔ اور جب اُن کو چور چور کر دو تب مضبوط طریقہ سے اُن کو باندھ لو۔ اور پھر بعد ازاں اُن پر احسان کرو۔ یا اُن سے فدیہ لے لو۔

حملہ آور دشمن پر غلبہ اور اسیر ہونیکے بعد احسان نمائی۔ یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے۔ کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نابلد رہی ہیں۔ اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر و احد، مکہ و حنین کی فتوحات سے ہر موقعہ پر اسیران جنگ اور دشمنان دین اور قاتلان مومنین اور محاربین رسول کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا

(۲۷) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے ان پڑھی لکھی قوموں کے سامنے۔ جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کیا کرتے۔ اور ان پڑھ رہنے کو نوزائیدہ اُمی بچہ کی معصومی کا چہرہ سمجھا کرتے تھے۔ علم سے روشناس کیا۔ علم کا درجہ اُنکے دلوں میں قائم کیا۔ علم کا شائق بنایا۔ پھر اُن کو معلم اور مفکری کے منصب پر ملتبہ فرمایا۔

آیات ذیل پر غور کرو۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ

اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا عالیشان رسول بھیجا۔ جو انہی میں سے ہے وہ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ | اُن کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور پاک بناتا۔ اور کتاب حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ تو اس

رسول سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

(۲) وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ | تمکو وہ وہ کچھ سکھاتا ہے جن کو تم نہ جانتے تھے۔

(۲۸) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات، اور علاج کے طریقے بتائے جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

(۲۹) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے گنہگار انسان کو اسرار توبہ کی تعلیم دی توبہ کے اجزا بتائے ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

(۳۰) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے تزکیہ نفس، تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

(۳۱) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ۔ انقطاع تمام اور اُنس کامل مدارج رجوع۔ مراتب احسان حقیقت ورع و توکل اور روح اخلاص و صدق اور مقامات قرب و رضا کا عرفان عطا کیا۔

(۳۲) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْن کا نشان دیا اور چاہ ضلالت میں گرے ہوؤں کو آسانی ما ثبت پر پہنچ جانے کی تدبیر بتائی۔

(۳۳) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے علوم مابعد الطبیعیہ کو آثار نفسی و آفاقی سے مبرہن کیا جس نے اعمال اور اعمال کا روح سے تعلق جس نے میزان اور حق و باطل کا توازن بتلایا۔

(۳۴) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے رہزنوں کو چوپانی اور بادشاہوں کو اشوانی سکھائی جس نے غلاموں کو سلطانی دی۔ جس نے بساط کیانی پر اونٹ چرانے والوں کو بٹھلا دیا۔

(۳۵) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے شمالی عرب کو روما کی غلامی سے۔ اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا۔ جس نے طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا۔ جس نے قتل و غارتگری کو قتل و غارت کر دیا۔ جس نے حقوق انسانی کی قدر و قیمت کو سارے جہان کی قیمتی اشیاء سے بڑھ کر قیمتی بنایا۔ جس نے ایران کو خواہش سے اور روما کو حیوانی تعیش سے نجات دی۔ جس نے تمام

دنیا کی طرف امن کا ہاتھ پھیلایا۔ جس نے ایوان صلح کو مرتفع کیا۔ جس نے حتیٰ[1] تضع الحرب اوزارھا کیلئے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

(۳۶) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلامی کے نقائص دور کرنے کی تدابیر کیں۔ غلاموں کو برابر کا کھلانا، برابر کا پہنانا۔ اُن کی استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا۔ اور اس طرح پر غلاموں کو خاندان کا ایک جزو۔ یا ممبر بنا دیا۔

(۳۷) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلام کو حق مکاتبت بخشا۔ جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے۔ اور آقا مجبور ہے کہ اُسے مقررہ قیمت پر آزاد کرے۔

(۳۸) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے مکاتب غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے جسکی غلامی سے اُس نے آزاد ہونا ہے۔

(۳۹) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے ⅛ حصہ خزانہ میں غلامی کے مٹانے کیلئے مقرر فرمایا۔ وَفِي الرِّقَابِ (سورہ توبہ)

(۴۰) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے قانون شریعت میں آزادی غلامان کیلئے مواقع نکالے اسکی تفصیل مسائل ظہار وصوم و حج کے ابواب میں دیکھنی چاہیئے۔

(۴۱) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آقاؤں کو عتاق من النار کا ذریعہ آزادیٔ غلام بتایا۔

(۴۲) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آزاد کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

(۴۳) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے آزادی غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا۔ جو صرف خون کے رشتہ میں ہوتا ہے۔ یعنی آقا کے لاوارث ہونے پر غلام کو، اور غلام کے لاوارث ہونے پر آقا کو اُس کا وارث ٹھہرایا۔

(۴۴) رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے غلاموں پر حصول قرابت و صہریت اور اخذ امارت، حکومت اور نصب امامت و ولایت اور اعدا کو عطائے صلح و امان کے حقوق سے مالا مال فرمایا۔

اسلام سے پیشتر غلامی تو جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی۔ کیا حضور رحمۃ للعالمین سے پیشتر غلامی کے محو و زائل کرنے اور غلامان کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے

[1] یہانتک کہ جنگ اپنے سامانوں کو رکھدے۔ ۱۲ منہ

میں بھی کوئی کارروائی کی۔ یہ ہندوستان ہے۔ جہاں اچھوت اقوام کی تعداد آج تک برہمنوں کھتریوں اور ویش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اسطرح اُن کا لازمہ جسم و روح ہو گیا ہے۔ کہ سینکڑوں نسلوں اور ہزاروں، لاکھوں سال کی امتداد مدت بھی اُنکو رہائی نہیں دلا سکی۔ اچھوت قومیں ہندو لا کے حکم سے معاشرت، تمدن، علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں۔ برہمنوں کو شودروں کے مال کا مالک بنایا گیا ہے اور کوئی برہمن کسی شودر مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں سب کی جان و مال کو یکساں حرمت و احترام کے حقوق حاصل ہیں معاشرت اور تمدن میں سب برابر ہیں ہر ایک ادنیٰ شخص سلطنت دنیوی۔ یا امامت دینی تک فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے، اور کتاب ہذا کا موضوع یہ نہیں کہ ہر ایک مسئلہ پر پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہٰذا اس دلچسپ و دلربا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں۔ اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ "رحمۃ للعالمین" صرف حضور کی خصوصیت ہی نہیں ہے بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں، ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں کسی شاعر کے تخیل کا نتیجہ نہیں کسی فدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ ایک صداقت کا گنجینہ ہے اور اس گنجینہ کا نشان خود ہادئ مطلق نے دیا ہے۔ یہ ایک بشارت ہے جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچانا چاہتی ہے یہ ایک نوید ہے جو عالم عالمیان کو شگفتہ احسانات الٰہیہ بناتی ہے۔

خصوصیت نمبر ۲۶

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام ع ۹)

تو بھی ان سب کی ہدایت کی موافقت کر۔

اقتدا کے معنی اصل لغت میں شخص ثانی کا شخص اول سے موافقت کرنا ہے۔

آیت بالا پر جو کوئی شخص سرسری نظر ڈالیگا۔ وہ سمجھے گا۔ کہ حضور کو کسی دوسرے شخص کے مقتدی (پیرو) ہونیکا حکم دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معنے کافہ اہل اسلام کے اُس مسلمہ اعتقاد کے خلاف ہیں کہ حضور امام الانبیاء ہیں

ہذا آیت بالا شرح طلب ہے۔ اور شرح معانی کے بعد واضح ہو جائیگا کہ آیت بالا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا ثبوت ہے

ناظرین کو آیت وَ کَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰهِیْمَ سے غور شروع کرنا چاہیئے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اس ذکر میں ترتیب زمانی یا ترتیب مدارج کو چھوڑ کر ایک اور ترتیب بدیع اختیار کی گئی ہے۔

اوّل ترتیب اصول نسب

اس صنف میں نوحؑ و ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ جملہ انبیاء عالم کے انساب انہی پر منتہی ہوتے ہیں۔ اور اکثر اقوام کا انتساب نسلی انہی کی جانب ہے۔

دوم ترتیب ملک و قدرت

اس صنف میں داؤدؑ و سلیمانؑ علیہما السلام خصوصیت سے قابل بیان تھے۔

ترتیب بلحاظ مراتب صبر و شکر

اس صنف میں ایوبؑ اور یوسفؑ علیہما السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

ترتیب بلحاظ معجزات و ظہور آیات

اس صنف میں موسیٰؑ و ہارونؑ علیہما السلام کے نام مذکور ہوتے ہیں۔

ترتیب بلحاظ زہد و اعراض عن الدنیا

اس صنف میں زکریاؑ و یحییٰؑ و عیسیٰؑ و الیاسؑ کا مذکور ہوا۔

ترتیب بلحاظ تبلیغ امم مختلفہ

اس صنف میں اسمٰعیلؑ و الیسعؑ و یونسؑ و لوطؑ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے

کہ ان انبیاء مذکورہ کے مختصر حالات بھی لکھ دیئے جائیں۔

نوح علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے۔ نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہم السلام۔

حضرت نوح کی پانچسو سال کی عمر تھی جب سام۔ حام اور یافث انکے ہاں پیدا ہوئے انکی عمر کے چھ سو سال کے بعد دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو طوفان شروع ہوا۔ چالیس دن تک پانی اوپر سے برستا۔ اور زمین سے ابلتا رہا۔ پھر بڑھنا بند ہوا۔ اور ڈیڑھ سو دن میں پانی کم ہوا ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ تھی۔ کہ کشتی اراراط کے پہاڑ پر رک گئی ۶۰۱ سنہ عمر نوح کے دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو حضرت نوح نے کشتی چھوڑ کر زمین پر قدم رکھا (ایک سال ۱۱ یوم کشتی میں رہے) طوفان کے بعد حضرت نوح ۳۵۰ سال زندہ رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش طوفان نوح سے ۵۳۷۵ سال بعد ہے۔

ابراھیم علیہ السلام

ان کا نسب نامہ حضرت نوح تک یہ ہے۔ ابراھیم بن آذر (تارح) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر بن شالح بن ارفکشاد بن سام بن نوح علیہم السلام۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا زمانہ ۲۵۸۵ سال پیشتر کا ہے۔ ۷۵ سال کی عمر میں اپنے وطن سے ہجرت فرمائی۔ اور کنعان کے ملک میں پہنچے (کنعان بن حام بن نوح کا ملک)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ ملک تیری اولاد کو دیا جائیگا۔ پھر مصر گئے۔ مصر سے واپس آکر کنعان میں ٹھہرے۔ یہاں سے انکے برادر زادہ لوط علیہ السلام جو ہجرت میں انکے ساتھ تھے علیحدہ ہوئے اور دریائے یاردن کے پرلے کنارہ پر آباد ہوئے۔ یہ علاقہ شاہ سدوم کا تھا۔ شاہ سدوم پر شاہ عیلام نے مع اپنے تین اتحادیوں کے حملہ کیا۔ اور حضرت لوط کو بھی اسیر کر لے گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انکے خلاف جہاد کیا۔ حضرت لوط کو چھوڑا لیا۔ اور بہت مال غنیمت حاصل کیا۔ اسّی سال کی عمر تھی۔ جب آپکے گھر میں اسمٰعیل علیہ السلام (از بطن ہاجرہ خاتون جو بادشاہ مصر کی دختر تھیں) پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۹ سال کی تھی۔ جب ختنہ کا حکم نازل ہوا۔ اسی عمر میں حضرت نے

اپنا ختنہ خود کیا۔ اور اسمٰعیل علیہ السلام کا ختنہ بھی کرایا گیا۔ حضور کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی۔ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب خلیل الرحمٰن ہے۔ اور لقب عمود عالم۔ اور آدم ثالث کنیت ابو محمد اور ابوالانبیاء۔ ۱۷۵ سال کی عمر تھی جب خلیل الرحمٰن نے انتقال فرمایا۔

خانہ کعبہ اور مناسک حج حضور کی نبوت کی دائمی یادگار ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو کوئی نبی ہوا۔ خواہ کسی ملک اور کسی قوم میں ہوا۔ وہ حضور ہی کے خانوادہ اور نسل کا تھا۔

اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراہیم کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی جب انکے ہاں اسحٰق علیہ السلام از بطن سارہ خاتون پیدا ہوئے۔ سارہ خاتون حضرت ابراہیم کے دادا کی نسل سے ہیں اور اول الاسلام۔

حضرت اسحٰق کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ جب انکی شادی رابقہ خاتون سے ہوئی۔ رابقہ حضرت ابراہیمؑ کے برادر حقیقی نخور کی پوتی ہیں۔

رابقہ خاتون سے دو توام بچے پیدا ہوئے۔ عیسو و یعقوب علیہ السلام۔

حضرت اسحٰق نے ۱۸۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

یعقوب علیہ السلام

انہی کا لقب اسرائیل بھی ہے انکے گھر میں لیاہ بیگم سے چھ فرزند۔ راخیل خاتون سے دو فرزند زلفہ لونڈی سے دو فرزند۔ اور بلہہ لونڈی سے دو فرزند پیدا ہوئے۔

جب یوسف علیہ السلام نے انکو مصر میں معہ افراد خاندان طلب کیا۔ تب انکی عمر ۱۳۰ سال تھی ۱۷ سال مصر میں قیام کے بعد انہوں نے مصر ہی میں وفات پائی۔ یوسف علیہ السلام انکا جنازہ شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ کنعان لائے۔ اور وہ حضرت ابراہیم و اسحٰق کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ انکی وفات ق م ۱۸۰۶ سال اندازہ کیگئی ہے۔

یوسف علیہ السلام

راخیل خاتون کے پہلے بیٹے ہیں۔ یوسف کے معنے عربی میں "طلزید" ہیں انکی پیدائش کے وقت ماں نے

کہاتھا۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور بھی بیٹا دے گا۔

۱۷ سال کے تھے۔ جب چاہ میں گرائے گئے۔ تین شب چاہ میں رہے۔ چھ سال عزیز مصر کے گھر قیام فرمایا۔ سات سال زندان میں بسر کئے۔ ۳۰ سال کی عمر میں مصر کے حاکم مطلق باختیارات شاہی مقرر ہوئے۔ ۴۰ سال کی عمر تھی جب یعقوب علیہ السلام سے مصر میں (۲۳ سالہ فراق کے بعد) ملاقات ہوئی ہشتاد وسالہ فرماں فرمائی کے بعد ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پوتے اور پڑپوتے دیکھے۔ ان کی شادی ملک مصر کے شہر اون کے کاھن کی دختر مسماۃ آسناتھ سے ہوئی تھی۔ انکے ہردو فرزند منسی و افرائیم اسی خاتون کے ہیں۔

داؤد علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے۔ داؤد بن لیسی (ایشاہ) بن عوبید بن سونجز بن سلما (سلمون) بن نحسون بن عمذاب بن ارام بن حصرون (حصروم) بن فارص بن یہوداہ بن یعقوب علیہم السلام۔

یہ اپنے باپ کے ساتویں بیٹے تھے۔ چھ بھائی ان سے بڑے تھے۔

انکی ابتدائی شہرت کا باعث وہ جنگ ہوا جو فلسطینی اسرائیلیوں سے کر رہے تھے فلسطینی فوج میں ایک بہادر جولیت (جالوت) تھا جس کا قد چھ ہاتھ اور ایک بالشت تھا۔ وہ پیتل کی خود۔ اور زرہ اور موزے پہنا کرتا تھا۔ چالیس دن تک وہ میدان جنگ میں نکل کر مبارز طلب کرتا رہا۔ اسرائیلیوں میں سے کسی کا حوصلہ نہ ہوا۔ حضرت داؤد اپنے تین بڑے بھائیوں کی (جو شامل جنگ تھے) خیر لانے کو رزم گاہ میں گئے تھے۔ وہاں اُنھوں نے سنا کہ ساؤل شاہ بنی اسرائیل نے اس شخص کے قاتل کیلئے اپنی بیٹی کا رشتہ معہ دیگر انعامات دینے کا اعلان کیا ہوا ہے۔

حضرت داؤد بادشاہ سے اجازت لیکر جالوت کے مقابلہ کو نکلے۔ اُنھوں نے اپنی فلاخن سے پتھر چلایا۔ اور وہ پتھر اُسکی پیشانی کے اندر اتنا گھس گیا۔ کہ پیشانی کے اندر جا چھپا فلسطی گر پڑا داؤد نے اُسی کی تلوار اُسکی کمر سے نکالی اور اُسکا سر کاٹ لیا۔

بعد ازاں حضرت داؤد ترقی کرتے کرتے سپہ سالار فوج ہوگئے۔ اور پھر بادشاہ کے داماد بن گئے۔ بادشاہ اُنکے روز افزوں اقبال سے حسد کرنے لگا۔ اور حضرت داؤد بادشاہ سے جان بچاتے پھرتے۔ آخر ساؤل بادشاہ نے فلسطیوں سے ایک مقام پر شکست کھا کر خودکشی کرلی۔ اور

اُسکے ولیعہد نے بھی خودکشی کر لی۔ تب بنی اسرائیل کے اتفاق سے حضرت داؤد بادشاہ ہوئے
اُنہوں نے چالیس سال تک نہایت کامرانی و اقبال کے ساتھ سلطنت کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ازواج اور حرموں کی تعداد ۹۹ تھی۔ اُنکے ۱۸ فرزند اور ۱۷ لڑکیاں
تھیں لیکن وراثت داؤد صرف سلیمان علیہ السلام ہی کو ملی۔

حضرت داؤد کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ۱۵۸۰ سال پہلے ہوا۔ اُس وقت
ان کی عمر ستر سال کی تھی۔

سلیمان علیہ السلام

بنت سبع دختر انعام کے بطن سے یروشلم میں پیدا ہوئے۔ جبکہ داؤد علیہ السلام سلطنت
حاصل کر چکے تھے۔ اُنہوں نے شاہ مصر کی بیٹی سے شادی کی۔

انہوں نے اپنے جلوس کے چوتھے سال کے دوسرے مہینہ میں بیت المقدس کا بنانا شروع
کیا۔ اصل مسجد ۶۰ ہاتھ طویل ۲۰ ہاتھ عریض اور تیس ہاتھ بلند تھی اور اُسکے ارد گرد بہت مکانات تھے
یہ عمارت سات سال میں ختم ہوئی تھی۔

حضرت سلیمان نے چالیس سال سلطنت پورے عروج اور اقبال و دولت کے ساتھ
کی۔ انکا عہد بالکل امن کا عہد تھا۔ انکی بیگمات کی تعداد سات سو۔ اور لونڈیوں کی تعداد تین سو ہے
ان کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ۱۵۴۶ سال ماقبل ہے۔

ایوب علیہ السلام

انکا نسب نامہ یہ ہے۔ ایوب بن آموص بن رازح بن روم بن عیص (عیسو) بن اسحٰق علیہم السلام۔
یہ ارض عوص (ایشیاء کوچک) میں رہتے تھے۔ انکے سات بیٹے تین بیٹیاں تھیں۔

یہ سات ہزار بھیڑوں۔ تین ہزار اونٹوں۔ پانچ سو جوڑی بیلوں اور پانچ سو خر یا جیہ کے مالک
تھے۔ نوکر چاکر بہت تھے۔ اہل شرق میں ان جیسا کوئی مالدار نہ تھا۔

جب مصیبت آئی تو ایک دن ایسا ہوا۔ کہ اُنکے سب بیٹے۔ بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے
گھر کھانا کھا رہے تھے۔ کہ سخت آندھی آئی۔ اُس نے مکان کی چھت کو اُٹھایا اور اُن پر گرا دیا۔
اسی وقت ایک دوسرے شخص نے اطلاع دی۔ کہ بیلوں اور گدھوں کو ملک کے سب لوگ لوٹ کر

لیگئے۔ نوکروں کو قتل کر گئے۔ صرف میں بچ رہا ہوں۔

اُسی وقت ایک دوسرے نے آکر اطلاع دی کہ آسمان سے آگ پڑی اور سب بھیڑوں کو اور نوکر چاکروں کو جلا کر خاک کر گئی۔ اکیلا میں بچ نکلا۔

اُسی وقت ایک اور شخص آیا۔ اُس نے بتلایا۔ کہ قوم کسدی کے لوگوں نے تین طرف سے حملہ کیا اونٹوں کو لیگئے۔ اور نوکروں کو تلوار کی دھار سے قتل کیا۔ فقط میں ہی بچ رہا ہوں۔

ایوب نے سب کچھ سنا۔ اور پھر سجدہ میں گر پڑے۔ کہا میں اپنی ماں کے پیٹ میں سے ننگا پیدا ہوا تھا۔ اور اُسکے حضور میں ننگا ہی پیش ہونگا۔

بعد ازاں اُنکے جسم میں خارش پیدا ہوئی۔ وہ کھجلاتے۔ تو وہاں پھوڑے بنجاتے۔ اسطرح سارا جسم پھل گیا لیکن اب بھی اُن کی زبان سے کوئی خطا کی بات نہ نکلی۔ اُسوقت اُنکا بستر صرف راکھ کا ہوتا تھا۔

یہ مصیبت چند سال تک رہی۔ آخر حضرت ایوب کے توبہ و استغفار پر رحمت الٰہی نے اُن پر توجہ کی۔ وہ تندرست ہو گئے۔ اُنکے مال و مویشی کی مقدار پہلے سے دو چند ہو گئی۔

اُن کو پھر اللہ تعالیٰ نے سات بیٹے اور سات بیٹیاں عطا فرمائیں اُنہوں نے اپنی اولاد کی چار پشتیں دیکھیں۔ اور مصیبت کے بعد ۱۴۰ سال تک دولت و حشمت اور آرام و فراغت میں بسر کر کے انتقال فرمایا۔

اُن کا زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً اکیس صدی پیشتر کا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام

اِن کا نسب نامہ یہ ہے موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بعض نے عمران (عمرام) کو قاہث کا بیٹا بتایا ہے۔ درمیان میں یصہر کا نام درج نہیں کیا۔

اِن کے حالات قرآن پاک اور توراۃ میں بہت تفصیل سے ملتے ہیں اُنہوں نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ اور وادی موآب میں فوت ہو کر دفن ہوئے۔

اُن کا زمانہ انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ۲۰۲۲ سال پیشتر کا ہے۔

ہارون علیہ السلام

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ ایک سال بڑے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سال پیشتر کوہ حور پر وفات پائی تھی۔

زکریا علیہ السلام

مجموعہ بائبل میں کتاب زکریا شامل ہے۔ یہ زرّو بابل کے ہمعصر ہیں۔ اور مسیح سے پانچ صدی پیشتر ان کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سورہ مریم و آل عمران میں جن زکریا علیہ السلام کا ذکر ہے۔ وہ یحییٰ علیہ السلام کے والد ہیں اُنکے گھر میں مسیح کی خالہ تھیں مسیح کا اصطباغ حضرت یحییٰ کے ہاتھ پر ہوا تھا۔ اس لئے وہ زکریا وہ نہیں ہو سکتے۔ جن کا ذکر مذکورہ بائبل میں ہے۔ ہر دو بزرگواروں میں صرف وحدت اسمی پائی جاتی ہے۔

زکریا علیہ السلام جن کا مذکور قرآن حکیم میں ہے۔ بیت المقدس کے امام و متولی تھے۔ اور مریم صدیقہ کے کفیل و مربی۔ ان کا اور ان کے فرزند کی پیدائش کا واقعہ انجیل لوقا کے باب اوّل میں مذکور ہے۔

یحییٰ علیہ السلام

ان کو بائبل میں یوحنا بپتسمہ دینے والا لکھا جاتا ہے۔ حضرت زکریا کے بیٹے ہیں۔ انہی کی پیدائش کا ذکر سورہ آل عمران۔ و سورہ مریم میں ہے۔ ان کا نام بھی منجانب اللہ رکھا گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد بیابان ہی میں رہے۔ جنگلی شہد اور ٹڈی کو خوراک بنا رکھا تھا۔ بیابان میں وعظ و تذکر کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ توبہ لیتے کیوقت تائب کو پانی میں غسل دلایا کرتے تھے۔ بپتسمہ کی رسم یہیں سے جاری ہوئی۔ یہ حضرت مسیح سے چھ ماہ بڑے تھے مگر انہوں نے مسیح سے چھ سال پیشتر تبلیغ شروع کر دی تھی۔

اُن کے وقت میں چوتھائی ملک کا حاکم ہیرودیس تھا۔ اور اسکے ناجائز تعلقات اپنے بھائی فیلبوس کی جورو سے تھے۔ حضرت یحییٰ حاکم کے افعال پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ حاکم نے اُن کو قید کر دیا تھا۔

حاکم کی بھاوجہ کا نام ہیرو دیاس تھا۔ وہ ہمیشہ حاکم کو یوحنا کے خلاف بھڑکایا کرتی تھی مگر حاکم اُسکی بات نہ سنتا تھا۔ اتنے میں ہیرو دیاس کی سالگرہ کا دن آیا۔ مسماۃ ہیرودیاس کی لڑکی اپنے چچا کے سامنے خوب ناچی۔ گائی۔ اور حاکم نے قسم کھائی۔ کہ جو کچھ وہ مانگے۔ اُسے وہی دیا جاویگا۔

لڑکی نے اپنی ماں کی سکھلاوٹ پر حضرت یحییٰ کا سر مانگا۔ حاکم نے جلاد کو حکم دیا۔ اور اُسی وقت اُنکو جیل میں قتل کیا جاکر اُن کا سر لڑکی کے حوالہ کیا گیا۔ جس نے اپنی ماں کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کردیا۔

یہ واقعہ ۳۰ء یعنی ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۴۱ سال پہلے کا ہے۔

عیسٰے علیہ السلام

سیّدنا عیسیٰ کا نام عبرانی میں یسوع ہے۔ ان کے خاندان کے افراد کے نام حضرت موسیٰ کے خانوادہ عالی کے افراد کے مطابق تھے۔

ان کا نام یسوع تھا۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اوّل یوشع بن نون کی یادگار میں رکھا گیا تھا۔ انکی والدہ کا نام مریم تھا۔ جو خواہر موسیٰؑ کا نام تھا۔ اُنکے ماموں کا نام ہارون تھا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی کا نام تھا۔ سیّدنا عیسٰے کے نانا کا نام عمران تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی نام تھا۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب مریم صدیقہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھیں۔ تب اُنکی والدہ نے یہ نذر مانی۔ کہ وہ اپنے پیٹ کے پھل کو محرر (آزاد۔ یا نذیر۔ یا بیت المقدس کی خدمت کیلئے مخصوص) بنائیگی لیکن جب لڑکی (مریم) پیدا ہوئی۔ تو وہ حیران رہ گئی۔ کیونکہ لڑکی کو بیت المقدس کی خدمت کیلئے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ نیک خاتون اپنی نیّت اور نذر کے مطابق مریم کو بیت المقدس میں لیگئی۔ اور یروشلم کے اراکین نے فیصلہ کیا۔ کہ اس لڑکی کو خدمت کیلئے لے لیا جائے۔ حضرت زکریا کو اُن کا متکفل بنایا گیا۔

پھر جب مریم جوان ہوئیں۔ تب فرشتہ نے اُنکے سامنے آکر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ بشارت سنائی۔ کہ اُنکے پیٹ سے عیسٰے پیدا ہونگے۔ اگرچہ اُن کو کسی مرد نے نہیں چھوا۔ بشارت کے

مطابق مولود پیدا ہوا۔ تو بشارت ہی کے موافق اُن کا نام عیسےٰ یسوع رکھا گیا۔ اُنہوں نے طفولیت مصر میں بسر کی۔ اور تیس سال کی عمر تک یہودیوں کی حالت پر غور کرنے کے بعد انہوں نے اپنی نبوت کی تبلیغ شروع کی۔ تبلیغ میں اتنے سرگرم تھے۔ کہ ایک رات سے زائد ایک مقام پر قیام نفرماتے تھے۔ اُنہوں نے فلسطین میں بنی اسرائیل کی ہر ایک بستی میں اپنی آواز کو پہنچایا تین سال کے بعد اُن کو رفع الی السماء حاصل ہوا۔ اس عرصہ میں اُنکو صرف بارہ شاگرد ملے۔ جن میں سے ایک غدار نکلا۔ کتاب الاعمال کے مصنف لوقا کا خیال ہے۔ کہ کل ۱۲۴ تعداد ایسے اشخاص کی ملجاتی ہے جو اُن کے معتقد تھے۔

آج تحریر مضمون ہذا کے وقت ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء سال عیسوی کی تاریخ ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ عیسوی ولادت مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن اب تفحص و تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ مسیح کی ولادت اس سنہ سے چار سال پیشتر تھی۔

حضرت عیسےٰ کے رفع و نزول کے علمی مباحث ہماری کتب "غائث المرام" و "تائید الاسلام" میں ملاحظہ طلب ہیں۔

الیاس علیہ السلام

حضرت ادریس کا دوسرا نام الیاس بھی ہے۔ مگر اس آیت میں اُن سے مراد نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں ذریت نوح کا ذکر ہے۔ اور ادریس علیہ السلام حضرت نوح کے آباء کرام میں سے ہیں۔

حضرت الیاس کا نسب نامہ یہ ہے۔ الیاس بن ستا بن فنحاص بن عیزار بن ہارون علیہ السلام لہٰذا اِن کا زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ۱۹ صدی پیشتر کا ہے۔ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ الیاس علیہ السلام ابھی زندہ ہیں۔ مگر انکی حیات کی بابت کوئی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ خیال محض بے بنیاد ہے۔

اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام

سیدنا ابراہیم خلیل الرحمٰن کے فرزند ہیں۔ سیدہ ہاجرہ خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے فلسطین انکا مولد۔ اور مکہ ان کا دار الہجرت۔ اور مصر انکا ننھیال ہے۔ حجاز و یمن۔ و حضرموت ان کا رقبہ تبلیغ تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں اپنے والد بزرگوار کے سہیم کار تھے۔ اللہ کے ذبیح۔ اللہ کے گھر کے

محافظ۔ ان کا زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریبًا ۲۴۰۰ سال پیشتر ہے۔ مصری۔ بابلی۔ فلاطینی عربی زبان کے ماہر کامل تھے۔ ان کی ایک شادی مصر میں اور ایک شادی عرب میں ہوئی۔

اولاد عرب شاہزادی سے ہوئی۔ بارہ بیٹے ہوئے۔ ہر ایک اپنے اپنے قبیلہ کا سردار اور جداگانہ علاقہ کا حکمران تھا۔ ان کی دختر کی شادی حضرت اسحٰق کے فرزند کلاں عیسو سے ہوئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سردار قیدار (فرزند دوم حضرت اسمٰعیل) کی نسل سے ہیں۔ جن کا نام بائبل میں بکثرت آتا ہے۔

حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق برکات الٰہی میں برابر ہیں۔ تاہم اسمٰعیل علیہ السلام کو چند فضائل حاصل ہیں۔

۱۔ یہ بیت الحرم کے بانی اور محافظ ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام کسی بیت الحرم کے بانی و محافظ نہ تھے۔

۲۔ یہ ذبیح اللہ ہیں گو مسلمانوں اور اہل کتاب میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے مگر آثار قدیمہ کی شہادت انہی کے حق میں ہے۔

۳۔ یہ وہ فرزند ہیں کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے عہد باندھا یہ اسی روز اس عہد میں شامل ہوئے۔ اسحٰق علیہ السلام ہنوز پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ لہٰذا عہد کے فرزند یہی ہیں (کتاب پیدائش ۱۷ باب)

۴۔ انکا رقبہ نبوت بہت وسیع تھا، اور انہوں نے اپنی تبلیغ کو عرب العرباء کے سب خاندانوں تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن حضرت اسحٰق کے رقبہ تبلیغ کے متعلق ہمکو ایسی معلومات اسرائیلی روایات یا اسلامی روایات میں کچھ نہیں ملتیں جو ملتی ہیں قیاسًا کہا جاسکتا ہے کہ ان کا رقبہ تبلیغ بہت محدود تھا۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

الیسع علیہ السلام

میں سمجھتا ہوں کہ الیسع سے مراد یسعیاہ ہونگے۔ جنکی کتاب مجموعہ بائبل میں موجود ہے اور بہت سی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ ان کا زمانہ شاہان یوعز و یوتام کے برابر ہے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ۱۳۳۰ سال پہلے ہوئے ہیں۔

یونس علیہ السلام

ان کا ذکر قرآن مجید کی سورہ صافات وانعام ونساء میں بھی ہے۔ اور ایک سورت بھی انکے نام سے نامزد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس نینوزی کے سامنے ان کو یونس بن متی فرما کر اپنا بھائی فرمایا تھا۔ انہی کو سورہ ن میں صاحب الحوت بھی فرمایا گیا ہے۔ انکا واقعہ بہت مشہور ہے

لوط علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سگے بھتیجے سفر ہجرت کے رفیق۔ مصر سے واپس آنیکے بعد یہ حضرت ابراہیم سے علیحدہ ہوکر آنزوے دریائے یارڈن پر رہتے تھے۔ اور وہی علاقہ اُنکی تبلیغ کیلئے تھا۔ ناپاک اور نافرمان قوم نے نبی اللہ کی تحقیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکی بستیوں کو اُلٹ دیا۔ اور اُن پر آسمان سے پتھراؤ کیا گیا۔

ہاں آیت بالا پر غور کرو۔

اصول نسب کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف خاص حاصل ہے کہ قیامت کے دن جملہ حسب نسب منقطع ہوجائینگے صرف حضور کا انتساب باقی رہے گا۔

اصول حکومت کی بُنیاد پر غور کرو۔ کہ حضور ہی نے عرب کو پنجہ اغیار سے چھڑایا۔ اور حضور ہی نے عرب کو فرمان فرمائی پر پہنچایا۔

آیت بالا میں حضور کو جملہ انبیاء کرام کی صفات عالیہ اپنے اندر جمع کرلینے کا حکم ہے۔ کیونکہ موافقت اخلاقی اسی طریق سے حاصل ہوسکتی ہے۔

گویا یہ فرمایا گیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حسب و نسب میں خود صاحب عمود عالم ہونا چاہیئے اور لوگوں کو نوح وابراہیم اور اسحٰق و یعقوب کی جانب انتساب سے مستغنی کردینا چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیئے کہ داؤد علیہ السلام کیطرح عرب کے قبائل متعددہ اور شعوب مختلفہ کو متحد بنا دیں تاکہ وہ سب ملکر قوم واحد۔ بلکہ شخص واحد کی شان پیدا کرلیں اور ھُمْ یَدٌ وَّاحِدٌ عَلٰی مَنْ سِوَاھُمْ کے مصداق بنجائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلیمان علیہ السلام کیطرح امن محکم۔ اور صلح استوار سے ملک کو سرسبز و شاداب بنا دینا چاہیئے۔ نیز عبادت الٰہی کیلئے ایک ایسا معبد تیار کردینا چاہیئے۔ جو تقدیس میں بیت

المقدس سے بڑھ کر۔ اور اعداء کی دست برد سے بالاتر ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر ایوبی کا وہ نمونہ دکھلانا چاہیئے کہ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللهِ کا توقیع خاص حضور کیلئے صادر ہو جائے۔

اور عفو یوسف کا نمونہ بعید ترین اعداء۔ اور سنگین ترین اشقیاء کو بھی ایسا دکھلانا چاہئے۔ کہ اُنکے کینہ و غل کا پورا پورا درمان بھی ہو جائے۔ اور آئندہ کیلئے اُن کے دل حضور کی محبت سے معمور اور ذوق اطاعت سے پر نور ہو جائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کیطرح براہین صادقہ اور آیات باہرہ سے فرعون سرشت لوگوں پر حجت الٰہی کا اتمام فرماتے۔ اور سحر کاران ماہرفن پر باب نجات کھول دیتے حضور کا کام تھا کہ ایک آتشین شریعت کی جگہ نور آگین شریعت سے اتمام نعمت فرما دیتے۔

حضور کی شان ہے کہ ہارون علیہ السلام کیطرح منبر کو اپنے خطابت سے اور محراب کو اپنی امامت سے سربلند فرمایا۔ بے جانوں میں جان ڈالدی۔ اور سوکھی ہوئی نخلونکو درد محبت کا شناسا بنا دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے کہ زکریا علیہ السلام کیطرح دنیا کو دعا کی طاقت سے باخبر فرمایا۔ اور مزید براں آداب دعا و اوقات دعا۔ والفاظ دعا۔ اور مراتب دعا سے اپنی امت کو حقیقت شناس بنا دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کہ جنگلی شہد۔ اور بیابانی ملخ پر گزران کرنیوالے یحییٰ علیہ السلام کی طرح خشک کھجوروں اور آب مقطر کو اپنی اور اپنے اہلبیت کی مستقل غذا قرار دیا۔ اہل و عیال والے نبی کے گھر میں بھی مہینوں تک چولھا روشن نہ ہوا۔

الیاس علیہ السلام خشک لبوں۔ اور بیابان نوردوں کو سیراب کرنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کہ سنگلاخ زمینوں پر معرفت کے چشمے بہا دیتے۔ اور ہر ایک تفسیدہ لب کے سامنے جام کوثر لیکر خود آگے بڑھتے۔

اسمٰعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی عمارت کو مکمل کیا۔ حضور نے کعبہ کو قبلہ بنا کر جن و انس و ملائک کا مرکز عبادت اور مسطر عبادت قرار دیا۔

یونس علیہ السلام تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین شبانہ روز غار

کے پیٹ میں سکون پذیر ہوتے۔

یونس علیہ السلام کی زبان پر استغفار تھا۔ اور حضور کی زبان معیت الٰہی کے عرفان سے گہر ریز تھی۔

لوط علیہ السلام کے مواعظ تحریم خبائث پر مشتمل تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بارہ میں سعی بلیغ اور کوشش کامل فرمائی۔ مقدمات زنا کو بھی حرام ٹھہرایا۔ اور اُن اسباب و ذرائع کو بھی جو فسق و زنا تک پہنچانے والے ہیں۔ داخل محرمات کیا۔ حتی کہ امت کے سامنے تقویٰ کا وہ بلند ترین مقام رکھ دیا۔ کہ ہر ایک بندۂ رحمٰن امام المتقین بننے تک اپنی ہمت و ارادہ اور عزم اور سعی کو ترقی دے سکے۔

ناظرین۔ جب دیکھیں گے کہ آیت زیر عنوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن جملہ صفات علیا کا جامع بتلا رہی ہے۔ تو اُنہیں بوثوق تام اعتراف کرنا پڑیگا۔ کہ یہ مقام جامع بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ

نوٹ

مصنف رحمہ اللہ نے خصائص النبی کے تحت مذکورہ بالا ۲۶ آیات کے علاوہ آیۂ کریمہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (۲) وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (۳) وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (۴) اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کا ذکر بھی کیا ہے مگر افسوس کہ ان ہر چہار آیات کی تفسیر ہمیں دستیاب نہیں ہوئی۔ نہ معلوم وہ اوراق مسودہ کتاب سے کہیں الگ رکھدیئے گئے یا گم ہو گئے۔ ہم کوشش کرینگے کہ مرحوم کے دیگر کاغذات میں کہیں مل جائیں اور آئندہ اڈیشن میں لگا دیئے جائیں۔

خادم سوہدروی۔

فصلِ سوم

خصوصیاتِ نبویہ از احادیثِ مصطفویہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَىٰ قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لئے حلال کر دیا گیا جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے (۵) پہلے نبی اپنی قوم کے لئے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لئے نبی ہو کر آیا ہوں۔

صحیح مسلم کی روایت میں جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث میں أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ ۱ پر اور خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ ۲ پر ہیں۔ ۲ میں نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ اور ۳ پر أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ ۴ پر جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا ۵ پر أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً ہیں۔

صحیحین کی ایک متفق علیہ روایت عن ابی ہریرہ میں جوامع الکلم اور نصرت بالرعب کے بعد خزائن الارض کی مفاتیح کا خواب میں حضور کے سامنے رکھا جانا بیان ہوا ہے۔

جملہ روایات پر اجماعی غور کرنے سے آٹھ امور حاصل ہو جاتے ہیں۔

(۱) نصرت بالرعب (۲) روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا (۳) حلت مغانم (۴) عطاء منصب شفاعت (۵) بعثت عامہ (۶) عطیہ جوامع الکلم (۷) ختم نبوت (۸) خزائن ارض کی کلید ہا کا حضور کے سامنے خواب میں رکھا جانا۔

لہذا ہر ایک کے متعلق مختصراً گزارش کیا جائیگا۔

اوّل۔ نصرت بالرعب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ عہد نبوّت پر نظر غائر ڈالو۔ سرور عالم تبلیغ و دعوت کیلئے شہر مکّہ کے اندر اور آبادیٔ مکّہ سے باہر یکہ و تنہا رات ہو یا دن تن تنہا تشریف لیجایا کرتے تھے مگر کسی شخص کو حضور پر جاں ستاں حملہ کرنیکا حوصلہ نہیں ہوا۔

منڈیوں اور میلوں میں جہاں ہزارہا اشخاص اور پچاسوں مختلف قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا حضور جاتے۔ اور کلمہ توحید کا اعلان فرماتے۔ دیوتا۔ دیوی کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی حضور پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا۔

مکہ سے دور و دراز قبائل میں جو خشونت اخلاق اور خونریزی و بے باکی میں بہت زیادہ مشہور تھے۔ حضور نے تبلیغ کے لئے متعدد چکر لگائے۔ اس سفر میں ابوبکر صدیق کے سوا اور کوئی بھی حضور کا ہمرکاب نہ ہوتا تھا۔ ابوبکر سے بھی ان قبائل کو کچھ تعارف نہ تھا۔ حضور ہر جگہ دعوت فرماتے۔ ہر ایک پر حجّت الٰہیہ ختم کرتے۔ اور کوئی بھی حضور کے سامنے برسر پیکار نہ آتا۔

آغاز سفر ہجرت سے تین روز پہلے ایک ایک قبیلہ کا بہادر دشمنوں نے جمع کر لیا تھا۔ اُنہوں نے حضور کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا لیکن ہر ایک کے دل پر کتنا رُعب تھا۔ کہ تختے توڑ کر اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ ساری رات اس انتظار میں پوری کر دی کہ حضور خود ہی باہر تشریف لائیں۔ تو یہ حملہ کریں۔ جب حضور تن تنہا باہر بھی نکلے تو شَاهَتِ الْوُجُوْهُ اَلَا يُبْصِرُوْنَ کے کلام سے اُن کو غصّہ بھی دلایا۔ اور مٹھی بھر خاک اُٹھا کر اُن کے سروں پر بھی پھینک دی۔ بایں ہمہ کسی نے سر نہ اُٹھایا۔ اور حضور کے چہرہ تاباں کی طرف کوئی نظر اُٹھا کر بھی

نہ دیکھ سکا۔

طائف کا حکمران اور تمام باشندے حضور کے خلاف ہیں مگر اُن کی سنگ باری اور شرارت صرف اُسی حد تک محدود ہے۔ کہ حضور کی تقریر نہ ہو سکے۔ آخر وہی اہل طائف ہیں اور وہی اُن کا حکمران ابن عبد یالیل۔ کہ خود مدینہ منورہ میں حاضر ہوتے۔ اور داخل اسلام ہو جاتے ہیں۔

نصرت بالرعب کی مثالیں اُس زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حالات سے بھی ہویدا ہیں یمن سلطنت ایران کے قبضہ سے نکل جاتا ہے اور کسی جنگ کے بغیر مطیع اسلام ہو جاتا ہے مگر سلطنت ایران یمن کی طرف منہ بھی نہیں کرتی اس لئے کہ حضور کا رعب اُن کے دل و دماغ پر مستولی تھا۔

شمالی عرب سلطنت روما کے اقتدار سے نکل جاتا ہے۔ اور روما کا شہنشاہ فراہمی افواج اور حملہ آوری کا حکم بھی جاری کر دیتا ہے۔ اور اُسی کی مدافعت کیلئے حضور عرب کی سرحد تبوک تک تشریف بھی لیجاتے ہیں مگر ایک مہینہ کی راہ پر (یروشلم میں) بیٹھے ہوئے ایمپرر کا دل خوف سے بھر جاتا ہے۔ اور سابقہ احکام جنگ کو منسوخ کر کے دم بخود ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

عرب کی قدیم ترین سلطنتیں حیرہ و غسان قائم ہیں۔ انہی کے دربار کے شعراء خاص حسان بن ثابت اور کعب رضی الانصاری تاجپوش بادشاہوں کو چھوڑ کر بوریانشین رسول کے آستان پر حاضر ہو گئے ہیں۔ مگر ان سلطنتوں میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں پڑتا۔ کہ اپنے شعراء خاص کو واپس لینے کیلئے ہی اظہار طاقت کریں۔ اور دربار عالی کے خدام تک کوئی دھمکی سے ملا ہوا فقرہ بھی پہنچا سکیں۔

ذی ظلیم۔ ذی یزن کی حکومتیں یمن کی جانب اور مکہ سے متصل قائم ہیں۔ انمیں سے ہر ایک حکومت کے پاس باقاعدہ فوج بھی موجود ہے۔ اور خزانے بھی معمور ہیں وہ گھر بیٹھے حضور کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔ عدوان و سرکشی کا خیال تک بھی اُنکے دماغ میں نہیں آتا۔

ذوالکلاع حمیری اپنے گھر میں بیٹھا ہوا پندرہ ہزار غلاموں سے سجدہ کراتا۔ اور خدا کہلاتا ہے۔ لیکن ایسے رسول سے وہ بھی دل ہی دل میں ڈر رہا ہے۔ جس نے کئی ایسے عادی فرعونیت کو غرقاب کر دیا ہے۔ اس عبدہ و رسولہ کہلانے والے کا رعب مسجود و معبود بننے والے کو مغلوب کئے ہوئے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت خاص نزدیک و دور ہر جگہ جلوہ گستر تھی۔ امیر المومنین علی

مرتضیٰ کا فقرہ ہے۔ مَنْ رَآهُ بَدِيهَةً هَابَهُ جو کوئی حضور کے سامنے یکایک آجاتا۔ وہ دہشت زدہ ہو جاتا۔

یہ وہ نصرت الہیہ تھی۔ جو رُعب بنکر حضور کی ہمت و عظمت کو دوبالا کر رہی تھی۔ وَصَلَّى اللهُ عَلَىٰ حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

دوم۔ روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا۔

یہود اپنے کنیسہ اور عیسائی اپنے کلیسا کے بغیر نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ مجوسی بھی پاک آگ کے آتشکدہ کے بغیر سرگرم عبادت ہوا کرتے تھے۔ ہنود کا یہی حال مندروں کے متعلق تھا۔ مسلمانوں کی نماز نہ محراب عبادت کی محتاج ہے۔ اور نہ کسی بنی لاوی کی قبول توبہ کے لئے اُن کو حاجت ہے۔ اُنکا گرا ہوا دل۔ اور روشن آنکھیں آگ کی حرارت اور ضیا سے بے نیاز ہیں اس لئے روئے زمین کا ہر ایک بقعہ۔ اور ہر ایک قطعہ اُن کی سجدہ ریزی کے لئے موزون ہے اُن پر يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ کھڑے۔ بیٹھے اور لیٹے لیٹے ذکر کی حالت طاری ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو حضور کی مسجد بنا دیا۔ ؎

زنہار کہ بیرون روم از سجدہ گہ خویش — آنجا کہ خدا ہست مرا سجدہ روا ہست

یہ شرف اُنہی حقائق شناس کو ملا جنکی نگاہ میں کائنات کا پتہ پتہ توحید کے ترنم میں ہے جسکے سامنے ریگستان کا ذرہ ذرہ انوار قدسی کا آئینہ دار ہے۔ جسے ہر شئے مظہر جمال لم یزلی اور مرآۃ جلال قدسی نظر آتی ہے۔ جسکے کانوں میں پتھروں کی تسبیح اور سبزہ کی تحمید ہر وقت گونج رہی ہے۔ جسے آسمان و زمین کی فضا نعرہ تکبیر و زمزمہ تہلیل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اُسی کے لئے تمام روئے زمین مسجد بھی بنا دی گئی۔

طہور سے مراد وضو ہے۔ اطراف بدن کا ہدایت شرعی کے مطابق پانی سے دھونا وضو کہلاتا ہے۔ وضو نماز کیلئے شرط ہے۔ مگر نماز کا ترک کسی حالت میں روا نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جا سکتا تھا۔ کہ شرط کے نہ ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو جانا چاہیئے اور جہاں وضو کے لئے پانی میسر نہ ہو۔ وہاں نماز بھی معاف ہو جانی چاہیئے۔

لیکن کیا نماز اُن لوگوں پر معاف ہو جاتی ہوگی جن کے پتے پتے سے وحدہ لاشریک سننے والے۔ اور درخت کے پتے پتے کو دفتر معرفت جاننے والے ہیں؟

ضرور تھا کہ انسان حصول طہارت کیلئے کوئی دوسری تدبیر اختیار کرتا۔ انسان مٹی ہی سے بنا ہے۔ مٹی ہی اسکی اصل ہے۔ اور مٹی ہی اُس نے بنجانا ہے۔ مٹی ہی مخلوقات کا گہوارہ ہے اور مٹی ہی سے کائنات ارضی اپنی خوراک حاصل کرتی ہے اسلئے اُس مٹی ہی کو طہور بھی بنا دیا گیا

ہندوؤں میں سندھیا کیلئے ہون ضروری ہے۔ اور ہون کیلئے ۳۶ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اُس میں سے ایک گھی بھی ہے۔ گھی کے سولہ چمچے آگ میں ڈالنے ضروری ہیں ہر ایک چمچہ ۱۰ ماشہ کا ضرور ہو (ستیارتھ پرکاش)

سندھیا کے لئے ہون کی شرط نے۔ اور ہون کیلئے ۳۶ چیزوں کی موجودگی کی شرط نے ہندو قوم کے افراد کو سندھیا سے محروم کر دیا ہے۔

مٹی کہاں نہیں ملسکتی؟ جہاں پانی نہ ہوگا۔ وہاں پر مٹی تو ضرور ملجائیگی۔ خاک آلودہ ہاتھوں کا چہرہ پر پھیر لینا اُس عجز و فقر کو ہی ظاہر کرتا ہے جس نے طہور تراب پر ایماندار کو مجبور کیا۔

الغرض یہ خصوصیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہے کہ حضور نے تراب روئے زمین کو ہمارے لئے طہور بنا دیا۔ اور حضوری بارگاہ ربانی سے کسی حالت میں بھی دور و مہجور نہ ہونے دیا۔

(۳) حِلّتِ مغانم

حضرت موسیٰ و حضرت یوشع بن نون کی فتوحات میں جس قدر مغانم حاصل ہوتے تھے۔ انکو نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔ تورات میں جانوروں تک کو جلا دینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سب سے پہلے غزوہ بدر میں غنیمت حاصل ہوئی۔ مال غنیمت جمع بھی ہوا۔ اور تقسیم بھی کیا گیا۔ لیکن پھر بھی لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے۔ جو شریعت موسوی کی تطہیر پر مال غنیمت کا لینا خطرناک امر سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہی کے اطمینان کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ[1] اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے کتاب میں ایسا نہ ہوتا

[1] یہ اشارہ سورہ نساء کی آیت فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ کی طرف ہے۔ ۱۲ منہ

لَمَسَّكُمْ فِي مَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (انفال ع ۹)	تب جو کچھ تمنے وصول کیا ہے اسکے لئے تمپر بڑا عذاب ہوتا اب تو غنیمت کو حلال طیب سمجھو اور کھاؤ۔

دوسری جگہ ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا (سورہ فتح ۶)	اللہ نے تم سے مغانم کثیرہ کا وعدہ کیا جن کو تم حاصل کروگے۔ لہذا یہ تو تمکو جلد ہی دیدی (خیبر) اور دشمنوں کے ہاتھوں کو تمسے روک دیا ہے۔ تاکہ مومنین کیلئے یہ ایک نشان ہو۔ اور تمکو اللہ صراط مستقیم پر چلائیگا اور بھی مغانم بہت ہیں تمکو اُن پر قدرت نہیں مگر اللہ نے اُن پر احاطہ کر رکھا ہے اور

اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے۔

یہ مغانم کثیرہ ہی ہیں جو سلطنت ہائے ایران اور روما پر فتوحات حاصل کرنے میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ چونکہ یہ وعدہ مومنین کو مخاطب فرماکر کیا گیا تھا۔ اس لئے اِس وعدہ کا ایفاء بھی خلافت راشدہ کے وقت میں ہوا۔ جبکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عالم بقا کو سدھار گئے تھے۔

واضح ہو کہ یہ ایک وعدہ نہ تھا۔ بلکہ مومنین سے تین وعدے کئے گئے تھے۔ دوسرا وعدہ یہ تھا۔ کہ دشمن کے ہاتھ تم سے کوتاہ رہیں گے۔ اس وعدہ کے مطابق خلافت راشدہ کیوقت میں کوئی دشمن اسلامی فوجوں پر غالب نہیں آسکا تھا۔

تیسرا وعدہ ہدایت صراط مستقیم کا تھا۔ اور وہ بھی اپنی ظاہری و باطنی برکات کے ساتھ اسی طرح پورا ہوا۔ جسطرح پہلے دو وعدے۔ اس آیت سے مجاہدین عہد خلافت راشدہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

(۴) عطائے منصب شفاعت

شفاعت شفع سے ہے۔ شفع کے معنے ہیں۔ ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ جو اسی کی جنس سے ہو شامل کر دینا۔ اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کا کسی ادنے کے ساتھ ملکر کوئی کام سرانجام

دینے کے معنے میں اسکا استعمال ہوتا ہے۔

(۲) مسئلہ شفاعت کفار عرب میں بھی مسلّم تھا۔ اور یہود و عیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ کفار اور عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفیع اپنی عزت و وقار اور ذاتی اقتدار و اختیار سے جسے چاہے اُسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ شفیع اُن سب کو جو اُسی کے ہو کر رہیں۔ نعمائے اُخروی و دنیوی عطا فرما سکتا ہے۔ ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اُسکی قدرت کا انکار نہ تھا۔ لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ الٰہی اقتدار اُن اشخاص کو بھی حاصل ہے۔ جو اُنکے شفیع ہیں۔ لہذا شفیع کی عبادت کرنا۔ اللہ کی عبادت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ شفیع کی رضامندی اللہ کی رضامندی سے مقدم تر ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضبناک بھی ہو۔ اور اُسکا شفیع زبردست ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا لیگا۔ لیکن اگر شفیع غضبناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُس شفیع کو بندہ پر مہربان نہ کر سکے گا۔ اسی عقیدہ کو کسی پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے ؎

ہر روٹھے تب ٹھوڑ ہے گُور روٹھے نہیں ٹھوڑ   ہر روٹھے گور میل سی۔ گور روٹھے ہر ناہ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ خدا اگر روٹھ جائیگا۔ تب مرشد ملا دیگا۔ لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ (یونس)	یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں۔ جو نہ اُنکا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ فائدہ کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرنیوالے

ہیں اللہ کے پاس۔

انہی لوگوں کے حق میں دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى	جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اُنکی عبادت صرف

اللّٰہِ زُلْفٰی (زمر ع ۱) اسلئے کرتے ہیں کہ یہ ہمکو اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں لے جائیں گے۔

عیسائی حضرت مسیح کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور پھر اُسی کو خدا، نہ (مثل خدا) کہتے۔ اُسیکو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے۔ اُسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اُسکے دھنے ہاتھ جا بیٹھا ہے۔ جو کوئی اُسے پکارتا۔ اُسی سے مدد مانگتا۔ اُسے اپنا کارساز جانتا ہے اُسکو مسیح خود ہی اپنے باپ خدا سے بچا لیتا۔ اور بخشوا لیتا ہے۔

قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا ابطال فرمایا۔ اور اسکے رد و بطلان کے لئے مختلف اسلوب کے ساتھ کلام الٰہی نازل ہوا۔ اور پھر شفاعت کبری کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر رکھا۔

الف مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (آیت الکرسی)	کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اُسکے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے۔

فرمایا۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ	اُسدن سب فرشتے اور جبرئیل صف باندھے کھڑے ہونگے۔ کوئی نہ بولیگا۔ مگر وہی ایک جو اذن لیگا۔

اصول اولین سے ثابت ہوا۔ کہ اذن الٰہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے۔

ب وَقَالَ صَوَابًا (عم) اور وہ شفیع ٹھیک بات کہے گا۔

یہ اصول دوئم ہے۔ کہ شفیع نہایت صادق۔ راست باز۔ پوری پوری بات کہنے والا ہوگا آیت مَنْ اَذِنَ لَہٗ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے۔ اور یہ ایمان قرآن وحدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ علیہ وسلم ہیں۔

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا	تیرا رب تجھے مقام محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔

مقام محمود وہی مقام شفاعت ہے۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر ایستادہ ہونگے تو جملہ اولین وآخرین حضور کی حمد کریںگے (تفسیر خازن) اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے

جسے امام بخاری و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انس رضی اللہ عنہ درج فرمایا ہے۔ کہ

"جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کریگا۔ تب انکے دل میں یہ بات ڈالی جائیگی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کیلئے پیش کریں (تو خوب ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ہمکو اس جگہ سے نجات دے۔ تب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئینگے اور کہیں گے کہ آدم ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر جنت میں ٹھہرایا۔ پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی۔ لہذا آپ آج ہماری شفاعت کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمکو یہاں سے نجات (راحت) دے۔ وہ کہینگے نہیں۔ میں ہٹکیں تھا پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کرینگے۔ اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کرکے کہینگے کہ تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں تب لوگ نوحؑ کے پاس جائینگے۔ نوحؑ کہینگے نہیں میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کرینگے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرینگے۔ اور فرمائینگے تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ کہینگے نہیں میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کو یاد کرینگے۔ اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کرینگے کہینگے موسیٰ کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کی۔ اور انہیں توراۃ بھی دی۔ وہ کہینگے نہیں میں نہیں۔ وہ اپنی خطا کا ذکر کرینگے۔ اور حیا کا۔ پھر کہینگے کہ عیسیٰ روح اللہ کے پاس جاؤ۔ لوگ عیسیٰ روح اللہ و کلمۃ اللہ کے پاس آئینگے۔ وہ کہینگے میں نہیں۔ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کردیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تب۔ لوگ میرے پاس آئینگے۔ تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا۔ مجھے اذن دیا جائیگا۔ پھر جب میں اپنے رب کو دیکھونگا۔ تو سجدہ میں گر پڑونگا پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھلائیگا۔ جو کچھ وہ چاہیگا وہی میری زبان سے کہلائیگا۔

تب اللہ تعالیٰ فرمائیگا یا محمد اِرْفَعْ رَأْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ۔ سَلْ تُعْطَهْ۔ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ اے محمد اپنا سر اٹھاؤ۔ بولو۔ تمہاری سنی جائیگی۔ مانگو تمکو دیا جائیگا۔ شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤنگا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرونگا وہ تحمید

مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دیگا۔ پھر میں شفاعت کرونگا۔ پھر میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائیگی۔ میں اُتنے لوگوں کو آگ سے نکالونگا اور جنت میں داخل کر دونگا۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دونگا۔ کہ اے رب اب تو آگ میں وہی رہگیا ہے جسے قرآن نے روک رکھا ہے یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ آیت عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا پڑھی اور فرمایا۔ کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی سے کیا ہے۔ وہ یہی مقام ہے"

حدیث بالا سے ثابت ہوا۔ کہ منصب شفاعت بالتخصیص نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا ہوا ہے۔ آدم و نوح۔ ابراہیم و موسیٰ و عیسےٰ علیہم السلام بھی شفاعت کی جرأت نہ کرینگے۔ اور بالآخر سب کے نزدیک حضور ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہونگے۔

لوگوں کا حضور سے پہلے دیگر انبیاء اولوالعزم کی خدمت میں جانے سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ باقی نہ رہے۔ کہ اگر ہم سرور عالم کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا۔ کہ وہ بھی شفاعت کر ہی دیتے۔ اب جب ہر جگہ سے جواب صاف ملجاویگا۔ تو سب کو یقین معلوم ہو جائے گا۔ کہ منصب شفاعت میں کوئی نبی۔ کوئی مرسل۔ کوئی اولوالعزم بھی حضور کا سہیم و شریک نہیں۔ اور یہی امر حضور کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

(۵) بعثت عامہ

اسکے متعلق قبل ازیں خصوصیت وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ کی تحت میں لکھا جا چکا ہے۔ ناظرین اسی کتاب میں اُسے ملاحظہ فرمالیں۔

(۶) جوامع الکلم کا عطیہ

بعض اہل قلم نے "جوامع الکلم سے قرآن مجید کو سمجھا ہے۔ کون ہے۔ جو قرآن مجید کے جامعہ ہونے سے انکار کر سکے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اس جگہ وہ کلام قدسی نظام مراد ہے۔ جسے حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص اُن الفاظ پاک پر غور کریگا۔ جو حضور پر نور کے دل و زبان سے گوش عالمیان تک

پہنچے۔ اُسے یقین ہوجائیگا کہ بیشک یہ کلام "کلام نبوت" ہے۔ مختصر۔ سادہ۔ صاف پُر صدق معانی کا خزینہ۔ ہدایت کا گنجینہ۔

اسی کتاب کے متعدد مقامات پر احادیث پاک کا اندراج کیا گیا ہے۔ ناظرین کو تدبر اور تفکر کے بعد کلام نبوی کی جامعیت کا حال کُھل جائیگا۔ اور بخوبی سمجھ میں آجائیگا کہ یہ کلام صدق نظام صرف مطلع نبوت ہی سے جلوہ گر ہوسکتا ہے۔ تیمناً و تبرکاً ایک حدیث درج کی جاتی ہے۔

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ
وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا۔ وَلَا تَنَافَسُوا
وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا
وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا كَمَا أَمَرَ
كُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ
لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ
بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ
الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ
مَالُهُ وَدَمُهُ وَعِرْضُهُ۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ
إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَجْسَادِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ
إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا
اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا (وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ)
أَلَا لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ وَكُونُوا
عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ
يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ (أخرجه
الستة إلا النسائي وهذا لفظ مسلم) عَنْ
أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

خبردار۔ بدگمانی کو عادت نہ بنانا۔ بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے (۲) لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا (۳) اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا (۴) بڑھنے کیلئے مت جھگڑنا (۵) باہمی حسد نہ کرنا (۶) باہمی بغض نہ رکھنا (۷) کسی کی پس پشت بُرائی نہ کرنا (۸) اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تمکو اللہ کا حکم ہے (۹) مسلم مسلم کا بھائی ہے۔ بھائی پر نہ کوئی ظلم کرے (۱۰) نہ اُسے رسوا کرے۔ نہ حقیر جانے (۱۱) انسان کیلئے یہی بُرائی بہت زیادہ ہے۔ کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھا کرے۔ (۱۲) مسلم کا مال۔ خون۔ عزت دوسرے مسلم پر بالکل حرام ہے (۱۳) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں۔ اور جسموں کو نہیں دیکھتا۔ وہ تو تمہارے دلوں۔ اور عملوں کو دیکھتا ہے (۱۴) دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ تقویٰ یہاں ہے۔ تقویٰ یہاں ہے۔ (۱۵) خبردار۔ ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔ (۱۶) اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو۔

(۱۷) مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے (نسائی کے سوا صحاح ستہ میں ہے)

خصوصیت معراج

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ

معراج نبوی کا ذکر اس کتاب کی جلد اول میں بھی کیا جا چکا ہے۔ اور جلد دوم میں بھی۔ ہر دو مقامات پر یہ واقعہ الگ الگ اسلوب سے بیان ہوا ہے۔

اب اس مضمون "خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں بھی اس عنوان کا شامل ہونا ضروری تھا۔ الحمد للہ کہ اس جگہ تیسرے طرز بدیع میں اسکا ذکر کیا جاتا ہے۔

ناظرین یاد رکھیں کہ معراج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن خصوصیات میں سے ہے جس میں اور کوئی نبی و رسول حضور کا سہیم نہیں۔

لفظ معراج کا مادہ "عروج" ہے۔ چونکہ احادیث میں الفاظ عُرِجَ بِیْ استعمال فرمائے گئے تھے لہذا اس واقعہ مبارکہ کے لئے لفظ "معراج" خاص ہو گیا۔

لفظ معراج کے معنے زینہ بھی ہیں۔ چونکہ عروج و ارتقا منزل بمنزل ہوا تھا۔ لہذا واقعہ باطنی کیلئے یہ تشبیہ ظاہری بھی خوب ہے۔

تعدد معراج

علماء میں سے بعض تعدد معراج کے قائل ہوئے ہیں۔ اور لفظ "اسراء" و لفظ معراج کے معانی کا فرق بتلایا ہے۔ اور اسی لئے اُنہوں نے ان واقعات کیلئے مختلف سالوں اور مہینوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر حافظ ابن کثیرؒ نے جو بڑے محقق ہیں اپنی تفسیر میں لکھدیا ہے کہ تعدد معراج کا قول بے سند ہے۔ اور احادیث صحیحہ کے مفہوم سے بھی مخالف ہے۔

تعیین زمانہ

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین خدیجہ کی وفات تین سال قبل از ہجرت تھی۔ دوسری روایت ہے کہ طاہرہ خدیجہ کی وفات فرضیت نماز پنجگانہ سے پیشتر تھی (بخاری عن عائشہ) نتیجہ یہ ہوا کہ واقعہ معراج بعد از وفات سیدہ خدیجہ تھا۔ اور اس واقعہ

کو ہجرت سے تین سال زیادہ کا تاخر نہیں دے سکتے۔

ذکر ہجرت کا آغاز عقبہ کی اُس اولین ملاقات سے جس میں انصار کے صرف چھ اشخاص حضور سے ملے تھے، شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا واقعہ معراج کو ہجرت سے قریب ترین تعلق ہے۔ امام ابن عبد البرؒ نے واقعہ معراج کو دیباچہ الاستیعاب میں ۵۲ء ولادت نبوی کا بتلایا ہے۔ نیز اُنہوں نے لکھا ہے کہ اسکی تفصیلی بحث اُنہوں نے کتاب "التمہید" میں کی ہے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ امام ابن عبد البرؒ اور امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری اور امام نووی (تبعاً للرافعی) نے معراج کے لئے ماہ رجب کا تعین کیا ہے۔

حافظ عبد الغنی بن عبد الواحد بن علی بن سرور المقدسی (مات ۲۳ ربیع الآخر سنہ ۶۰۰ھ) نے ستائیسویں رجب کو جملہ اقوال پر ترجیح دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہمیشہ سے عملاً اسی تاریخ پر اتفاق کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا اقوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ معراج ستائیسویں رجب ۵۲ء ولادت نبوی کو ہوا۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے متعلق ۲۳ سالہ جنتری خود تیار کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ماہ رجب ۵۲ء کا پہلا دن جمعہ تھا۔ لہٰذا ستائیسویں رجب کی شب کے بعد طالع ہونے والا دن چہارشنبہ تھا۔ اور اسلامی طریق سے شب معراج بھی شب چہارشنبہ تھی۔

راویان احادیث معراج مع حوالہ کتب احادیث

ذیل میں دکھلایا جاتا ہے کہ احادیث معراج کن کن صحابہ کرام سے کن کن دواوین حدیث میں مروی ہیں۔

(۱) حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ

الف۔ صحیح بخاری و ابن جریر بطریق شریک بن عبد اللہ عن انسؓ۔

ب۔ صحیح مسلم بطریق ثابت عن انسؓ

ج۔ نسائی و ابن ماجہ بطریق یزید بن مالک عن انسؓ۔

د۔ ابن ابی حاتم بطریق دیگر از یزید بن مالک

ہ۔ ابن جریر و ابن مردویہ بطریق عبد الرحمٰن بن ہاشم عن انسؓ۔

و۔ احمد، ترمذی و بیہقی و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن مردویہ و ابو نعیم } بطریق قتادہ عن انسؓ

ز ابو داؤد و احمد — بطریق عبدالرحمن بن جبیر عن انس رض۔

ح ابن مردویہ — بطریق قتادہ و سلیمان التیمی و علی بن زید عن انس رض

ط ابن سعد سعید بن منصور بزار۔ بیہقی۔ ابن عساکر — عن ابی عمران الجونی عن انس رض۔

(۲) حدیث جابر بن عبداللہ صحابی بن صحابی رض

الف صحیح بخاری و صحیح مسلم — عن جابر۔

(۳) حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما

الف صحیحین — من طریق قتادہ عن ابی العالیہ عن ابن عباس رض

ب صحیح مسلم — ایضاً عن ابن عباس رض

ج۔ احمد۔ ابونعیم ابن مردویہ بسند صحیح — من طریق قابوس عن ابیہ عن ابن عباس رض

د۔ احمد۔ ابویعلی۔ ابونعیم ابن مردویہ — من طریق عکرمہ عن ابن عباس رض۔

ہ۔ احمد۔ نسائی۔ بزار طبرانی۔ بیہقی۔ ابن مردویہ۔ — من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس رض۔

و ابن مردویہ۔ — من طریق شہر بن حوشب عن ابن عباس رض۔

(۴) حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

الف صحیح بخاری — من طریق علقمہ عن ابن مسعود رض

ب صحیح مسلم — من طریق مرۃ الہمدانی عن ابن مسعود رض۔

ج۔ صحیح مسلم و بیہقی و ابونعیم — من طریق زر عن ابن مسعود رض۔

د احمد۔ ابن ماجہ۔ سعید بن منصور۔ و حاکم صححہ — من طریق موثر بن غفار عن ابن مسعود رض۔

ہ۔ ترمذی، وحسنہ۔ ابن مردویہ — من طریق عبدالرحمن عن ابن مسعود

و۔ بزار۔ ابویعلی۔ حارث بن ابی اسامہ۔ طبرانی۔ ابونعیم ابن عساکر — من طریق علقمہ عن ابن مسعود رض

(۵) حدیث مالک بن صعصعہ[1] رضی اللہ عنہ

الف صحیح بخاری و مسلم۔ احمد ابن جریر۔ — من طریق قتادہ عن انس ان مالک حدثہ۔

(۶) حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ

الف صحیحین — من طریق الزہری عن انس قال کان ابوذر یحدث

ب مسلم — بسندہ عن ابی ذر

(۷) حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

الف صحیح مسلم و احمد و ابن مردویہ — من طریق ابی سلمہ

ب احمد۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ — من طریق ابی الصلت۔

---

[1] نہایت قلیل الروایت ہیں یہی ایک حدیث ان سے بطریق صحیح محفوظ ہے جو نہایت اتقان سے مروی ہے ۱۲ منہ

ج ابن جریر۔ ابن ابی حاتم | من طریق ابی العالیۃ عن
ابن مردویہ۔ بزار۔ ابو یعلیٰ | ابی ہریرۃ رضؓ
بیہقی۔

د۔ ابن مردویہ من طریق سلیمان التیمی۔

ھ سعید بن منصور۔ ابن سعد | عن ابی وہب مولیٰ ابی
طبرانی (اوسط) ابن مردویہ | ہریرۃ رضؓ

(۸) حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

الف احمد۔ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی
حاکم، وصححاہ ونسائی و | عن حذیفہ رضؓ
ابن جریر و ابن مردویہ
و بیہقی۔

(۹) حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

الف ابن مردویہ عن سمرۃ رضؓ

(۱۰) حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

الف ابن عساکر عن سہل بن سعد رضؓ۔

(۱۱) حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

الف ابن ابی حاتم۔ بیہقی وصححہ | عن شداد رضؓ
بزار۔ طبرانی۔ ابن مردویہ

(۱۲) حدیث صہیب رضی اللہ عنہ

الف طبرانی۔ ابن مردویہ عن صہیب بن سنان رضؓ

(۱۳) حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما

الف ابو داؤد۔ طبرانی (اوسط) | عن ابن عمر رضؓ
بیہقی۔

(۱۴) حدیث ابن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ

الف ابن مردویہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ
عن جدہ۔

(۱۵) حدیث عبداللہ بن اسعد بن زرارہ صحابی بن صحابی

الف بزار۔ ابن قانع۔ ابن عدی عن عبداللہ بن اسعد رضؓ
بغوی ابن عساکر

(۱۶) حدیث ابو ایوب رضی اللہ عنہ

الف ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ عن ابی ایوب رضؓ۔

(۱۷) حدیث ابی حیّہ رضی اللہ عنہ

الف طبرانی۔ ابن قانع۔ ابن
مردویہ۔

(۱۸) حدیث ابی الحمراء رضی اللہ عنہ

الف طبرانی۔ ابن قانع۔ ابن مردویہ

(۱۹) حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

الف ابن جریر۔ ابن المنذر
ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ | من طریق ابی ہارون العبدی
بیہقی۔ ابن عساکر۔

ب ابن مردویہ من طریق ابی نضرۃ عن ابی
سعید۔

ج ابن مردویہ من وجہ آخر عن ابی نضرۃ

د ، ، ، ، من طریق علقمہ عن ابی سعید

(۲۰) حدیث ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ

الف طبرانی (اوسط) ابن مردویہ من طریق محمد بن عبدالرحمٰن

(۲۱) حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

الف ابن مردویہ۔ حاکم وصححہ من طریق زہری عن عروۃ رضہ بیہقی۔

(۲۲) حدیث اسماء بنت الصدیق رضی اللہ عنہا

الف ابن مردویہ من طریق یحییٰ بن عباد

(۲۳) حدیث ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا

الف ابن اسحٰق۔ ابن جریر عن الکلبی عن ابی صالح عن ام ہانی۔

(۲۴) حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ

الف احمد عن عبید بن آدم عن امیر المومنین عمر رضہ

ب ابن مردویہ من طریق سعید بن عبدالرحمٰن

(۲۵) حدیث ابی سفیان اموی

الف ابونعیم عن محمد بن کعب القرظی عن ابی سفیان بطریق ایلیا۔ (موقوف)

(۲۶) حدیث امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ

الف طبرانی من طریق الحسین عن ابیہ

ب ابونعیم من طریق محمد بن الحنفیہ رضہ

ج ابن مردویہ من طریق زید بن علی عن آبائہ عن علی رضہ

(۲۷) حدیث عبدالرحمٰن بن قرط الثمالی رضہ

الف سعید بن منصور۔ طبرانی ابن مردویہ۔ ابونعیم (فی المعرفہ) } عن عبدالرحمٰن بن قرط

(۲۸) حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ

الف ترمذی۔ حاکم وصححہ وابونعیم۔ ابن مردویہ بزار } عن بریدہ رضی اللہ عنہ

صحابہ رضوان اللہ علیہم جس قدر راویان حدیث ہیں ان میں مکی مہاجر بھی ہیں اور مدنی انصار بھی۔ واقعہ معراج مکہ معظمہ میں ہوا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے کہ انصار اصحاب نے بعد میں جو کچھ بیان کیا وہ مہاجرین سے سنا ہوا تھا۔

اوّل۔ تو راوی صحابہ کی خود صراحت کہ انہوں نے حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ اس بارے میں کافی دلیل ہے۔

دوم۔ یہ قدرتی امر ہے کہ جب انصار کبار نے معراج کے متعلق اپنے مہاجر بھائیوں سے کچھ سنا تو ان کے شوق و ذوق کا تقاضا یہی ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وہ خود سرور عالم کی زبان سے سننے کی درخواست کرتے۔ جیسا کہ محدثین میں ہمیشہ علو اسناد کے حاصل کرنے کا شوق پایا گیا ہے

یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ بعض روایات میں صراحتہً اس کی بابت الفاظ موجود ہیں حدیث مثلاً اوس بن اوس رضی اللہ عنہ میں ہے۔

قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ اُسْرِیَ بِکَ لفظ قُلْنَا پر غور کرنا چاہیئے کہ یہ درخواست ایک مجمع صحابہ کی طرف سے تھی۔

صحیحین کی روایت مالک بن صعصعہ میں ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدَّثَھُمْ (خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حدیث بیان فرمائی)

لہذا معراج کی احادیث مرفوعہ خواہ ان کے راوی مہاجرین ہیں یا انصار سب کی سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی ہیں۔

بعض صحابہ مثلاً ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم ایسے بھی ہیں جنہوں نے نبی صلعم سے روایت براہ راست بھی کی ہے۔ اور بالواسطہ کسی دوسرے صحابی سے بھی۔ ان کی طرف سے ہر دو گونہ روایات ہیں۔ اس تمیز کا قائم رکھنا بھی ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے مرسل کو مرفوع کہنے کی جرأت کبھی نہیں کی۔

یہ امر اور بھی موجب اطمینان ہے کہ صحیحین کی احادیث واقعہ معراج کے متعلق زیادہ مکمل اور زیادہ مفصل ہیں۔

اب واقعات معراج کو بیان کیا جاتا ہے

(۱) صحیح مسلم کی حدیث میں طریق ثابت عن انس میں ہے۔ "میں سواری پر سوار ہوا۔ اور بیت المقدس پہنچا سواری کو اسی حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے مسجد میں جاکر میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور وہاں سے آسمان کیطرف عروج ہوا"

(۲) ابن ابی حاتم کی ایک روایت عن یزید بن ابی مالک عن انس میں نماز بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ۔

"میرے پہنچ جانیکے بعد وہاں بہت سے لوگ جمع ہوگئے اذان دیگئی اور اقامت کہی گئی صفیں درست ہوئیں میں انتظار میں تھا کہ نماز کون پڑھائیگا۔ جبرائیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کردیا۔ بعد از نماز جبرئیل نے پوچھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپکے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ سب وہ انبیاء ہیں جو منجانب اللہ مبعوث ہوچکے"

(۳۲) امام احمد کی روایت عن عبید بن آدم میں بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ "جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے تب کعب سے پوچھا کہ مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہیئے اس نے کہا صخرہ کے پیچھے۔ امیر المومنین نے کہا نہیں میں وہاں پڑھونگا جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی"

(۴۴) مالک بن صعصعہ کی حدیث عن طریق انس رضی اللہ عنہم بھی صحیحین میں موجود ہے۔

مالک بن صعصعہ نہایت ہی قلیل الروایت ہیں حتے کہ اکثر محدثین کا خیال ہے کہ اس ایک حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث مروی ہی نہیں۔ ایسے بزرگوار نے حدیث کو نہایت ہی اتقان کے ساتھ یاد رکھا اور روایت کیا ہوگا۔ کیونکہ ان کی ساری عمر کی کمائی یہی ہے۔ اور غالباً یہی بخنتہ ہے کہ انس رضی نے خود مرفوعاً روایت کرنے کے بعد بھی بزرگوار ابن صعصعہ سے روایت کرنا اپنے لئے موجب فخر و مسرت سمجھا۔ اب مالک بن صعصعہ والی حدیث ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔ (قتادہ نے لفظ "حطیم" کی جگہ کہیں لفظ "حجر" بھی استعمال کیا ہے۔ دونوں نام ایک ہی مقام کے ہیں یعنی خانہ کعبہ کی اندر کی وہ زمین جسے قریش نے باہر چھوڑ دیا تھا) جب آنے والا (جبرائیل) میرے پاس آیا۔ اس نے اپنے ساتھی (میکائیل) سے کہا کہ ان تین میں سے درمیان والے ہی مطلوب ہیں پھر وہ میرے پاس آیا۔ سینہ سے لیکر زیر ناف تک میرا جسم شق کیا۔ پھر سونیکا طشت لایا گیا۔ جو ایمان و حکمت سے پُر تھا۔ میرے قلب کو دھویا اور ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ پھر زخم درست کر دیا۔ پھر میرے لئے سواری لائی گئی جس کا قد خچر سے کم اور حمار سے اونچا تھا۔ اس کا قدم اسکی حد بصر تک پڑتا تھا۔ مجھے سوار کیا گیا۔ جبرئیل میرے ساتھ ساتھ چلا۔ آسمان دنیا تک مجھے لیکر پہنچ گیا دروازہ کھلوایا۔ اندر سے پوچھا کون۔ کہا جبرئیل۔ کہا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد۔ انہوں نے کہا کیا آپ کو بلوایا گیا؟ جبرئیل نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے مرحبا کہا اور کہا کہ خوب تشریف لائے۔ دروازہ کھلا میں اندر گیا تو وہاں آدم تھے۔ جبرئیل نے کہا یہ تمہارا باپ آدم علیہ السلام ہیں سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اور ابن صالح و نبی صالح فرما کر مرحبا بھی کہا۔

پھر جبرئیل دوسرے آسمان تک پہنچا دروازہ کھلوایا (دہی گفتگو جو پہلے آسمان والی ہوئی) میں اندر

گیا تو وہاں یحییٰ و عیسےٰ تھے۔ یہ دونوں خالہ زاد ہیں جبرئیل نے بتایا کہ یہ یحییٰ و عیسےٰ ہیں سلام کیجیے
میں نے سلام کیا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ اور اخ صالح و نبی صالح کہکر مرحبا بھی کہا۔

پھر تیسرے آسمان پر گئے (وہی گفتگو ہوئی دروازہ کھلا) وہاں یوسف علیہ السلام تھے سلام
وجواب کے بعد اُنہوں نے بھی اخ صالح و نبی صالح کے الفاظ میں مرحبا کہا۔

پھر جبرئیل چوتھے آسمان تک بلند ہوا۔ دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا کون؟ کہا جبرئیل۔ پوچھا
تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد۔ پوچھا کیا بلوائے گئے ہیں؟ کہا ہاں۔ فرشتوں نے مرحبا کہا اور میرے
جانے پر اظہار خوشی کیا۔ اندر گئے تو وہاں ادریس علیہ السلام تھے۔ میں نے سلام کیا اُنہوں نے جواب دیا۔ اور
اخ صالح و نبی صالح کہکر مرحبا کہا۔

اسی طرح پانچویں آسمان والے فرشتوں کی بات جبرئیل سے ہوئی۔ میں اندر گیا وہاں ہارون علیہ السلام
ملے۔ سلام کا جواب دیکر مجھے اخ صالح و نبی صالح کے ساتھ مرحبا کہا۔

اسیطرح چھٹے آسمان پر جبرئیل اور فرشتوں کی گفتگو ہوئی۔ میں اندر گیا تو وہاں موسےٰ علیہ السلام
ملے۔ میں نے سلام کیا اُنہوں نے جواب دیا۔ اور اخ صالح و نبی صالح کہکر مرحبا کہا۔

میں ان سے آگے کو چلا تو موسےٰ رو پڑے۔ پوچھا گیا کہ تم کیوں روئے؟ کہا یہ نوجوان میرے
بعد نبی ہوا اور اس کی امت کے لوگ میری اُمّت سے بہت زیادہ تعداد میں داخل جنت ہونگے

پھر ساتویں آسمان پر جبرئیل پہنچا فرشتوں سے گفتگو ہوئی۔ اور وہاں میں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام
موجود ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ اور ابن صالح و نبی صالح کہکر مرحبا کہا۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک اُٹھایا گیا۔ اسکا پھل بڑی چاٹیوں جیسا اور اسکے پتے ہاتھی کے
کان جیسے بڑے ہیں۔ جبرئیل نے بتایا کہ سدرۃ المنتہیٰ یہی ہے وہاں چار نہریں دیکھیں دو اندر بہتی
تھیں۔ دو کھلم کھلی۔ جبرئیل نے بتایا کہ اندر اندر چلنے والے دریا تو بہشت کے دریا ہیں اور کھلے
چلنے والے نیل و فرات۔

پھر سامنے بیت المعمور نمودار ہوا۔ (قتادہ جو راوی حدیث ہیں اُنہوں نے کہا کہ حسن نے ہمکو ابوہریرہ
سے اُنہوں نے نبی صلعم سے یہ بیان کیا تھا کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ بیت المعمور میں ستر ہزار فرشتے روزانہ
داخل ہوتے ہیں۔ اور پھر لوٹ کر نہیں آتے۔ اسقدر راوی کے بعد قتادہ نے پھر حدیث انس کیطرف

رجوع کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے برتن پیش کئے گئے۔ میں نے دودھ لے لیا۔ جبرئیل نے کہا یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔ پھر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ روزانہ پچاس نمازیں۔ پھر میں نیچے آیا اور موسیٰ تک پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں روزانہ۔ موسیٰ نے کہا کہ آپ کی امت میں اسکی استطاعت نہ ہوگی۔ اور میں قبل ازیں لوگوں کا امتحان کر چکا ہوں۔ اور بنی اسرائیل کی تدبیر کرتا رہا ہوں۔ آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اور امت کیلئے تخفیف کا سوال کیجئے۔ میں واپس گیا۔ دس نمازیں کم کردی گئیں۔ میں نے لوٹ کر یہی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا۔ وہ بولے کہ پھر واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ میں واپس گیا۔ اور دس نمازوں کی تخفیف کردی گئی۔ میں نے پھر موسیٰ کو یہی آکر بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ پھر واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ میں واپس گیا تب دس نمازوں کی اور تخفیف کردی گئی۔ انہوں نے پھر کہا کہ واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے میں اسی طرح جاتا رہا حتیٰ کہ پانچ نمازوں کا حکم ہوگیا۔ اور میں نے موسیٰ کو یہ بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت میں اسکی استطاعت بھی نہ ہوگی مجھے لوگوں کا خوب تجربہ ہے۔ اور میں نے بنی اسرائیل کیلئے بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں لہذا واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔

رسول اللہ نے فرمایا کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا کرتا شرمسار بھی ہوگیا ہوں۔ اب تو میں اسی کو خوشی سے مانونگا اور تسلیم کرونگا اس وقت پکارنے والے کی ایک آواز آئی کہ میں نے اپنے وظیفہ کو جاری کردیا۔ اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی کردی لہ

(۵) شیخین کی حدیث عن زہری عن انس میں مزید یہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا کرتے تھے کہ

"آدم علیہ السلام جب دائیں جانب دیکھتے تب ہنستے اور جب بائیں جانب دیکھتے تب روتے۔ جبرئیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر بتلایا کہ دائیں بائیں اولاد آدم علیہ السلام کی ارواح ہیں دائیں جانب اہل جنت ہیں بائیں اہل نار۔ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں کو دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔

لہ یعنی ادا میں پانچ اور ثواب پچاس کا۔ ۱۲ مستمر

(۴) زہری کہتے ہیں کہ ابن حزم نے مجھے بتلایا کہ ابن عباس اور ابا حبۃ الانصاری یہ بھی کہا کرتے تھے کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مجھے بلندی پر لیجایا گیا اور میرے سامنے مستوی آگیا میں صریف الاقلام سنتا تھا۔

(پانچ نمازوں کی تعیین کے بعد) موسیٰ بھی میرے ساتھ چلے۔ میں سدرۃ المنتہیٰ پر واپس آیا۔ اس پر ایسے رنگا رنگ الوان پڑ رہے تھے کہ جن کی صفت بیان سے باہر تھی۔ پھر مجھے جنت میں لیجایا گیا جسکی کنکریاں آبدار موتی ہیں اور جس کی زمین مشک خالص کی ہے۔"

ساتوں آسمانوں پر آٹھوں انبیاء کی ملاقات کا راز

مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیاء علیہم السلام کی ملاقات بہت سی نصائح دینی پر مشتمل ہے۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ جسطرح شاہان عالم معزز مہمان کے اکرام کیلئے اپنی سرحد خاص سے لیکر دربار خاص تک درجہ بدرجہ امراء عظام کو مقرر کیا کرتے ہیں۔ اسیطرح ان انبیاء کرام کا تعین بھی آسمان اول سے آسمان ہفتم تک کیا گیا۔

(۲) آدم علیہ السلام اول البشر ہیں اول الانبیاء ہیں اسلئے ان کا تعلق آسمان اوّل سے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ آدم علیہ السلام ہیں جنکو ترک جنت کا الم اٹھانا پڑا مگر جب زمین پر آئے اور خلافت الارض کا تاج اُنکے سر پر رکھا گیا۔ اور اُن کی اولاد و رفقاء سے زمین آباد ہوگئی تب اُنکا وہ الم مبدّل بہ سرور ہوگیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی "اَحَبُّ الْبِلَادِ عِنْدَ اللّٰہِ" کو ترک کرنے والے تھے لیکن اقامت مدینہ طیبہ اشاعت اسلام اور نشر علوم کا سبب تھی یہیں سے نصرت و فتح کے اعلام بلند ہوتے اور یہی بلدہ طیبہ حضور کے خلفاء کا بھی مستقر ثابت ہوا۔

(۳) یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں قرابت بھی ہے مسیح نے صطباغ بھی یحییٰ علیہ السلام سے پایا تھا۔ احوال زہد و محنت میں بھی دونوں متحد الاحوال ہیں اسلئے وہ دونوں ایک ہی مقام پر جمع تھے۔ اور دونوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و توکل اور اعراض عن الخلق و مستقبل کا دکھلانا بھی مقصود تھا۔ یحییٰ علیہ السلام نے اپنا کام عیسیٰ مسیح پر چھوڑا تھا۔ اور عیسیٰ مسیح نے اکمال صداقت اور اتمام حقانیت کا حضور کے

ہاتھوں سے پورا ہونا بتلایا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ دونوں بزرگوار اپنی بہترین تمناؤں کو مکمل شدہ حالت میں دیکھ لیتے۔

(۴) یوسف علیہ السلام کے احوال مبارکہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثلت کلی ہے۔ دونوں صاحب الجمال والکمال ہیں۔ دونوں کو امتحانات ساتھ دینے پڑے۔ دونوں میں عفو و کرم کا وفور ہے دونوں نے اخوان جفا پیشہ کو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے مژدہ سے جان بخشی فرمائی ہے۔ دونوں صاحب امر و حکومت ہیں۔ اور دنیا سے پوری کامرانی و حکمرانی اور جاہ و جلال کے ساتھ رخصت ہوئے ہیں۔

(۵) چوتھے فلک پر ادریس علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ کثرت درس اور توغل تعلیم اور شغف تدریس میں ادریس علیہ السلام کا خاص درجہ ہے۔ اور یہی کیفیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" حضور ہی کے القاب گرامی میں داخل ہے۔

(۶) پانچویں پر ہارون ملے۔ ہارون علیہ السلام اپنی قوم و امت میں ہر دل عزیز۔ اور محبوب قلوب تھے ہارون علیہ السلام مسجد کے امام تھے ہارون علیہ السلام تفرقہ و فرقہ بازی کو سب سے برا سمجھتے تھے۔ اور یہ وہ صفات عالیہ ہیں جنکے انوار حضور کی سیرت میں واضح و آشکار ہیں۔

(۷) چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ کی ملاقات ہوئی یہ صاحب شریعت بھی ہیں صاحب کتاب ہیں۔ غازی و مجاہد ہیں۔ مہاجر و مناظر بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان محاسن میں مشابہ تر ہیں۔ ان کا رتبہ ان مجموعی محاسن کی وجہ سے پانچوں آسمانوں والے انبیاء سے بڑھ کر خاص امتیاز رکھتا ہے۔

(۸) ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نظر آئے۔ یہی بانی کعبہ مقدسہ ہیں۔ اور یہی کعبہ آسمانی (بیت المعمور) کے مہتمم ہیں۔ یہی امام خلق ہیں خلیل الرحمن ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو ارجاس اوثان سے پاک کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق اللہ تعالے نے امت محمدیہ کیلئے کعبہ کو قبلہ نماز بنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ملت حنیفیہ کو زندہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے مناسک حج کو سنت ابراہیمیہ کے مطابق محکم فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے درود پاک میں اپنے نام کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پاک کے نام کو شامل فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم حلیہ کے لحاظ سے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نہایت مماثل تھے۔ یہ رفعت حضور کو مقام ابراہیم (بیت المعمور) سے اوپر حاصل ہوئی اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور

ہی مقام محمود والے ہیں۔ اور حضور ہی "آدم و من دونہ تحت لوائی" فرمانیکا استحقاق رکھتے ہیں۔

قرآن کریم اور معراج شریف

قرآن کریم نے واقعہ معراج کو دو سورتوں میں ذکر فرمایا ہے۔

اوّل سورہ بنی اسرائیل جس کے آغاز ہی میں یہ آیات ہیں۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

کلمۂ "سُبْحَان" تنزیہہ کیلئے آتا ہے۔ اور شروع کلام میں اسلئے لایا گیا ہے کہ جن واقعات کا بعد کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ اللہ کی قدرت اور طاقت اُسکو ظہور میں لانے سے عاجز و درماندہ نہیں۔ "لَیْلًا" کی تنوین رات کی مقدار قلیل کو ظاہر کرتی ہے۔

بَارَکْنَا حَوْلَہٗ۔ اس مقام کے قرب و جوار میں اشجار مثمرہ اور انہار جاریہ اور شجرہ مبارکہ زیتون کی کثرت ہے) اسی کا حوالی انبیاء کثیر کا مہبط وحی اور معجزات باہرات کا مصدر رہا ہے۔

مِنْ اٰیٰتِنَا سے مراد وہ نشانات ارضی بھی ہیں جو بنی اسرائیل کے اقبال و ادبار اور شرف و ذلت کی زندہ زبان ہیں۔

اور وہ نشانات عظمٰی بھی اسی لفظ میں شامل ہیں جو حضور نے مسجد اقصٰے سے عروج کے بعد ملکوت السموٰت و الارض میں ملاحظہ فرمائے۔

دوم سورہ النجم میں ذکر ہے مندرجہ ذیل آیات پر تدبر کرو۔

الف لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔ اُس نے اپنے رب کی اُن آیات کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں "کبرٰی" بزرگ ترین ہونے کی صفت سے موصوف ہیں"

اسکے تحت میں جبرئیل کا بصورت اصلی یا سدرۃ المنتہٰی اور اُس پر چھا جانے والے انوار قدسیہ کا بصورت تجلی۔ یا جنت و نار کا بہیئت موجودہ یا عجائبات ملکوت کا تفصیلی معائنہ کچھ بھی لکھدیا جائے لیکن یہ سب کے سب اپنی مجموعی شان میں بھی لفظ کبرٰی کے سامنے کم ہی ہونگے۔ اسلئے ان کا حصر و تعقل بدشوار ہے۔

ب مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق دید کا بھی بیان ہے اور مراعات حسن ادب کا بھی ذکر ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبات و وقار اور تحمل و استعداد روئت کا بھی تذکرہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حال میں فرمایا گیا ہے فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ (جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تب پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے)۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوب آنکھیں بھر کر ان انوار کو دیکھ رہے ہیں مشتاق آنکھ نہ جھپکتی ہے اور نہ ادھر ادھر تاکتی ہے۔ قوت ربانیہ متوجہ نمائش ہے۔ اور بصارت محمدیہ کمال قوت و نظارہ کے ساتھ وقف دید۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ج مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جو کچھ آنکھوں نے دیکھا دل نے اسے نہیں جھٹلایا)

بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ روشن صاف آنکھیں ایک شے کو دیکھتی ہیں۔ اور دل آنکھ کی دیکھی ہوئی حالت کو جھٹلاتا ہے۔ مثلاً ہم ہر صبح کو دیکھتے ہیں کہ سورج ایک زرین طشت کی صورت میں مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔ اسکا قد و قامت اسوقت اتنا چھوٹا نظر آتا ہے کہ کرہ ارض سے کروڑوں حصے کم ہوگا لیکن دل کہہ دیتا ہے کہ ایسا سمجھنا آنکھ کی غلطی ہے یہ تو زمین سے کروڑوں حصے بڑا ہے۔ اور یقیناً بڑا ہے۔

ہم پانی کے اندر گری ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ حالانکہ آنکھ کا اسے ایسا دیکھنا غلط ہوتا ہے۔

ہم سورج کی روشنی کو دیکھ کر اسے صرف ایک صاف سفید روشنی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دل بتلاتا ہے کہ اس روشنی میں سات رنگوں کا اجتماع ہے۔

جب دیدہ و دل میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے۔ تب یہ سمجھنا کہ آنکھ حقیقت اصلیہ کو دیکھ رہی ہے غلط ہوتا ہے لیکن جب حقائق کی اصلیت اور انکشافات کی حقیقت پر دل و دیدہ کا یقین اور وثوق اور اعتبار مجتمع ہو جائے تو شک نہیں کہ یہ نظارہ بصیرت افروز اور بصارت افزا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نظارہ پاک کو جملہ ظنون

وشکوک سے برتر اور جملہ صداقتوں اور حقیقتوں پر حاوی یقین کرنا چاہیئے۔

د فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی (پھر اپنے بندہ پر جو وحی بھی بھیجنی تھی وہ بھیجی)

آیات بالا میں دیدہ ودل کی کیفیات کا ذکر تھا۔ اس آیت میں گوش ودل کے حقائق کا ذکر ہے۔ مَآ اَوْحٰی کا لفظ اجمال کیلئے نہیں بلکہ تفخیم کیلئے ہے۔ اس سے تفخیم وحی بھی مقصود ہے۔ اور یوحی الیہ کی تعظیم بھی۔ اور اُن کی عظمت اصلیہ تو لفظ عبدہ میں پنہاں ہے۔ پنہاں بھی ہے اور عیاں بھی۔

کچھ شک نہیں کہ واقعہ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات اعلیٰ سے ایک برترین مقام ہے اور اس واقعہ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں بھی اور سورہ النجم میں بھی لفظ عبد ہی کا استعمال فرمایا ہے تاکہ مخلوق آلٰہی خوب سمجھ لیں اور اچھی طرح سے ذہن کرلیں کہ اس مقدس ہستی کیلئے بھی جسکی شان "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" سے آشکا ہے۔ سب سے بلند ترین مقام عبودیت ہی کا ہے۔ اور ہم سب کو اسی مقام عبودیت میں ارتقار (بقدر قابلیت واستعداد) کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ بیشک اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ کے معانی بھی اس نکتہ سے حل ہوتے ہیں۔ کیونکہ اظہار عبودیت وبیان عجز وانکسار اور تشکل بندگی وابتہال کیلئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی صورت متحقق نہیں۔

بیداری وخواب کی بحث

بعض علماء کو آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ سے یہ خیال ہوا ہے کہ اس آیت کا اشارہ معراج کیطرف ہے۔ اور چونکہ اسے رؤیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہذا معراج کے واقعات خواب میں نظر آئے تھے۔

اس اشکال کو امام لغت ابن دحیہ نے حل کردیا ہے کہ رویت ورؤیا کا استعمال بمعنے واحد ہوتا ہے اہل لغت کا قول ہے رَاَیْتُ رُؤْیَۃً وَرُؤْیَا مثل قُرْبَۃ وَقُرْبیٰ ہے۔ اب یہ وہم اٹھ گیا کہ رؤیا صرف خواب ہی کیلئے مستعمل ہے۔

زمخشری نے جو ائمہ لغت ومعانی وبیان میں سے ہیں اپنی تفسیر کشاف جلد دوم صفحہ ۱۹ پر آیت

بالا کے تحت میں لکھا ہے کہ اس رؤیا کا تعلق واقعہ بدر سے ہے جبکہ حضور نے ہر ایک کافر کے گرنے کا نشان ومقام بھی بتلا دیا تھا۔ اور کفار حضور کے اس ارشاد کو استہزاء ہی بتاتے رہے۔ بعد ازاں لفظ قیل کے ساتھ اس نے یہ بیان کیا ہے۔

"اِنَّمَا سَمَّاهَا رُؤْيَا عَلٰى قَوْلِ الْمُكَذِّبِيْنَ حَيْثُ قَالُوْا لَهٗ لَعَلَّهَا رُؤْيَاءٌ رَأَيْتَهَا وَخَيَالٌ خُيِّلَ اِلَيْكَ۔"

"لفظ رویا کا استعمال مکذبین کے استعمال کے موافق ہے۔ وہ معراج کا حال سن سن کر کہتے تھے کہ شاید خواب دیکھا ہوگا۔ شاید خیال ہوگا۔"

اسکی مثال ان آیات میں ہے فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ۔ اَيْنَ شُرَكَآئِيَ۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ

اب محدثین کی سنیئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ کے تحت میں بروایت عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ الفاظ تحریر کئے ہیں۔

"هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ (یہ آنکھ کا نظارہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب اسریٰ دکھلایا گیا۔)

ابن عباس رضی اللہ عنہ بہتر امت محمدیہ اور (بدعائے رسول پاک) بہترین مفسر قرآن ہیں۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ لغت وادب کے بھی ائمہ عظام میں سے ہیں۔

میرا ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔ یہی اعتقاد اکثر ائمہ اہل السنت محدثین وفقہاء تابعین وصحابہ کا ہے جو لوگ ایسے واضح ثبوت کے بعد بھی معراج کو خواب ہی سمجھا کریں وہ حدیث ذیل پر ذرا غور کریں۔

ؔ میرے سامنے جو صحیح بخاری موجود ہے اور بمبئی میں ۱۲۶۸ھ کو لکھی گئی اور ۱۳۱۲ھ کو چھاپی گئی اُس میں لفظ رُؤیۃ (بالتاء) ہے آیت میں بھی اور تفسیر ابن عباس کے الفاظ میں بھی۔ اس لئے میں نے اس جگہ بالتاء نقل کیا ہے مگر میرے پاس ایک پرانی قلمی صحیح بخاری ہے اس میں وما جعلنا الرؤیا کو رسم الخط قرآنی کے مطابق لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔"
۱۲ منہ

عَنِ الشَّیْخَانِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا کَذَّبَتْنِیْ قُرَیْشٌ حِیْنَ اُسْرِیَ بِیْ اِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ قُمْتُ فِی الْحِجْرِ فَجَلَّی اللّٰہُ لِیْ بَیْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُھُمْ عَنْ اٰیَاتِہٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْہِ۔

صحیح بخاری و مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کفار نے میرے بیت المقدس تک جانے کو جھٹلایا اور نشانات پوچھنے لگے تب میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا میں عمارت کو دیکھتا جاتا تھا اور جو جو نشان وہ پوچھتے تھے میں ان کو بتاتا جاتا تھا۔

بہ ظاہر ہے کہ اگر حضور نے واقعات معراج کو خواب کے رنگ میں بیان کیا ہوتا تو کفار بیت المقدس کے نشان پتے دریافت کرنے کا کیا حق رکھتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی کیا ضرورت تھی کہ بیت المقدس کو حضور کے سامنے ظاہر و جلوہ گر کر دے اور حضور اسے دیکھ دیکھ کر سب نشانات کے جوابات بھی دیتے رہیں۔

خواب کیلئے تو اتنا ہی جواب کافی تھا کہ میں تو اپنا خواب بیان کر رہا ہوں۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو اپنی آیات کبریٰ دکھلائیں اور ورا الورا کی سیر کرائی ؎

طے کنم ایں نامہ را گر نکنم چوں کنم

حوصلۂ خامہ نیست تاب رقم داشتن

فصل چہارم

معجزاتِ نبویہ
صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

لفظ معجزہ عجز سے بنایا گیا ہے۔ عجز کا استعمال لفظ قدرت کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے
دراصل عجز سے یہ مفہوم لیا گیا ہے۔ عجز انسان کے پچھلے حصّہ کو کہتے ہیں کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ میں یہی معنے ملحوظ ہیں پھر اس عجز سے کسی کام میں موخر رہنے کا مفہوم اور پھر اُس سے درماندگی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

عَجُوْز اُس مرد یا عورت کو کہتے ہیں۔ جو پیرانہ سالی کیوجہ سے بہت سے امور کرنے سے درماندہ و عاجز رہ جائے۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب قابیل کے سامنے ایک کوّے نے دوسرے کوّے پر مٹی ڈالکر اُسے زیرِ خاک کیا۔ تب قابیل بولا۔ يَا وَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ (افسوس ہیں تو اُس کوّے جیسا بھی نہ ہوا) کوّے جیسا بننے میں عاجز رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سرکش کفار سے فرمایا ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ یاد رکھو۔ کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے۔

اِس لغوی معنے کے بعد لفظ معجزہ کا استعمال عام طور پر انبیاء اللہ کے اُن افعالِ نبوّت پر کیا جانے لگا ہے۔ جو اُن کی شانِ نبوّت کے مظہر ہوتے ہیں۔

بروئے تواریخ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ لفظ معجزہ کا استعمال اس خاص معنے میں کس زمانہ سے ہونے لگا۔ اور وہ پہلا کون شخص تھا جس نے اس مفہوم میں اسکا استعمال کیا۔ مگر اس امر کا مجھے اطمینان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں یا کسی دوسرے نبی کے کلام میں اس لفظ کا اس معنی میں استعمال کہیں بھی نہیں ہوا۔

اب لفظ معجزہ کی تعریف کی طرف آیئے۔

"معجزہ کو معنے معینہ بالا میں معجزہ کہنے والے کہتے ہیں کہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو" اس تعریف کے بعد ہی وہ اس بحث میں پڑجاتے ہیں۔ کہ کیا خرق عادت ممکن بھی ہے۔ یا نہیں؟۔

عادت کے معنے کئے جاتے ہیں۔ "استمرار قوانین فطرت"۔

اور خرق کے معنے کئے جاتے ہیں۔ "بطلان استمرار مذکورہ"۔

مبحث کے اس مقام پر پہنچکر اہل قلم چند اصناف پر منقسم ہوجاتے ہیں۔

اوّل۔ وہ جو فطرت کیلئے کسی مقررہ قانون کا ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر بازار معقولات میں خوب خوب آوازے کسے جاتے ہیں۔

دوم۔ وہ جو قانون فطرت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ایسے قانون کی تنسیخ (بمعنے خرق) جائز نہیں سمجھتے۔ یہ قسم بھی دو اصناف پر مشتمل ہے۔

الف۔ جو خرق عادت کو نہ مانتے ہوئے کسی ثابت شدہ واقعہ کا وجود یا امکان بھی نہیں مانتے

ب۔ وہ جو کسی ثابت شدہ واقعہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں۔ جس سے خرق عادت کا ہونا صحیح نہ سمجھا جائے۔

سوم۔ وہ ہیں جو قانون فطرت میں مستثنیات کا اندراج بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس لئے ہر ایک ثابت شدہ واقعہ کو خود قانون فطرت ہی مان لیتے ہیں۔ اس لئے کہ استثنائے قانون کا وجود بھی پہلے سے اسی قانون کے اندر موجود تھا۔

معجزات سے منکرین۔ یا ماؤلین۔ یا قائلین کا شمار انہیں اقسام ثلثہ میں آجاتا ہے۔

ان اقسام ثلثہ کا تعلق مستدلین لفظ خرق عادت سے تھا لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو لفظ معجزہ

کی تعریف "خرق عادت" سے نہیں کرتے اور لفظ خرق عادت کا استعمال ہی نہیں کرتے۔

وہ صرف یہ کہا کرتے ہیں کہ معجزہ نبی اللہ کے اُس فعل کو کہتے ہیں۔ جو اُس وقت دوسروں کو ویسا فعل کرنے سے عاجز بنا دے"۔ اس تعریف میں خدشہ یہ رہ جاتا ہے کہ اگر کسی دوسرے وقت میں کوئی غیر نبی اُسی فعل کے کرنے پر قادر ہو جاتے۔ تو اس میں بھی صورت التباس پیدا ہو جاتی ہے۔

ان تمام لفظی پیچیدگیوں سے بچنے کیلئے علماء محققین نے یہ راہ اختیار کی کہ جب صحف سماویہ میں لفظ "معجزہ" اور لفظ "خرق عادت" آتے ہی نہیں۔ تو اس خارزار میں دامن اُلجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

قرآن مجید تو لفظ آیت کا استعمال کرتا ہے۔ اور انجیل و تورات میں بھی لفظ نشان ہی کا استعمال ہے۔ اس لئے ہم بھی لفظ آیت ہی استعمال کرینگے۔

استعمال ہذا میں چند فوائد اور بھی ہیں۔

(۱) لفظ آیت نہایت وسیع المعنے ہے۔

الف۔ اسکا استعمال مادیات پر بھی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو آیت بتلایا۔ فَاَنْجَیْنٰہُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ [۱]

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو آیت بتلایا۔ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ (یٰس) وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ (فصلت)

انسانوں کا مٹی سے بنایا جانا بھی آیت بتلایا وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (روم) [۲]

بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک کو بھی آیت فرمایا وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ (روم) [۳]

آسمان و زمین کی موجودہ بناوٹ و استقامت کو بھی آیت بتلایا۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ (روم) [۴]

---

[۱] پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی۔ اور کشتی کو سب کیلئے ایک نشان بنایا (عنکبوت) [۲] اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمکو مٹی سے بنایا [۳] اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے۔ [۴] اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُسکے حکم سے آسمان اور زمین ٹھہرے ہوئے ہیں۔

امن عامہ کشائش و آسودگی۔ ترفہ اور سرسبزی کو بھی آیت بتلایا۔ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۱ فرعون کی مردہ لاش کو بھی جو عبرت بخش عالم ہے۔ آیت بتلایا۔ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (یونس) ۲

سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو بھی آیت بتلایا۔ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً (اعراف) ۳

یہی لفظ اللہ تعالٰی نے عصائے موسیٰ اور ید موسیٰ کی نسبت بھی جب کہ اُنکا ثعبان اور بیضا ہو جانیکا امتحان کرادیا گیا۔ فرمایا ہے۔

مادہ پرست پہلی آیت کو منکر اِن اشیاء مادی کا آیت یا نشان ہونا قابل توجہ بھی نہ خیال کرینگے لیکن اگر اِن واقعات کے مقابلہ میں کوئی ایسا واقعہ جس میں ذرا سی ندرت ہو۔ بیان کیا جائے تو جھٹ اُس کا انکار کر بیٹھینگے اور اُسے خرق عادت قرار دینگے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ ہر ایک وہ واقعہ جسے بزبان عوام معجزہ کہا جاتا ہے۔ فی الواقع آیت ہے جیسا کہ یہ واقعات بھی آیات ہیں۔ جنکو فہم کی نارسائی۔ یا عدم تدبر سے آیت نہیں سمجھا گیا۔

ذرا غور کرو۔ کیا کشتی نوح آیت الٰہی نہیں۔ غور سے معلوم ہوگا۔ کہ وہ ضرور آیت ہے۔ ایک ایسے طوفان میں جس نے طوفان زدہ رقبہ کے پہاڑوں کو بھی چھپا لیا ہو۔ ایک معمولی کشتی کا بچ رہنا اُسکی سواریوں کا جان بر ہونا۔ جیسا کہ قبل ازیں اُنکو یقین بھی دلایا گیا تھا۔ حقیقتاً آیت ہے۔

کیا شب و روز کا وجود آیت نہیں۔ رات۔ اُسکی تاریکی۔ اُسکی دہشت۔ اُس کا سکون رات کو جملہ چرند و پرند انسان و حیوان کا طبعاً استراحت پذیر ہو جانا کیا قدرت کا بڑا نشان نہیں۔ دن اُسکی روشنی۔ اُسکی تجلّی۔ اُسکے اشغال۔ زندگی کی ہنگامہ آرائیاں، ہر جاندار شے کا اپنے اپنے مساکن سے نکلنا بطلب روزی وغیرہ کا انہماک کیا قدرت کا نشان نہیں۔

کیا انسان کا مٹی سے مخلوق ہونا آیت قدرت نہیں۔ انسان اپنے لئے ہر ایک چیز مٹی سے بناتا ہے یا ہر ایک چیز مٹی سے پاتا ہے معدنیات۔ فلزات۔ جواہرات۔ اینٹ۔ پتھر۔ سیم و زر۔ گھاس پات۔ رزق و فواکہ۔ مکان و ایوان سب کچھ مٹی ہی کے ہیں۔ اگر انسان خود مٹی کا نہ ہوتا تو مٹی میں اُسکے اتنے حقوق بھی نہ ہوتے۔

۱ سبا والوں کو اپنے وطن میں نشانی تھی (سبا) ۲ تاکہ تو پچھلے آنیوالوں کی نشانی بنے اس لئے تیرا لاشہ باہر پھینکا جائیگا
۳ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔ ۱۲ منہ

کیا بجلی کی چمک آیت نہیں۔ دن صاف نکھرا ہوا ہے ہوا اُٹکی ہوتی ہے۔ اتنے ہی ہیں کونسی طاقت ہے جو چلتی ہوئی ہوا کو بند کر دیتی ہے۔ سمت مقابل سے دوسری ہوا آتی ہے وہ بادل کو ساتھ ساتھ لاتی ہے۔ بادل سورج کو چھپا لیتے ہیں آبادی پر چھا جاتے ہیں ٹکراتے ہیں غرّاتے ہیں۔ گویا بیسیوں شیر ہیں۔ جو جنگل میں منگل بنا رہے ہیں انسان کے بچے سہم رہے ہیں دھل گئے ہیں۔ لوگ کاروبار کو مختصر کر کے اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جانے کی کوشش کرتے ہیں کہ بجلی بھی کوندنے لگتی ہے۔ وہ چمکتی ہے تو سینکڑوں کوس تک روشنی پھیل جاتی ہے مسافر ڈرتا ہے۔ اور زمیندار بے اختیار خوشی سے ہنس رہا ہے۔ کہ اب خوب برسے گا۔ غلہ آئیگا قحط ٹوٹیگا۔ قرض ادا ہوگا۔ بیٹے بیٹی کا فرض بھی اُتار سکونگا۔

ایک ہی چیز ہے جس نے خوف و طمع کے مختلف تاثرات پیدا کر دیئے ہیں۔ اب وہی بجلی ہے جو ٹیلیگراف میں کام کرتی ہے۔ جو لاسلکی اخبار کیلئے تجربہ میں آچکی ہے۔ وہی بجلی ہے جس نے رونٹجن بنکر گوشت کے نیچے چھپے ہوئے اعصاب اور استخوان کو آنکھ کے سامنے کر دیا ہے۔ ابھی معلوم نہیں کہ یہ کیا کیا نشان دکھلائیگی۔ اور کن کن علوم میں "آیت" بنکر درخشاں ہوگی۔

کیا اِس زمین کا قیام آیت نہیں۔ اگر زمین کی حقیقت یہی ہے کہ وہ سورج میں سے ٹوٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے تو اس کا بعہد ماضی سورج ہی کا جزو۔ اور جزو ہوکر گرم و درخشاں ہونا ضرور ایک نشان تھا۔ اور پھر اُس گرمی و درخشندگی سے قطعی جدا ہوکر ایک اور صورت میں جلوہ گر ہو جاتا ضرور دوسرا نشان ہے۔ کیا یہ نشان لاٹھی سے سانپ۔ اور سانپ سے لاٹھی کے نشان سے کم ہے

کیا عالم بالا کا وجود اور اس وجود کا قیام آیت نہیں۔ ہزار در ہزار ثوابت و سیار کا مقررہ دور مقررہ انضباط کے ساتھ چلنا پھرنا ہوسم دل کا تغیر۔ اور لیل و نہار کا انقلاب ظہور میں آنا کیا آیت نہیں نہیں۔ ہاں ! ! ! قدرت آلہیہ کی ہر شئے آیت ہے۔ اور جب عوام کے اذہان و افہام اُسے آیت سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ تو انبیاء کرام کے بیان سے اُن کا آیت ہونا مسلم ہو جاتا ہے مجھے اُن سب معجزات کے تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں۔ جن کا ثبوت قطعی ہو۔ اگرچہ کسی سائنسدان کا فہم اُسکی علت و اسباب کے سمجھنے میں عاجز بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات (مادی وغیرمادی) میں جس قدر خواص پیدا کئے ہیں۔ اُن سب کا احاطہ نہ انسان سے ہو سکتا ہے۔ اور نہ کبھی کسی انسان نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اسرار کائنات کا انکشاف کر دیتا ہے۔ وہ کیمیائی تدبیر جو قلت کو کثرت سے بدل دے۔ یا ہوا کو پانی بنا دے۔ جو جامد کو متحرک یا تحرک کو جامد بنا دے۔ اُن کے علم و تجربہ میں ہوتی ہیں نیز اُن کا علم اور تجربہ اور تدبیر اہل دنیا کیطرح آلات یا مشق یا تدریجی معلومات کا منت پذیر نہیں ہوتا۔

ہم یہ سب باتیں معجزات انبیاء کو قریب الفہم کرنے کیلئے کہہ رہے ہیں۔ لیکن ایمان کی بات یہ ہے۔ کہ کُن فیکون ارشاد کرنے والے کی طاقت اور قدرت انبیاء اللہ کی تائید و نصرت میں ہوتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی مقدس ہستی کا برگزیدہ بارگاہ ربانی ہونا عوام پر بھی ثابت کرے۔ تب اُسی طاقت و قدرت کو انبیاء اللہ کے توسط سے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اسی کو آیات الٰہی کہتے ہیں۔ اور اسی کو معجزات۔

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو معجزات بروایات صحیحہ ثابت ہیں، اُن کا شمار بہت زیادہ ہے اور ہر ایک نبی کے معجزات سے اُن کی تعداد بھی افزوں ہے اور ندرت میں بھی اُن کی شان اعلیٰ ہے۔

ذیل میں چند معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ اہل ایمان کی ترقی ایمان کا موجب ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور عظمت کے ساتھ محبت بھی زیادہ دلنشین ہو جائے۔

میرا ارادہ معجزات پر ایک جداگانہ کتاب لکھنے کا ہے۔ اسوقت مختلف عنوانات کے تحت مختصر واقعات لکھ دینا کافی ہیں۔

نَبْعُ الْمَاءِ

پانی کا معجزہ

قرآن مجید میں ہے:-

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

عَشْرَةَ عَيْنًا (بقرہ ع ۷)

جب موسیٰ نے اپنی قوم کی سیرابی کیلئے دعا کی۔ تو ہمنے کہا۔ کہ پتھر کو اپنا عصا مارو۔ تب پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

سورہ اعراف ع ۲۰ میں بھی یہی مذکور ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورہ اعراف میں فَانْبَجَسَتْ ہے اور بقرہ میں فَانْفَجَرَتْ ہے۔ لفظ انبجاس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانی پہلے تھوڑا تھوڑا نکلنے لگا تھا۔ اور لفظ انفجار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پھر پانی خوب بہ نکلا تھا۔

آیات بالا سے یہ مستفیض ہے کہ جب پانی کا فقدان ہو اور ساتھ کی تمام جماعت پانی نہ ملنے کیوجہ سے زندگی اور آرام سے مایوس ہو جائے تب لوگ نبی اللہ کیطرف رجوع کیا کرتے ہیں۔ اور اُسوقت نبی اللہ کی دعا اور برکت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پانی مل جایا کرتا ہے۔

توراۃ کی کتاب الخروج کے ملاحظہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بیابان سور میں تین دن تک سفر کرنے کے بعد رونما ہوا تھا ۱۵/۲۱ خروج۔ کتاب مذکور میں ۱۲ چشموں کا عصائے موسیٰ کی ضرب سے برآمد ہونا نہیں بتلایا گیا۔ بلکہ ظاہر کیا ہے۔ کہ مقام ایلیم میں اُن کو وہ جگہ ملگئی جہاں پانی کے ۱۲ چشمے اور ستر درخت کھجور کے تھے ۱۵/۲۷ خروج۔

اہل اسلام میں جو لوگ معجزات کی تاویلات کرنے میں مشاق ہیں۔ اُنھوں نے معجزہ موسوی کی تاویل اسطرح کر دی۔ کہ پہاڑ میں سے پانی کا رسنا۔ بہنا ایک معمولی امر ہے کسی چشمہ کا اور سوت کا بیرونی رکاوٹوں سے بند ہو جانا بھی ایک معمولی بات ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھریلی زمین میں چھپے ہوئے چشموں کا نشان بتلا دیا۔ چشموں کو عصا سے چھیڑ نکال لیا گیا۔ اور چشمے بہنے لگے۔

یہ تاویل خواہ الفاظ قرآنی سے کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو مگر نفی معجزہ پھر بھی نہیں ہوتی یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے ہدایت ملنا اور موسیٰ علیہ السلام کے فعل سے برکت کا ظاہر ہونا پھر بھی مسلمہ رہتا ہے۔

اسی عہد سعید میں برکات ہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ کہ الفاظ قرآنی کی تفسیر عملاً کر دکھلائے

تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت بھی آشکار ہو جائے پتھر یلی زمین کی جگہ اب گوشت پوست میں سے پانی کے نکلنے کا عجیب ترین معجزہ ظہور میں آتا ہے۔

واضح ہو کہ فوران ماء و فیضان آب کے واقعے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے بار بار اور مختلف اسلوب سے ظہور میں آئے ہیں احادیث کے تتبع سے واقعات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

محرم ۵ھ

(۱) جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں بصراحت مذکور ہے۔ کہ ہم غزوہ ذات الرقاع اور وادی افیح[۱] میں تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیلئے پانی طلب فرمایا۔ جابر ڈھونڈ آئے لشکر میں ایک قطرہ نہ ملا۔ پھر حضور کے حکم سے جابر اُس انصاری کے پاس پہنچے۔ جو حضور کے پینے کا پانی رکھا کرتے تھے۔ وہاں بھی دیکھا تو ایک پرانی مشک (شجب) کے دہانہ پر ایک قطرۂ آب نظر آیا۔ اور بس حکم دیا وہی لے آؤ۔ پھر کاٹھ کا کٹھڑہ منگایا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس میں اپنا ہاتھ انگلیاں پھیلا کر رکھ دیا جابر رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق بسم اللہ کہہ کر وہ قطرۂ آب اس بحر سخا کے دست مبارک پہ ڈال دیا۔ جابر کی عینی شہادت ہے۔ کہ تب انگلیوں میں سے پانی فوارہ وار نکلا۔ پانی نے لکڑی کے کٹھڑہ کو بھی چکر دیدیا۔ سب کو بلایا گیا۔ اور سب نے سیرابی حاصل کی۔ جب حضور نے ہاتھ اُٹھا لیا تب بھی وہ کٹھڑہ پانی کا بھرا ہوا تھا۔

رحمۃ للعالمین جلد دوم کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس غزوہ میں چار سو غازی ہمرکاب مصطفوی تھے۔

ذی قعدہ ۶ھ

(۲) صحیح بخاری میں جابر بن عبد اللہ الشہید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا۔ پانی ایک کوہ (کوزہ) میں تھا مسلمان اُسے دیکھ کر ٹوٹ پڑے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا۔ کہ پانی نہ وضو کے لئے ہے نہ پینے کے لئے۔ بس یہی کوزہ آب ہے۔ جو حضور کے سامنے رکھا ہے حضور نے اُسی کوزہ میں ہاتھ رکھدیا۔ تب پانی

[۱] افیح کا ترجمہ واسع ہے محتمل ہے کہ یہ اس وادی کا نام ہے یا صفت۔ ۱۲ منہ

حضور کی انگلیوں میں سے پھوٹ پڑا۔ اور تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ سب نے وضو بھی کر لیے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے سالم ابن ابی جعد کے سوال پر بتلایا۔ کہ اسوقت ہم پندرہ سو تھے۔ یہ بھی کہا کہ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی سب کو کفایت کر جاتا۔

(۳) مقام حدیبیہ ہی کا دوسرا واقعہ بھی جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ چونکہ حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ایک ہفتہ تک رہا تھا۔ اس لیے جمع بین الاحادیث کے قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اول پہلے روز کا ہے۔ اسکے بعد پانی کی پھر ضرورت لاحق ہوئی۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس چاہ پر تشریف لے گئے۔ جس کا نام حدیبیہ تھا۔ اور یہ مقام اسی چاہ کے نام سے معروف تھا۔ چاہ کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ بخاری کی روایت یہ ہے۔ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَفِيرِ الْبِئْرِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَجَّ فِي الْبِئْرِ فَمَكَثْنَا غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ اسْتَقَيْنَا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہ کی منڈیر پر آ بیٹھے۔ پانی منگایا۔ کلی کی۔ اور چاہ میں ڈالدی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم چاہ سے پانی لینے لگے۔ اور سیر ہو گئے۔

ڈیڑھ ہزار کے لشکر کے لیے یہ مستقل انتظام تھا۔ امام بخاری نے اس واقعہ کو براء رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ جس میں یہ الفاظ بھی ہیں ثُمَّ إِنَّهَا أَصْدَرَتْنَا مَا شِئْنَا نَحْنُ وَرِكَابُنَا۔

امام احمد کی روایت سے ظاہر ہے۔ کہ چاہ کا پانی ابل پڑا۔ ہم سے آخری شخص چادر لیکر بیٹھا تھا کہ کہیں ڈوب نہ جائے اور پھر یہ پانی بہہ نکلا۔

سنہ ۹ ہجری

(۴) عمران[1] بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سفر میں تھے (مدارج النبوۃ میں اسے سفر تبوک بتایا گیا ہے) صبح کی نماز دن چڑھے پڑھی گئی۔ کیونکہ سب سوتے رہ گئے تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے آگے چلنے کا حکم دیا۔ ہمکو سخت پیاس لگی۔ راہ چلتے ہوئے ہمکو ایک عورت ملی جسکے ساتھ پانی کے دو مشکیزے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانی اسکے

۱؎ یہ قوم خزاعہ سے تھے۔ اور فقہائے صحابہ میں سے تھے۔ فتح خیبر کے سال مسلمان ہوئے تھے۔ بمقام بصرہ وفات پائی۔ ۵۲ھ

گاؤں سے ایک دن ایک رات کی مسافت پر ہے صحابہ اُس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس لے گئے۔ وہاں عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ یتیموں کی ماں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اُسکے مشکیزوں کو ہاتھ سے چھو دیا [illegible] تو ان میں پانی بھر نکلا۔ چالیس صحابہ نے جو سخت
پیاسے تھے سیر ہو کر پانی پی لیا۔ اور مشک و مشکیزے جتنے ساتھ تھے۔ وہ بھی بھر لئے (اونٹوں
کو وہ پانی نہیں پلایا) عمران کہتے ہیں کہ اسوقت وہ مشکیزے پانی سے لبالب بھرے ہوئے
دیکھے جاتے تھے گویا اب پھوٹ پڑینگے وہی تکاد تنقض من الملاء

اس عورت نے گھر جا کر لوگوں سے کہا کہ میں سب سے بڑے جادوگر کے پاس سے آئی ہوں۔ یا
اُسے نبی کہنا چاہئے۔ جیسا کہ اُسکے ساتھیوں کا یقین ہے۔

اس عورت کی اس اطلاع پر وہ دور افتادہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اور وہ بھی اسلام
لے آئے۔

عجیب نکتہ یہ ہے۔ کہ دیکھنے والی اُسوقت غیر مسلم ہے۔ اور حضور کا ذکر اسحر الناس
کے لفظ کے ساتھ کرتی ہے۔ مگر سننے والی قوم فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ سحر میں یہ طاقت
کہاں کہ پیاسے سیر بھی ہو جائیں۔ اور مشک و مشکیزے بھی بھر لیں۔

سحر تو صرف نظر بندی کا نام ہے۔ ساحر تو [illegible] سے ناظرین کی قوت متخیلہ پر اثر
[illegible] اثر ڈالتا ہے اور ایسا معمول کسی شے کو اُسکی حقیقت کے خلاف کچھ اور سمجھنے
لگ جاتا ہے۔ یہ تغیر صرف دیکھنے والے معمول کی نگاہ اور تخیل میں ہوتا ہے۔ ورنہ وہ شے اپنی
اپنی اصلیت پر موجود ہوتی ہے۔ جسکی [illegible] مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص ایک رسی
کو اندھیرے میں سانپ سمجھ لیتا ہے اور اپنی اس سمجھ کی وجہ سے اس پر آثار خوف و ہراس وغیرہ
طبیعی طاری ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اصلی سانپ کا وجود کہیں نہیں ہوتا۔ وہ رسی رسی ہی
ہوتی ہے۔ [illegible]

انبیاء کے معجزات میں حقیقت [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] وہ چیز ہے۔ جو [illegible]
[illegible]

[illegible]

رکھتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (اعراف ع۱۴) اب
یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ سحر عظیم کیا تھا۔

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰہٰ ع ۳) ان کی
رسیاں اور انکی لاٹھیاں انکے سحر کیوجہ سے دوڑتی ہوئی خیال کی جاتی تھیں

ساحروں کی اس نمائش کا نتیجہ کیا ہوا۔ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (اعراف ع۱۴) لوگوں کو
ڈرایا پس ساحروں کی سب سے بڑی کائنات یہی تھی۔ کہ لوگوں کو یہ تماشا دکھا کر ڈرا دیا۔

پھر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوتا ہے۔ وہ اپنا عصا پھینک دیتے ہیں۔ وہ اژدہا بنجاتا
اور جادوگروں کی سب لاٹھیوں۔ اور رسیوں کو ہڑپ جاتا ہے۔ اگر معجزہ موسوی کی حقیقت صرف
اتنی ہی ہوتی کہ وہ عصا صرف ساحروں کی نگاہ میں اژدہا نظر آنے لگ جاتا۔ تو ساحروں کے دلوں پر
بھی اتنا ہی اثر ہوتا۔ جتنا فرعون کے دل پر ہوا تھا۔ یعنی اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمْ (یہ تمہارا بڑا گرو ہے)
مگر ساحر تو فوراً سمجھ گئے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام حد سحر سے بالا تر ہے۔ وہ دیکھتے ہیں۔ کہ وہ
منوں رسیاں اور سینکڑوں لاٹھیاں موجود نہیں ہیں اس لئے ثعبان موسوی کا ان
رسیوں اور لاٹھیوں کو ہڑپ کر جانے کا نظارہ صرف تخیل ہی نہ تھا بلکہ حقیقتاً تھا۔ اور بہترین
صداقت رکھتا تھا۔ اسی اصلیت پر فائز ہو جانے کے بعد وہ ساحر لوگ جھٹ سحر سے تائب
ہو گئے موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا۔ وہ انکشاف حقیقت کے بعد نہ فرعون کی پھانسی سے ڈرے
اور نہ دست و پا کی قطع و برید کا عذاب انکو اسلام سے مرتد کر سکا۔ رحمت الٰہیہ کو دیکھیئے کہ یہ
ساحر جب میدان مقابلہ میں آئے تھے۔ اسوقت بارگاہ روحانیت کے مقہور و مخذول تھے
اور تھوڑی ہی دیر کے بعد آستان رحمانیت کے منظور و مقبول بن گئے تھے۔

یہی حال اس عورت اور اسکے قبیلہ کا ہوا جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے۔ حدیث بالا کو
صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے ہمنے بخاری کے الفاظ کو یہاں لیا ہے۔

بیہقی کی روایت میں اسقدر اور مستزاد ہے کہ راویان حدیث کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے بھیجا تھا۔ اور فرمایا تھا۔ کہ اسطرف کو جاؤ۔ تمہیں ایک ایسی ایسی عورت ملے گی
اندریں صورت یہ روایت نہ صرف ایک معجزہ پر۔ بلکہ ایک اور پیشگوئی پر بھی (جو اقسام معجزہ ہیں

سے ہے مشتمل ہے۔

(۵) صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے۔ کہ ایکبار نماز کا وقت آگیا جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ گھروں میں جا کر وضو کر آئے باقی رہ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پتھر کے پیالہ میں پانی لایا گیا وہ اتنا چھوٹا تھا۔ کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا ہاتھ نہ پھیل سکتا تھا۔ اسی پانی سے ۸۰ سے زیادہ لوگوں نے وضو کر لیا۔

(ب) بیہقی کی روایت میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ میں اپنی چار انگلیاں ڈالی تھیں۔ انس کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ انگلیوں میں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا ہے یہ واقعہ مقام قبا کا ہے۔

(ج) صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت مقام زوراء کی بابت بھی ہے۔ کہ حضور نے پیالہ میں ہاتھ رکھدیا اور پنجہ مبارک سے پانی بہہ نکلا۔ اس روز حضور کے ہمراہیوں کی تعداد تین سو کس تھی۔

(۶) صحیح بخاری میں ایک روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی ایسی ہی ہے کہ حضور نے برتن میں ہاتھ رکھدیا۔ اور پانی حضور کے مبارک ہاتھوں سے پھوٹ نکلا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان پاک سے فرمایا حَیَّ عَلَی الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ اس پانی سے سب ہی نے وضو کر لیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو طہور اور مبارک فرمایا ہے۔ علماء امت کا اتفاق ہے کہ برکت وعزت میں آب زمزم سے بڑھ کر وہ پانی تھا۔ جو حضور اقدس کی انگلیوں میں سے نکلا تھا۔ ایسے ہی واقعات اور بھی ہیں۔ اور روایات کی خصوصیتوں پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ انگشتان مبارک سے پانی پھوٹ پڑنے کے واقعات بار بار ہوئے۔ بکثرت ہوئے۔ بیشک عرب جیسے گرم اور خشک ملک میں اور غزوات کے سفرہائے طول وطویل میں اگر یہ معجزہ نہ ہوتا۔ تو اس بے سر و سامانی کی حالت میں جو عہد نبوی اسلامی لشکروں میں پائی جاتی تھی۔ ضرور تھا۔ کہ مجاہدین ہلاک ہو گئے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس معجزہ کی مثال عہد موسوی میں نزول منّ اور حصول سلوی کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی معجزہ نبوی کا درجہ عہد موسوی کے معجزات سے اسی قدر زیادہ بڑھا

ہوا ہے جیسا کہ بقائے حیات میں پانی کا وجود علماء پر ثابت ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کروں گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ اور اس خصوصیت انسانی کی خبر بھی انبیائے سابقین نے دی تھی کہ کتاب مقدس میں پیشین گوئی تھی۔

یسعیاہ باب میں ہے۔

”خداوند خشک بیابانوں میں پانی کے چشمے بہائیگا“

ہمکو ان الفاظ کی تاویل کی کیا ضرورت ہے فی الواقع ان خشک بیابانوں میں جہاں پینے کو پانی نہ ملتا تھا۔ نبی الملاحم کے معجزات متواتر نے چشمے جاری کر کے دکھا دیئے تھے فللہ الحمد والمنۃ۔

دودھ کی برکت

پانی کے بعد جس شے کا درجہ ہے۔ وہ دودھ ہے۔ شب معراج کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دودھ اور شراب کے پیالے آسمان پر پیش کئے گئے۔ اور حضور نے ان میں سے دودھ کو پسند فرمایا۔ اور جبرائیل امین نے یہ نظارہ دیکھ کر کہا۔ اخترت الفطرۃ حضور نے فطرت کو پسند کیا۔ اسی لئے اسلام کو بھی دودھ کے ساتھ تشبیہ دی جایا کرتی ہے۔

دنیا میں ہر ایک بچہ دودھ سے پلا ہے مگر ایک بچہ بھی دنیا میں ایسا نہیں جسکی پرورش شراب سے ہوئی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دودھ فطرت انسانی کا رازدار ہے۔

واعظ ایمان و ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو تعلیم پاک کے دودھ سے بھی پرورش کیا۔ اور انکے لیے ظاہری دودھ سے بھی دودھ افزا عطا کیا۔ ایسے واقعات بہت ہیں۔

اول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب باندھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے گزران کا کیا حال تھا۔ اس باب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے [illegible] ظاہر ہے اور حقیقت یہی ظاہر ہوتی ہے [illegible]

طیبہ اس دنیا میں کیسی زاہدانہ تھی۔

(۱) ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ بھوک کے مارے کبھی ایسا ہوتا کہ میں جگر کو تھام کر زمین پر گر جاتا کبھی ایسا ہوتا کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں سرِراہ آ بیٹھا۔ جہاں سے لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ ابوبکر آئے اور میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کی بابت دریافت کیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شاید وہ مجھے کچھ کھلا بھی دینگے۔ وہ یونہی چلے گئے۔ پھر عمر آ نکلے۔ ان سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ غرض وہی تھی کہ کچھ کھانے کو دینگے۔ وہ بھی یونہی چلے گئے اتنے میں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میرے جی کی بات سمجھ گئے میرے چہرے کو تاڑ لیا۔ ارشاد فرمایا۔ ابوہریرہ ساتھ چلے آؤ۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حضور گھر میں گئے۔ وہاں حضور نے پیالہ میں دودھ دیکھا۔ گھر والوں نے حضور کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا ہدیہ بھیجا تھا۔ حضور نے مجھے فرمایا۔ ابوہریرہ جاؤ۔ اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ اہل صفہ وہ لوگ ہوتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ ہوتا جن کو کسی شخص کا کوئی سہارا نہ ہوتا۔ یہ اضیاف الاسلام (اسلام کے مہمان) ہوتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک یہ تھی کہ کوئی صدقہ آتا تو سب کا سب ان کو دیدیتے تھے اور ہدیہ آتا تو ان کو اپنے ساتھ شامل فرما لیتے تھے۔

ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے سمجھا اہل صفہ میں اس دودھ کی حقیقت کیا ہوگی۔ اگر مجھے مل جاتا تو مجھ میں کچھ سکت آجاتی۔ اب دیکھئے اس میں سے کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں یہی خیالات تھے اور اطاعت خدا و رسول کے بغیر کچھ چارہ کار نہ تھا۔ میں سب کو بلا لایا۔ آکر بیٹھ گئے۔ مجھے رسول اللہ نے فرمایا۔ ابوہریرہ یہ پیالہ لو۔ اور سب کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لے لیا۔ ہر ایک کو دیتا جاتا تھا۔ جب ایک شخص پی پی کر سیراب ہو جاتا۔ تب میں دوسرے کو وہی پیالہ دیتا تھا۔ اسطرح سب سیر ہو گئے تو میں نے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیالہ پیش کر دیا حضور نے لیکر اپنے دست مبارک پر رکھ لیا۔ مجھے دیکھا اور مسکرائے۔ فرمایا ابوہریرہ اب تو میں رہ گیا۔ اور یا تو رہ گیا۔ میں نے کہا حضور سچ ہے فرمایا اچھا اب تو پی لے۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پی لیا۔ فرمایا۔ اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ پھر حضور یہی فرماتے رہے پیو۔ پیو۔ آخر میں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب گنجائش باقی نہیں رہی۔ فرمایا لاؤ پیالہ۔ میں نے پیش کیا حضور نے اللہ کا شکر کیا بسم اللہ پڑھی

اور پیالہ ختم کر دیا۔[۱]

یہ حدیث تو ایک ہے لیکن آیات و علامات نبوت کی اتنی جامع ہے کہ دودھ کی نہریں بہ رہی ہیں۔

(الف) سرور عالم و عالمیان کا گھر ہے اور اس میں جسمانی غذا نام و نشان کو بھی نہیں۔

(ب) کسی نے ہدیۃً کچھ بھیجا بھی ہے تو دودھ کا ایک پیالہ۔

پیالہ کتنا بڑا تھا؟ ابوہریرہ کہتے ہیں صرف ایک آدمی کے پی لینے کا۔

(ج) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی سی خوراک پر اُن سب کو بلا لیتے ہیں۔ جو گھربار کو تج کر۔ جو اہل وعیال کو چھوڑ کر۔ جو مال ومنال سے منہ موڑ کر ادبستان نبوت میں پہنچ گئے تھے۔

یہ حالات تو اخلاق محمدی کے مظہر ہیں۔

(د) اب آیات نبوت مشاہدہ ہوں کہ ہر ایک شخص نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ اور پیالہ پھر بھر کا بھرا رہ گیا۔ ابوہریرہ نے تو یہانتک پیا کہ حلف کرنا پڑا کہ اب گنجائش ہی نہیں رہی۔

(ہ) کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس پیالہ کو کوئی بڑی سے بڑی تعداد ختم کر سکتی تھی۔ ہرگز نہیں۔ لاکھ ہوتے تو کیا۔ اور دس لاکھ ہوتے تو کیا سب ہی اُس سے سیراب ہو سکتے تھے۔ اس پیالہ کو ختم کرنے کی طاقت بھی اُسی میں تھی جسکی برکت دمین سے وہ چیز سب کیلئے کفایت کر گئی تھی۔

(و) حدیث پر مکرر غور کرو۔ کہ پیالہ ہاتھ میں لیکر اللہ کی حمد کی۔ یہی وہ چیز ہے جو تعلیم نبوت کی روح رواں ہے۔

(ز) ممکن ہے کہ کوئی غیر نبی ایسے عجوبہ کو دیکھ کر اپنی بڑائی کا خیال کر بیٹھے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اُسے ذاتی کمالات میں سے شمار کرنے لگے۔ مگر اللہ کا نبی ہر وقت اپنے مالک و قادر کو یاد کیا کرتا۔ اور جملہ عطیات کو اُسی کی جانب سے قرار دیا کرتا تھا جسکی ربوبیت اس شکل میں جلوہ گر ہوتی تھی۔

دوم۔ سفر ہجرت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ام معبد عاتکہ بنت خالد بن خلیف خزاعیہ کے خیمہ پر ہوا۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی۔ قاعدہ تھی اور خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتی۔ آنے گئے کو پانی پلاتی کھجوریں وغیرہ بھی فروخت کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق تھے۔

[۱] بخاری کتاب الرقاق۔

جو حضور کے ساتھ پچھلی نشست پر سوار تھے۔ دوسری سواری پر عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یا ابن اریقط تھا جو اس راہ کا واقف تھا۔[۱] اُسے اُجرت پر ساتھ لے لیا گیا تھا۔ یہ مبارک قافلہ اس خیمہ پرستان نے۔ آرام لینے کیلئے ٹھہر گیا۔ بڑھیا سے پوچھا گیا۔ کہ اُسکے پاس کچھ کھانے پینے کو بھی ہے وہ بولی نہیں۔ اگر کچھ ہوتا۔ تو میں خود پیش کر دیتی (ان ایام میں قحط بھی سخت پڑا ہوا تھا)

ام معبد کے بھائی حُبیش بن خالد (قتیل البطحاء[۲]) کا بیان ہے کہ خیمہ میں ایک دُبلی کمزور بکری کھڑی ہوئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بکری کی بابت پوچھا۔ ام معبد نے جواب دیا۔ کہ یہ کمزور بہت ہے ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس لئے یہاں رہ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اگر اجازت ہو۔ تو ہم اُسے دُوھ لیں۔ وہ بولی اگر آپکو دودھ نظر آتا ہے تو دودھ لیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک بڑا برتن لاؤ۔ پھر بسم اللہ کہہ کر بکری سے دودھ نکالنا شروع کیا۔ برتن بھر گیا تو سبکو پلایا۔ دوبارہ پھر دودھ نکالا۔ برتن بھر گیا تو دوبارہ پھر سب کو پلایا گیا۔ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیا۔ سہ بارہ پھر دودھ نکالا۔ اور گھر والوں کیلئے چھوڑ دیا گیا[۳]

آیت نبوت نے دودھ پلایا اور خلق محمدی نے بھی اپنا معجزہ دکھلایا۔ کہ رُفقائے راہ کو حضور پہلے سیراب فرماتے ہیں۔ اور خود سب کے بعد نوش جان فرماتے ہیں اور اہل خانہ کیلئے کافی ذخیرہ چھوڑتے ہیں۔

تکثیر طعام

تکثیر طعام سے مراد وہ معجزہ ہے۔ کہ تھوڑا سا طعام بہت کیلئے کافی ہو جائے۔ انجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس معجزہ کا ظہور مسیح علیہ السلام سے بھی ہوا۔ انہوں نے چار روٹیوں اور تین

---

[۱] یہ غلام تھے۔ اسلام لے آئے۔ صدیق نے ان کو خریدا اور آزاد کر دیا تھا۔ ۴ھ کو واقعہ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔ ان کی لاش نہیں ملی۔

[۲] فتح مکہ کے دن یہ حُبیش اور کرز بن جابر فہری شہید ہوئے تھے۔ اس لئے ان دونوں کو قتیل البطحاء کہتے ہیں

[۳] حاکم وصححہ البیہقی۔ وابن عبدالبر وابن شاہین وابن السکن والطبرانی وغیرہم۔ زرقانی جلد ا صفحہ ۳۴۷

مچھلیوں سے بہت بڑی جماعت کو سیر کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آیات نبوۃ میں بھی ایسے واقعات کا ذکر احادیث صحیحہ میں بکثرت ہے۔

(۱) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعہ خندق کے ایام میں میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کو باندھ رکھا ہے معلوم ہوا کہ حضور نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ اس حالت میں بھی حضور اہل صفہ کو سورۃ نساء کی تعلیم دے رہے تھے۔

انس نے اپنے باپ (شوہر والدہ) کو جا بتایا۔ اُنہوں نے کچھ مزدوری کی اور جو حاصل کئے۔ اُن کی والدہ نے آدھ سیر جو پیس کے روٹی پکائی۔ کہا اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے تشریف لے آئیں تو بخوبی بسر ہو سکتے ہیں۔ ایک آدھ کوئی ساتھ آ گیا۔ تب بھی کفایت سے کام چل جائیگا۔ انسؓ کو ماں باپ نے بھیجا۔ اچھی طرح سمجھا دیا۔ کہ لوگوں کے سامنے کچھ نہ کہنا جب حضورؐ اُٹھ کر اندر گھر میں جانے لگیں تب عرض کر دینا۔ کہ ہمارے ہاں تشریف لے چلئے۔

انس رضی اللہ عنہ پہنچے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبوہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے فرمایا تجھے ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا کھانے کیلئے۔ عرض کی ہاں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو چلو۔ ابوطلحہؓ کے گھر۔ سب اُٹھ کھڑے ہوئے انسؓ نے لپک کر باپ کو اطلاع دی اس نے بیوی سے کہا کہ ام سلیمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں یہ خاتون بلند پایہ سمجھ گئیں کہ کیا ہوگا۔ بولی اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطلحہؓ نے آگے بڑھ کر بتلا بھی دیا۔ کہ ایک ٹکیا موجود ہے۔ حضور نے وہاں پہنچکر فرمایا۔ کہ (عُکّہ) گھی کی کپی لے آؤ۔ کپی سے چند قطرے گھی کے نکلے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت مبارک سے روٹی چپڑ دی۔ روٹی پھولنے لگی۔ برتن سے اونچی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردانہ مکان کھلوایا روٹی رکھ دی۔ اور زبان سے فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اَعْظِمْ فِیْھَا الْبَرَکَۃَ۔ دس دس آدمی روٹی پر بیٹھتے جاتے اور سیر ہو ہو کر اُٹھتے جاتے تھے اسی طرح اسی شخصوں نے اس روز کھانا کھایا[۱]

---

[۱] فتح الباری ص۴۳۱ جلد ۱۴ صحیح بخاری۔ از بخاری ومسلم ومسند احمد وغیرہ۔

(۲) جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُن کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اور بھاری قرض چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجور کی فصل آئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ حضور چلے چلیں۔ تاکہ قرضخواہ حضور کو دیکھ کر مجھ سے رعایت کریں۔ فرمایا۔ تم چلو ہر قسم کی کھجوروں کی ڈھیریاں الگ الگ لگا دو۔ میں نے تعمیل کر دی۔ اتنے میں سرورِ عالم آ گئے۔ حضور نے بڑے ڈھیر کو تین بار پھر پھر کر دیکھا۔ اور بعد ازاں وہیں بیٹھ گئے۔ فرمایا قرضخواہوں کو بلاؤ۔ وہ آ گئے تو ہر ایک کو ناپ ناپ کر حضور نے کھجور دینی شروع کیں حتّٰی کہ سب قرضدار نپٹ گئے اور وہ ڈھیر مجھے جوں کا توں نظر آتا تھا۔ گویا ایک دانہ بھی اُس میں سے کم نہیں ہوا۔

میں تو اتنے ہی پر خوش تھا۔ کہ ساری پیداوار قرضخواہ لے لیں۔ اور مجھے گھر لے جانے کو ایک کھجور بھی نہ ملے (صحیح بخاری عن شعبی عن جابر)

(۳) صحیحین میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ (سب قرضداروں کو چکا دینے کے بعد) پھر ایک یہودی بھی آ گیا۔ اُسکا قرض ۳۰[1] وسق کھجور کا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ڈھیریاں باقی ہیں اُن[illegible] یہودی لے لے۔ یہودی نے انکار کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایکبار اُن ڈھیروں میں سے گزر گئے۔ پھر حکم دیا۔ کہ یہودی کو ناپ کر دیدو۔ چنانچہ اُسکے ۳۰ وسق پورے ہو گئے اور ۱۷ وسق ابھی اور بھی باقی رہ گئے۔ عمر فاروق رضؓ نے فرمایا۔ کہ جب حضورؐ ڈھیریوں میں سے ہو کر نکلے تھے میں تب ہی سمجھ گیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈال دیگا (شیخین بروایت وہب بن کیسان عن جابر رضؓ)

(۴) صحیح مسلم میں ہے۔ اُمّ مالک کے گھر ایک کُپّی گھی کی تھی۔ وہ اُس میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گھی نکال نکال کر بھیجا کرتی تھی۔ اُسکے بچّے جب سالن مانگتے اور سالن نہ ہوتا تو اُسی کُپّی میں سے گھی نکال کر اُنہیں بھی دیا کرتی۔ مدتوں یہی طریقہ جاری رہا۔ ایک روز اُمِّ مالک نے اُسی کُپّی کو نچوڑ لیا بعد ازاں اُس میں سے گھی نہ نکلا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَوْ تَرَكْتِيهَا مَا زَالَ قَائِمًا اگر تم نچوڑ نہ لیتی تو اُس میں ہمیشہ گھی پایا جاتا۔

(۵) ابن ابی شیبہ اور احمد اور طبرانی اور ابن سعد نے خباب رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے

---

[1] ایک وسق ۶۰ صاع کا اور ایک صاع دو سیر ۷ چھٹانک کا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

روایت کیا ہے۔ کہ اُن کا والد جہاد پر چلا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر آتے اور بکری کا دودھ دوہ جاتے۔ گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خباب واپس آگئے۔ اُنہوں نے دودھ نکالا تو اتنا ہی نکلا جتنا پہلے اس بکری کا ہوا کرتا تھا۔

(۱۰) صحیح بخاری میں عبد الرحمٰن بن ابوبکر صدیق کی روایت ہے۔ کہ ایک سفر میں ۱۳۰ نفر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ (جب منزل پر اُترے تو) حضور نے پوچھا۔ کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے۔ ایک صحابی کے پاس قریبًا دو سیر آٹا تھا۔ وہ گوندھ لیا گیا۔ پھر ایک شخص ریوڑ لئے ہوئے وہاں پہنچا۔ اُس سے ایک بکری خرید لی گئی۔ بکری کی کلیجی آگ پر بھون لی گئی۔ اور سب حاضرین کو تقسیم کر دی گئی۔ بعد ازاں وہ کلیجی دو برتنوں میں ڈالی گئی۔ سب نے اُسے سیر ہو کر کھایا پھر بھی وہ ختم نہ ہوئی۔ تو اُسے بھی اونٹ پر رکھ لیا۔

نباتات پر اثر

(۱) حنین جذع

حنین لغت میں مشتاق کی اس آواز کو کہتے ہیں۔ جو فراق محبوب میں اُس کے منہ سے نکلے جذع کھجور کے کٹے ہوئے تنہ کو کہتے ہیں ہم اس جگہ جس روایت کا اندراج کرنے والے ہیں اسے دواوین حدیث میں سے صحیح بخاری۔ صحیح مسلم صحیح ابن خزیمہ۔ اور صحیح ابن حبان اور مسند شافعی۔ و مسند احمد و سنن نسائی و ترمذی و ابن ماجہ و مستدرک حاکم و بیہقی و طبرانی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام میں اس روایت و رؤیت عینی کے بیان کرنے والے۔ شیخ القراء ابی بن کعب (مات سنہ ۱۹ھ) و جابر بن عبد اللہ الشہید (مات سنہ ۷۴ھ) و خادم الرسول انس بن مالک (مات سنہ ۹۳ھ) و عاشق السنہ عبد اللہ بن عمر الفاروق (مات سنہ ۷۳ھ) و ابن عم النبی عبد اللہ بن عباس (مات سنہ ۶۸ھ) و سہل بن سعد الساعدی (مات سنہ ۹۱ھ) و ابو سعید سعد بن مالک خدری (مات سنہ ۷۴ھ) و بریدہ بن الخصیب اسلمی (مات سنہ ۶۳ھ) و ام المومنین ام سلمہ (مات سنہ ۵۹ھ) اور مطلب بن ابی وداعہ

القرشی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں واقعہ یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی تعمیر کی گئی۔ تو شروع شروع میں کوئی منبر[1] نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت ایک کھجور کے خشک ٹنڈ کیساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد تمیم داری[2] رضی اللہ عنہ نے نبی رسول اللہ علیہ وسلم کی اجازت لیکر باقوم نجار سے جو ایک انصاریہ کے غلام تھے منبر تیار کرا لیا۔ وہ تین زینہ کا تھا۔ یعنی دو زینے اور تیسری نشست کی جگہ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب پہلی دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ شروع فرمایا اور کھجور کا ٹنڈ حضور کی ٹیک لگانیکی عزت سے محروم رہ گیا۔ تب اُس سے آواز گریہ آنی شروع ہوئی۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ (یعنی وہ بچوں کیطرح چلّایا) اور جابر بن عبداللہ کی روایت میں ہے سَمِعْنَا لِذٰلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ (دس ماہیہ حاملہ اونٹنی کی سی آواز ہمنے اسکی سنی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے۔ اُس پر دست شفقت رکھا تو وہ چپ کر گیا۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے منبر کے متصل دفن کروا دیا (زیادہ تفصیل راقم کے سفرنامہ حجاز میں درج ہے)

ابن ابی حاتم نے کتاب مناقب الشافعی میں درج کیا ہے کہ امام شافعیؒ[3] نے ایک دفعہ فرمایا۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو علمیات عطا فرمائے تھے۔ وہ کسی نبی کو نہیں ملے کسی شخص نے پوچھا کہ عیسےٰ علیہ السلام کے معجزہ احیائے موتی[4] کے بالمقابل حضور کو کیا

---

[1] منبر۔ آواز کو بلند کرنا۔ منبر آواز بلند کرنے کی جگہ۔

[2] تمیم بن اوس بن خارجہ۔ دار ایک قبیلہ بن لخم کا قبیلہ ہے قبل از اسلام یہ عیسائی عالم تھے

[3] محمد بن ادریس القرشی المطلبی یکے از ائمہ اربعہ ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ مصر میں مدفون ہیں۔ از روئے نسب جملہ ائمہ دین کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی قریب تر ہیں۔

[4] ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسےٰ علیہ السلام کو اس معجزہ نمائی کی طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ باذن اللہ کسی مردہ کا احیا فرما سکیں۔ اُن کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں ہے وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے۔ کہ کبھی عملاً اس کا ظہور بھی ہوا۔ معالم التنزیل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیگئی ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا۔ (۱) عازر مسیح کا دوست۔ جسے تین دن کے بعد قبر میں سے نکالا۔ (۲) ایک بڑھیا کا بیٹا جس کا جنازہ لے چلے تھے۔ اور لوگوں کے کندھوں سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

عطا ہوا تھا۔ امام نے فرمایا کہ حنین جذع کا واقعہ موجود ہے۔ جس کا تھر تھرانا بروایت نسائی، اور رونا و چلانا بروایت صحیحین و غیرہما سے ثابت ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳

اُتر کر گھر آ گیا (۲) ایک چونگی کے محصول لینے والے کی بیٹی۔ ایک دن کی مری ہوئی گھر میں پڑی تھی (۴) سام بن نوح علیہ السلام۔

واضح ہو کہ صاحب معالم نے اس روایت کو بلا سند روایت کیا ہے لہذا محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے۔

اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مصنفین اناجیل اربعہ نے بھی ایسا کوئی واقعہ حضرت عیسیٰ مسیح کا درج کیا ہے یا نہیں۔

العذر کا ذکر صرف انجیل یوحنا میں ہے۔ وہ اُس عورت کا بھائی ہے جس نے مسیح کے قدموں پر قدرتی عطر انڈیل دیا تھا۔ یوحنا کہتا ہے کہ یہ واقعہ یروشلم سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہوا تھا۔ اور اُسی وقت مشہور ہو گیا تھا۔ تعجب ہے کہ مصنفین اناجیل ثلاثہ سے یہ واقعہ کیونکر پوشیدہ رہا (ب) بڑھیا کے بیٹے کا ذکر اناجیل میں مطلق نہیں۔ (ج) ابن عباس کی روایت میں حسنہ بنت العاشر کہا ہے۔ اُس کا ذکر لوقا و مرقس نے کیا ہے۔ اور اُسے عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی بتلایا ہے۔ انجیل نگار لکھتے ہیں کہ سردار کے گھر سے اطلاع آئی کہ لڑکی مر گئی۔ اور مسیح نے کہا کہ وہ نہیں مری۔ مسیح اُنکے گھر پر گیا۔ جہاں لوگ اور بھی تھے مسیح نے لڑکی کو دیکھ کر کہا کہ وہ نہیں مری۔ لڑکی کو فرمایا کہ وہ اُٹھ بیٹھے۔ تو وہ اُٹھ بیٹھی۔ ہم مسلمان مسیح کے سنہ کے الفاظ کو صحیح سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ لڑکی نہ مری تھی۔ بلکہ اُس پر سکتہ یا ضعف طاری ہو گیا تھا اور مسیح کی برکت سے اُس نے شفا پائی (۴)۔ سام بن نوح کے زندہ کرنے کا قصہ بھی اناجیل میں نہیں۔ میرا مقصود انجیل کے ان حوالجات کا اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مسیح کی قوت احیاء موتی سے اناجیل خالی ہیں۔ اور اعجاز شہادت اور روایت اور تواتر میں بڑھا ہوا واقعہ حنین جذع ہے۔

ہاں اناجیل کی صحت سے زیادہ صحت اور نبوت والی روایت ہمارے دین میں بھی موجود ہے۔ جسے طبرانی اور ابونعیم وابن مندہ اور ابن ابی الدنیا نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کو امام ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب میں اور قاضی عیاض نے کتاب شفا میں اور قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں درج کیا ہے۔ کہ زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا بعہد خلافت عثمان ذو النورین رہ چلتے ہوئے گر کر انتقال ہو گیا تھا۔ عصر کے وقت اُن کے کوچہ میں سے مردہ اُٹھایا گیا۔ اور گھر پہنچایا گیا۔ مغرب و عشا کا درمیانی وقت تھا۔ ان کی لاش مسہری پر رکھی ہوئی تھی کپڑا پڑا ہوا تھا۔ گھر کی عورتیں جمع تھیں۔ کہ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا کی آواز آئی۔ سب چپ کئے ہو گئے۔ کہ آواز کدھر سے آئی دیکھا تو کپڑے کے نیچے سے آواز آ رہی تھی۔ مرد و عورت جمع ہو گئے۔ زید کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا گیا تو انہوں نے مندرجہ ذیل کلام کیا۔

"محمد رسول اللہ النبی الامی وخاتم النبیین کان ذلک فی الکتاب الاول۔ صدق صدق"[1]

[1] ان الفاظ کو شرح شفا مصنفہ ملا علی قاری اور کتاب الاستیعاب سے نقل کیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ

راقم عرض کرتا ہے۔ کہ احیائے موتیٰ سے مراد جسم موتیٰ میں اُسوقت حیات کا اعادہ ہے۔ جو شخص میت میں پہلے کبھی حاصل تھی۔ مگر گریہ نخل تو اُس سے بھی عجیب تر ہے۔ یعنی ایک نباتی جسم کے اندر ایک ایسی صفت کا پیدا ہوجانا جو خاص انسانی صفت ہے۔ یہ انسانی صفت نہ صرف تھرتھرانا۔ پکپکانا۔ اور رونا ہے۔ بلکہ فراق محبوب کا احساس اور فقدان شرف کا علم بھی اسکے اندر حاصل ہے۔ بلکہ یہ تو ایک عاشقانہ رنگ ہے۔ جو ایک کھجور کے ٹنڈ میں نظر آیا۔

امام حسن بصریؒ رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے۔ تو کہا کرتے تھے۔ اے دعویداران بشریت۔ فراق رسول میں ایک ٹنڈ کا یہ حال تھا۔ تو اب اپنی حالتوں کا بھی اُس سے مقابلہ کرلو۔

ہ امام حسن بصری ابو سعید بن ابوالحسن یسار نام ولادت ۲۱ھ وفات یکم رجب ۱۱۰ھ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۴

السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ احمد احمد فی الکتاب الاول ابو بکر الصدیق الضعیف فی نفسہ القوی فی امر اللہ فی کتاب الاول صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاول۔

صدق صدق عثمان علی منہاجہ مضت اربع وبقی سنتان اتت الفتن واکل الشدید الضعیف وقامت الساعۃ وسیاتیکم خبر بئر اریس وما بئر اریس لہ

ترجمہ:۔ اللہ کے رسول محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ نبی الامی ہیں۔ اور انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ سچ سچ لوح محفوظ میں اسیطرح ہے اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ کا صلوٰۃ وسلام اور برکتیں ہوں۔

میں اللہ کی حمد کتاب اول میں کرتا ہوں۔ ابوبکر صدیق جسم میں کمزور۔ مگر اللہ کے حکم میں بہت مضبوط۔ کتاب اول میں اسیطرح ہے۔ سچ سچ۔ عمر قوی اور امین ہے۔ کتاب اول میں اسیطرح ہے۔ سچ سچ۔ عثمان ٹھیک راستہ پر ہے چار سال نکل گئے۔ دو رہ گئے۔ فتنے اور مضبوط کو کمزور کا نگل جانا آپہنچا۔ قیامت قائم ہوگی تمکو چاہ اریس کی خبر ملیگی۔ خبر بھی کیسی کچھ"

واضح ہو کہ اس روایت کی صحت اندراجات انجیل سے ضرور رہ کر ہے۔ زید بن خارجہ باپ۔ بیٹا دونوںؓ اہلی اور سرداران انصار میں سے ہیں فقط:

لہ اس فقرہ میں بھی ایک پیشگوئی موجود ہے۔ جسے چاہ اریس کا واقعہ بتلایا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت پاک کی خاتم مبارک حضور کے بعد صدیق۔ اور صدیق کے بعد فاروق اور فاروق کے بعد ذوالنورین رضی اللہ عنہم درجہ بدرجہ انتقال خلافت کے بعد پہنا کرتے تھے آخر ایام خلافت میں ذوالنورین چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے وہ خاتم اس میں گر گئی اور تلاش کرنے سے پھر نہ ملی۔ اسی دن سے اختلال خلافت کا آغاز ہوا فقط۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس واقعہ کو قاضی عیاض و دیگر محدثین کرام نے مشہور و متواترہ تسلیم کیا ہے۔

میرا فہم ناقص یہ ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس نخلہ کو دفن کرا دینا غالباً اسی لئے تھا۔ کہ وہ صفات انسانی کا مظہر بنگیا تھا۔ اس نکتہ کے لیے امام شافعی کی دلیل میں اور بھی زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

حیوانات پر اثر

(۱) صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب گیا تھا۔ میرا اونٹ رہ گیا تھا۔ اور چل نہ سکتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے راہ میں ملگئے۔ پوچھا۔ اونٹ کیا ہے میں نے کہا بیمار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو ڈانٹا۔ اور دعا بھی فرمائی۔ وہ سب سے آگے آگے چلنے لگا۔ حضور نے پھر مجھ سے پوچھا۔ تو میں نے عرض کر دیا۔ کہ اب وہ اچھا ہے۔ اور اُسے حضور کی برکت کا حصّہ مل گیا ہے۔

(۲) صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بلایا۔ اُسنے حاضر ہو کر کہا کہ میری اونٹنی ایسی ہو گئی ہے۔ کہ مجھے حاضر ہونے میں دیر لگی۔ حضور نے اونٹنی کے ایک ایڑ لگائی۔ وہ سب سے آگے نکلنے لگی۔

(۳) مسند احمد میں خباب رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت ہے کہ خبابؓ تو جہاد پر گئے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری خبر گیری فرماتے اور ہماری بکریاں دوہ جاتے اور گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خبابؓ واپس آگئے تو بکریوں کا دودھ بھی اتنا رہ گیا۔ جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔

(۴) بیہقی نے جمیل سے روایت کی ہے۔ کہ میں ایک غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ تھا میرے پاس ایک کمزور دُبلی سی گھوڑی تھی۔ اور میں سب سے پیچھے رہا کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آملے۔ فرمایا۔ گھوڑی والے چلو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو دُبلی بھی ہے اور کمزور بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا چابک اُسے لگایا۔ اور یہ الفاظ بھی زبان سے فرمائے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِیْهَا پھر تو وہ ایسی تیز ہوگئی کہ مجھے اُسکی لگام سنبھالنا اور سب سے آگے نکل جانے سے روکنا مشکل ہوگیا تھا۔ بعد ازاں میں نے اُسکے شکم کے دس بچھڑے بھی فروخت کئے۔

(۵) ابن سعد و ابویعلیٰ بزار و ابن مندہ۔ بیہقی و ابونعیم اور حاکم نے (معہ تصحیح) سفینہ رضی اللہ عنہ سے جو حضور کے آزاد کردہ غلام تھے۔ روایت کی ہے کہ اُنہوں نے بحری سفر کیا کشتی ٹوٹ گئی اور ایک تختہ پر بہتے ہوئے ایک ساحل پر پہنچ گئے جسکے ساتھ جنگل تھا۔ اس میں شیر تھے۔ ایک شیر میری طرف آیا۔ میں نے کہا۔ او شیر۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ شیر دم ہلانے لگا اور میرے برابر برابر چلتا ہوا مجھے رستہ پر ڈال گیا۔ جب میں اُس سے الگ ہوا تو وہ دھاڑتا تھا۔ گویا مجھے رخصت کر رہا تھا۔

افلاک پر اثر

اور

معجزہ شق قمر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشہر معجزات میں سے شق قمر کا معجزہ ہے۔ کفار نے علماء یہود سے دریافت کیا تھا۔ کہ ہمکو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اُسکی صداقت کا نشان کیا طلب کرنا چاہیئے اُنہوں نے کہا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے۔ تم کہو کہ ہمکو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلائے امید کہ محمدؐ کچھ نہ دکھلا سکیگا۔ انہیں کی سکھلاوٹ سے کفار نے شق قمر کا سوال کیا تھا۔ ؎

؎ مجھے خیال گزرتا ہے کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام کے سب سے بڑے معجزہ فلق بحر سے شق قمر کا تخیل پیدا کیا تھا۔ وہ قطعاً جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ جیسا معجزہ دکھلانا ہی دوسرے کیلئے محال ہے چہ جائیکہ ایسا معجزہ جو پہلے معجزہ کے مقابلہ میں زمین و آسمان کا فرق رکھتا ہو۔ فقط۔

احادیث شق القمر کے راوی عبد اللہ بن مسعود۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ جبیر بن مطعم نوفلی۔ انس بن مالک۔ عبد اللہ بن عباس۔ اور عبد اللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہم ہیں۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَیْنِ فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِشْهَدُوْا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا اُس سے نیچے تھا۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ دیکھو گواہ رہنا۔

اس روایت میں لفظ اِشْهَدُوْا۔ اس لئے ہے کہ شق قمر کا وقوع طلب کفار کے بعد بطور معجزہ رسول اخیار واقع ہوا تھا۔ ورنہ تاکید شہادت کے کیا معنے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیحین میں ہے۔

اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّرِیَهُمْ اٰیَةً فَاَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ شِقَّتَیْنِ حَتّٰی رَاَوْا حِرَاءً بَیْنَهُمَا۔

اہل مکہ (کفار) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی۔ کہ اُنکو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُنہی چاند کا پھٹنا دکھلایا۔ اُسکے دو ٹکڑے تھے۔ کوہ حرا۔ اُن دونوں کے درمیان تھا۔

صحیحین کی ایک روایت عن ابن مسعود میں یہ بھی صراحت ہے کہ اِنْفَلَقَ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یعنی جب چاند پھٹا ہے۔ تو اُس وقت ابن مسعود بھی مع دیگر صحابہ کے حضور کی خدمت میں حاضر تھے۔

علی ہذا بیہقی اور ابو نعیم نے جو روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ ہم مکہ میں تھے جب شق قمر کا واقعہ ہوا

ان تصریحات سے واضح ہے کہ اجلہ صحابہ میں سے تین بزرگوں سیدنا علی۔ وعبد اللہ بن مسعود۔ وجبیر بن مطعم نوفلی کی شہادت چشم دید ہے۔ اور عبد اللہ بن عباس اور انس بن مالک کی روایت مرسل صحابی ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ ہر دو

احتمال ہو سکتے ہیں اور غالب ظن یہ ہے کہ وہ بھی چشم دید راوی ہیں[1]۔ کیونکہ انکے آخری لفظ یہ ہیں فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ رسول اللہ نے فرمایا کہ یا اللہ گواہ رہنا کہ میں نے کفار کو یہ نشان دکھلایا ہے)

اس معجزہ کی توثیق

قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ	وقت آگیا۔ اور چاند پھٹ گیا۔ اور کفار جب کوئی بڑا نشان دیکھتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے۔ جو ہوتا رہا ہے۔

علماء جانتے ہیں کہ ق ر ب کی بجائے اقترب کا استعمال وقوعہ کی تاکید کے لئے ہے الساعۃ سے مراد خواہ قیامت ہے اور شق قمر جیسے واقعات اس تغیر عظیم کے قریب ہونے کی خبر دینے والے ہیں۔ جیسا کہ شمس و قمر۔ اور نجوم و کواکب اور جبال و ارض سب کے سب ہی تلف ہو جائیں گے۔

خواہ الساعۃ سے مراد وہ وقت مقررہ ہے جو علم الٰہی میں واقعہ شق قمر کیلئے تھا۔ اس معنے کا اطلاق قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے۔

(۱) لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَۃً (۲) مَا لَبِثُوْا اِلَّا سَاعَۃً۔ لیکن ان مقامات پر ساعۃ معرف باللام نہیں۔

شبہ کرنے والے بیان شبہ سے نہیں چوکا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ شق قمر میں انشقاق نہ ہوا تھا بلکہ روایت انس رضی اللہ عنہ میں لفظ اَرَاھُمْ واقع ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ کفار کی آنکھوں کو چاند کا دو ٹکڑے نہیں ہو جانا دکھلا دیا گیا تھا۔

کاش یہ لوگ اسی روایت میں اور اسی لفظ اَرَاھُمْ سے پہلے کے الفاظ سَاَلُوْا اَنْ یُّرِیَھُمْ اٰیَۃً کو دیکھ لیتے۔ کیا کفار کا سوال یہی تھا۔ کہ چاند خواہ شق ہو یا نہ ہو ہمکو

---

[1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ۷۳ھ میں بعمر ۸۶ سال انتقال کیا یعنی انکی عمر ابتدائی ہجرت کے وقت ۱۳ سال کی تھی۔ انکا اسلام اپنے والد کے ساتھ سنہ ۶ نبوت کو تھا۔ اور واقعہ شق قمر سنہ ۹ نبوت کا ہے۔ لہٰذا شہادت چشم دید ہے۔

شق شدہ نظر آجائے" یقیناً اُن کا یہ سوال نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ لہذا آرا ھُم تو اسی یُں یقصم کے وقوع کی اطلاع ہے۔

دوسرے دونکا شبہ یہ ہے کہ یہ تو زمانہ مستقبل کے متعلق اطلاع ہے کہ چاند پھٹ جاویگا لیکن اقترب اور انشق دونوں لفظ صیغہ ماضی کے ہیں۔

اور مزید براں خود کفار نے اُسے دیکھ کر سحرٌ مُستمِرٌ کہا ہے۔ اگر اس کا تعلق مستقبل سے ہوتا۔ تو وہ اس واقعہ کو سحر مستمر سے کیوں تعبیر کرتے۔

الغرض شک و شبہ کے شبہات پیدا کرنے کے بعد بھی واقعہ ہذا بکمال صحت ثابت ہے پرانے زمانہ کے متشکک جو دقیانوسی ہیئت سے روشنی گیرتھے۔ خرق و التیام اجرام سماوی کے امکان و عدم امکان پر بھی بحث کیا کرتے تھے لیکن اب نہ اُن کی وہ زمین باقی ہے اور نہ آسمان۔ اس لئے وہ اعتراضات بھی باد رہوا ہو گئے۔

کاش ان لوگوں کو زلزلہ ارضی سے سبق ملتا۔ کہ کسطرح زلزلہ کے جھٹکے سے ہموار زمین میں غار پڑجاتے ہیں اور کیونکر وہی غار دوسرے جھٹکے میں پھر ہموار شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

ہمکو اپنے زمانہ میں جو اعتراض سننا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر چاند پھٹ گیا ہوتا تو کیا ہندوؤں اور عیسائیوں کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور نہ ہوتا۔

ہندوؤں کا اعتراض تو تب صحیح ہوتا جب اُنکے ہاں تواریخ کی کتابیں بھی پائی جائیں جس ملک میں سرے سے کوئی تاریخ ہی موجود نہ ہو۔ جہاں واقعات ملک و قوم کی کوئی یادداشت موجود نہ ہو اُن کو دوسرے ملک کی بابت کہنا کہ ہماری کتابوں میں اس کا ذکر نہیں۔ کہانتک زیبا ہو سکتا ہے۔

مصریوں کو دیکھو۔ یہ بھی تہذیب قدیم کے بلند دعاوی میں ہندوؤں سے بڑھے ہوئے ہیں مگر اُن کی کتابوں میں واقعات موسیٰ علیہ السلام کا کہیں نشان نہیں ملتا جس ملک کی تاریخ ایسے ایسے واقعات ارضی سے خالی ہو۔ اُن سے یہ توقع کہ اُنکے ہاں جملہ واقعات سماوی بھی ضرور ہی مندرج ہونے چاہئیں۔ کیونکر درست ہو سکتی ہے۔

ہاں یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھو کہ وہ کتاب یشوع ۱۰/۱۲ کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

یسوع نے کہا۔ اے آفتاب جبعون پر ٹھہر رہ۔ اور اے ماہتاب تو وادی ایالون کے مقابل ۱۲/۱۳ تب آفتاب نے درنگ کیا اور ماہتاب ٹھہرا رہا۔ یہانتک کہ اُن لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا۔

۱۳/۱۴ قریب دن بھر کے سورج غروب کی طرف مائل نہ ہوا۔

کیوں جناب سورج اور چاند کا ۱۲ گھنٹے کے لئے اپنی رفتار سے رُک جانا کسقدر زیادہ عجیب ہے شق القمر کا واقعہ تو رات کا تھا۔ ہزاروں مقامات پر لوگ سوئے ہونگے ہزاروں انسان گھروں کے اندر ہونگے۔ لیکن سورج کا ۱۲ گھنٹے رُک جانا تو سارے جہان میں تہلکہ ڈال دینے والی بات تھی لیکن اس کا ذکر یسوع کی معاصر کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملتا۔ اور باایں ہمہ آپ اس واقعہ کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اب ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ واقعہ رات کو ۹ بجے وقوع پذیر ہوا۔ تو اُسوقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں اوقات کیا تھے۔

نام ملک	گھنٹے	منٹ[1]	نام ملک	گھنٹے	منٹ[1]
ہندوستان	۱۲	۵۰ شب	برہما	۱	۵۰ بعد نیم شب
مارشیش	۱۱	۲۰ شب	شمالی لینڈ الاسکہ	۱۰	۲۰ شب
رومانیا۔ بلگیریا۔ ٹرکی۔ یونان جرمن۔ لکسمبرگ۔ ڈنمارک سویڈن	۸	۲۰ دن	ریاست ہائے ملایا	۲	۲۰ بعد نیم شب
			جزائر سنڈوچ	۷	۵۰ دن
ہالینڈ۔ نڈیریا	۵	۲۰ دن	انگلستان۔ آئرلینڈ۔ فرانس بلجیم۔ سپین۔ پرتگال۔ جبل الطارق۔ الجیریا	۶	۲۰ دن
مشرقی برازیل	۳	۲۰ بعد نیم شب			
متوسط برازیل و چلی	۲	۲۰ بعد نیم شب	پیرو۔ پناما۔ جمیکا۔ بہاماز۔ امریکہ	۱	۲۰ بعد نیم شب
برٹش کولمبیا	۱۰	۲۰ قبل دوپہر	سموآ	۶	۲۰ دن
یوکون	۹	۲۰ قبل دوپہر	نیوزی لینڈ	۶	۵۰ صبح

[1] یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے حساب سے ہے۔ ۱۲ منہ

نام ملک	گھنٹے	منٹ	نام ملک	گھنٹے	منٹ
تسمانیہ۔ وکٹوریا۔ نیو ساؤتھ ویلز	۵	۲۲ صبح	مغربی آسٹریلیا۔ شمالی بورنیو		
جنوبی آسٹریلیا	۴	۵۰ صبح	جزائر فلپائن۔ ہانگ کانگ	۳	۲۰ بعد دوپہر
جاپان کوریا	۴	۲۰ بعد دوپہر	چین۔		

معجزات کی قسم دوم

یعنی اطلاع اخبار مستقبلہ و واقعات آئندہ

عہد مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا کسی شخص کو بھی یہ پتہ نہیں کہ آنیوالے کل کو وہ کیا کیا کرے گا۔

علم غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے۔ لَہٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

رب العالمین ہی اپنے برگزیدہ انبیاء و رسل پر علم غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا ہے جسکی اُن کو ضرورت ہوتی۔ یا جسکی ضرورت اُن کی صداقت و رسالت کا یقین دلانے کے لئے پائی گئی (فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ) وہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ مگر جس رسول سے وہ خوش ہوا۔

معجزات مادی کا انکار کرنے والے۔ اور شکوک و اوہام کے دام میں گرفتار تو بہت پائے جاتے ہیں مگر اخبار مستقبلہ کی اطلاع صحیح کی تاویل ایسے لوگ بھی نہیں کر سکتے۔ لہذا یہ بھی معجزات میں داخل و شامل ہیں الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک معجزات مادی کا درجہ بڑا ہے اور کسی کے نزدیک اظہار اخبار غیب کا درجہ بڑا۔

صدیقہ بنت صدیق ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے۔ کہ نزول وحی سے پیشتر حضور پر رویائے صادقہ کا باب کھولا گیا تھا۔ حضور پر نور جو کچھ خواب میں دیکھ لیتے۔ بیداری میں وہ واقعہ اُسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کے رویاء کو دیگر اکابر صالحین کے رؤیا پر یہی فوقیت ہے کہ اوروں کے

خواب تمثیلی رنگ میں بھی ہوتے ہیں مگر انبیاء کے رؤیا میں جلوہ حقیقت ہوتا ہے۔ ذبح پسر کے متعلق امام الخلائق ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کا ذکر قرآن مجید میں ہے حضور اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں۔ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تم غور کرو کہ اس میں تمہاری رائے کیا ہے۔

خلیل الرحمٰن کا فرزند ذبیح اللہ کے منصب پانیکا آرزومند نبی بن نبی جواب دیتا ہے یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ۔ بزرگ باپ جو حکم آپکو ملا ہے اُس پر عمل کیجیے۔

غور کرو کہ صورت مرئیہ منام کا نام اُنہوں نے امر الٰہی رکھا ہے۔ چنانچہ اُسکی تعمیل ٹھیک اُسی صورت میں کیگئی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک خواب کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا ہے

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ	اللہ نے اپنے رسول کے اس خواب کو پوری حقانیت کے ساتھ پورا کر دیا۔ کہ تم انشاء اللہ کعبہ میں داخل ہو گے۔ اُسوقت بعض مسلمان اپنے سر منڈائے

ہوتے ہونگے۔ اور بعض نے بال کٹوائے ہوئے۔

یہاں بھی مسجد الحرام۔ اور حلق و قصر اپنے اصلی معنی میں تھے۔

خواب کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مشاہدات اور اعلامات ہیں جن میں حضور نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر اہل دنیا کو مطلع فرمایا ہے۔ عنوان بالا کے تحت میں ہم ایسے ہی واقعات کا ذکر بالاختصار کرتے ہیں۔

۱۔ اطلاع اخبار مستقبلہ

(۱) حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور حضور نے ہر ایک بات جو قیامت تک ہونے والی تھی بیان فرما دی۔ جسے یاد ہے اُسے یاد ہے۔ جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ میرے سامنے بھی جب ایسا واقعہ آجاتا ہے جو میں بھول چکا

تھا۔ تو اُسے دیکھتے ہی سمجھ جاتا ہوں۔ جیسے ہم کسی شخص کو بھول جایا کرتے ہیں۔ اور پھر اُس کا منہ دیکھ کر اُسے پہچان لیا کرتے ہیں (بخاری و مسلم) صحیح مسلم بروایت ابوزید روائت بالا کے متعلق یہ مزید صراحت ہے کہ حضور نے نماز فجر کے بعد نماز ظہر تک خطبہ فرمایا۔ نماز پڑھ کر پھر خطبہ شروع کر دیا۔ غروب شمس تک یہی ہوتا رہا۔ اس خطبہ میں واقعات تا قیامت کا ذکر فرمایا تھا۔ جسے وہ خطبہ زیادہ محفوظ رہ گیا ہے وہ ہم میں سے زیادہ عالم ہے۔

جہاد بحری کی اطلاع

(۲) انس رضی اللہ عنہ سے روائت ہے۔ کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام حرام کے گھر میں آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو حضور ہنس رہے تھے۔ ام حرام نے وجہ پوچھی۔ فرمایا مجھے میری اُمت کے وہ غازی دکھلائے گئے جو سمندر میں جہاد کے لیے سفر کرینگے۔ وہ اپنے جہازوں پر ایسے بیٹھے ہونگے۔ جیسے ملوک اپنے اپنے تخت پر نشست کرتے ہیں۔ ام حرام نے عرض کی کہ میرے لئے بھی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے انہیں شامل فرمائے۔ حضور نے دعا کر دی اور پھر لیٹ گئے پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ فرمایا مجھے میری اُمت کے دوسرے غازی جہازوں پر سوار ہو کر جہاد کرنے والے دکھلائے گئے ام حرام نے کہا۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اُن میں شامل فرمائے۔ فرمایا نہیں۔ تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں جب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بحری جہاد کو گئے۔ تو یہ ام حرام بھی اپنے شوہر کے ساتھ گئیں۔ غزوہ سے واپسی کے وقت ام حرام کے لئے سواری لائی گئی۔ وہ سوار ہونے لگیں تو جانور نے لات ماری۔ اور اُن کا انتقال وہیں ہو گیا (صحیح بخاری و مسلم)

پیشگوئی

(۳) صحیح بخاری میں عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کی روائت ہے کہ میں نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا۔ اور اس نے فاقہ کی شکایت کی۔ دوسرا آیا۔ اس نے ڈکیتیوں کی شکایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اے عدی اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے اکیلی چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی۔ وہ اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتی ہوگی (میں نے اپنے دل میں کہا کہ طے کے ڈکیت کدہر چلے جائیں گے جنہوں نے تمام بستیوں کو اُجاڑ رکھا ہے)

(پھر فرمایا) اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو جا کھولو گے۔ میں نے پوچھا کیا کسریٰ بن ہرمز۔ فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز (پھر فرمایا) اگر تیری عمر لمبی ہوئی۔ تو تو دیکھ لیگا۔ کہ ایک زکوٰۃ کا سونا اور چاندی لئے ہوئے پھریگا۔ اور اُسے کوئی نہ ملیگا جو زکوٰۃ کا پیسہ لینے والا ہو۔

عدی کہتے ہیں میں نے ایسی بڑھیا کو بھی حج کرتے دیکھ لیا۔ جو کوفہ سے اکیلی حج کو آتی تھی۔ اور اللہ کے سوا اُسے کسی اور کا خوف نہ تھا۔ اور خزائن کسریٰ کی فتح میں تو میں شامل تھا۔ تیسری بات بھی اے لوگو تم دیکھ لوگے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کی سلطنت میں تیسری بات بھی پوری ہوگئی۔ کہ زکوٰۃ دینے والے کو تلاش سے بھی کوئی فقیر نہ ملتا تھا۔ اور وہ اپنا مال گھر واپس لے جایا کرتا تھا۔

پیشگوئی متعلق فتوحات ممالک

(۴۹) بیہقی وابونعیم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بہت بڑا۔ اور بہت سخت پتھر نکل آیا۔ جس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حال عرض کیا۔ حضور نے پتھر کو دیکھا۔ کدال کو ہاتھ میں لیا۔ اور بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ اُس وقت حضور نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ (مجھے ملک شام کے خزانے یا کنجیاں عطا کی گئیں) بخدا میں نے وہاں کے سرخ سرخ محلات کو ابھی دیکھ لیا ہے۔ پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر توڑ دیا۔ پھر فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْفَارِسِ۔ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاُبْصِرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْاَبْیَضَ۔ مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ اور میں اسوقت مدائن کے سفید محل کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری ضرب

لگائی۔ اور سارا پتھر چکنا چور کر دیا۔ اور فرمایا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاُبْصِرُ اَبْوَابَ صَنْعَآءَ مِنْ مَکَانِیْ السَّاعَۃَ مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں واللہ میں یہاں سے اسوقت شہر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔"

یہ پیشگوئی اسوقت فرمائی تھی جب مدینہ پر کفار کے عساکر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اور اُنسے بچاؤ کے لئے شہر کے گرداگرد خندق کھودی جا رہی تھی۔ ایسے ضعف کی حالت میں اتنے ممالک کی فتوحات کی اطلاع دینا اللہ کے نبی ہی کا کام ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حرف بحرف پورا فرمایا۔

فتح مصر کی پیشگوئی

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّکُمْ سَتَفْتَحُوْنَ اَرْضًا یُذْکَرُ فِیْهَا الْقِیْرَاطُ فَاسْتَوْصُوْا بِاَهْلِهَا خَیْرًا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَّ رَحِمًا فَاِذَا رَاَیْتُمْ رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلَانِ عَلٰی مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا۔ (مسلم عن ابی ذر)

تم عنقریب اس ملک کو فتح کرلوگے۔ جہاں کا سکہ قیراط ہے۔ تم وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا کیونکہ اُن کو ذمہ اور رحم کے حقوق حاصل ہیں پھر ابوذر سے فرمایا۔ جب تم دیکھو کہ دو شخص ایک اینٹ برابر کی زمین پر جھگڑ رہے ہیں تب وہاں سے چلے آئیو۔

ابوذر رضی اللہ عنہ نے فتح مصر کو بھی دیکھا۔ اور وہاں بود و باش بھی اختیار کی۔ اور یہ بھی دیکھا۔ کہ ربیعہ اور عبدالرحمن بن شرجیل اینٹ برابر زمین کے لئے جھگڑ رہے ہیں۔ تب یہ وہاں سے چلے بھی آئے۔ صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ لَهُمْ ذِمَّةً وَّ رَحِمًا کی تفسیر بیہقی و ابونعیم کی حدیث عن کعب بن مالک میں موجود ہے کہ ہاجرہ ام اسمٰعیل علیہ السلام۔ اور ماریہ قبطیہ ام ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصریہ ہیں۔ حدیث بیہقی و ابونعیم میں ملک مصر کا نام صراحتہً ہے۔

ملک عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیشگوئی

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنَعَتِ الْعِرَاقُ دِرْهَمَهَا وَقَفِيزَهَا وَ	عراق نے اپنے درہم وقفیز کو۔ شام نے اپنے
مَنَعَتِ الشَّامُ مُدْيَهَا وَدِينَارَهَا	مد و دینار کو۔ اور مصر نے اپنے اردب و دینار
مَنَعَتْ مِصْرُ اِرْدَبَّهَا وَدِينَارَهَا وَ	کو روک لیا۔ اور تم ویسے کے ویسے رہ گئے جیسے
عُدْتُمْ مِنْ حَيْثُ بَدَأْتُمْ۔ (صحیح	شروع میں تھے [1]

مسلم عن ابی ہریرہ)

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں صیغہ ماضی کا استعمال فرمایا ہے، حالانکہ اس کا تعلق عہد مستقبل سے تھا۔ اس لئے کہ علم الٰہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا تھا۔

حدیث بالا اُس زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے۔ جب مدینہ منورہ میں خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اور دمشق میں سلطنت امویہ کا قیام ہو گیا تھا۔ کہ پھر حجاز میں ان ممالک سے مالیہ نہ بشکل سکہ اور نہ بشکل جنس کبھی حجاز کو حاصل نہ ہوا۔ یہ پیشگوئی اب تک بارہ صدیوں سے اسی طرح پر چلی آتی ہے۔

پیشگوئی کہ شہنشاہ ایران کے کنگن سراقہ اعرابی کو پہنائے جائینگے

(۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے فرمایا۔

كَيْفَ بِكَ اِذَا لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرٰی	تیری کیا شان ہوگی۔ جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائینگے۔
(بیہقی عن طریق ابن عتیبہ)	

بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ جب عمر فاروق کے پاس فتح ایران کے مال غنیمت میں کسریٰ کے کنگن پہنچے تو انہوں نے سراقہ بن مالک کو بلایا۔ اور اُسے وہ کنگن پہنائے۔ جو سراقہ کے بازوؤں کے اوپر تک پہنچے۔

فاروق نے کنگن پہنا کر زبان سے کہا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے کسریٰ بن ہرمز سے جو اپنے آپ کو رب الناس کہلاتا تھا۔ یہ کنگن چھین لئے۔ اور آج سراقہ بن مالک اعرابی مدلجی کو پہنائے۔

امام شافعی نے تحریر کیا ہے کہ یہ کنگن سراقہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی تعمیل میں پہنائے گئے تھے۔

[1] قفیز، مد، اردب، اناج کے ماپنے کے پیمانے ہیں۔ قفیز [illegible] رطل بالقول [illegible] رطل کا اور اردب [illegible] کا ہوتا ہے [illegible]

حدیث بالا کے مختصر فقرہ پر غور کرو۔ جو تین پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ خلافت فاروق کی صداقت پر جس نے نبی اللہ کے ارشاد کو پورا کیا۔

۲۔ فتح ایران پر۔

۳۔ فتح ایران تک سراقہ کے زندہ رہنے پر۔ کتاب الاستیعاب سے واضح ہے۔ کہ سراقہ رضی اللہ عنہ نے ۲۴ھ میں وفات پائی تھی۔ یعنی فتح ایران سے صرف چند سال بعد وہ زندہ رہے۔

معجزات قسم دوم

اب ایسی پیشگوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا اندراج کتب حدیث میں پہلے سے ہو چکا تھا۔ اور اُن کتب کو عالم اسلام میں تداول بین الناس۔ اور اشاعت تام کا درجہ حاصل تھا پھر ان پیشگوئیوں کا ظہور دنیا کے سامنے بعد میں ہوا۔

اس سے ثابت ہوگا۔ کہ ایسی پیشگوئیوں کی نسبت تصنع۔ یا ساخت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نیز ان سے یہ بھی ثابت ہوگا۔ کہ قرب قیامت کی علامات و اشراط جن احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور جن کا ظہور آج ۱۳۴۸ھ تک نہیں ہوا۔ اُن کا ظہور بھی یقیناً اپنے اپنے اوقات پر (جو علم الٰہی میں مقرر ہے) اپنے ظاہری الفاظ۔ اور کمال تطابق کے ساتھ بصیرت افزائے مومنین ہوگا۔

۲۹۳ سال پیشتر کی پیشگوئی

سنن نسائی و بیہقی میں غزوۂ ہند کی پیشگوئی بایں الفاظ درج ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَعَدَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ الْهِنْدِ (الحدیث)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ مسلمان ہندوستان میں غزا کریں گے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث امام نسائی نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ امام نسائی ۲۱۵ھ

کو پیدا ہوئے۔ اور ۳۰۳ھ کو اُنہوں نے وفات پائی سے نسائی طاہر بزادو از جہاں فیروز رفت ہند پر سب سے پہلے سلطان محمودؒ نے ۳۹۳ھ کو حملہ کیا تھا یعنی اشاعت کتاب سنن نسائی سے قریباً ایک صدی بعد۔ جبکہ سنہ ہجرت ۳۹۳ تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اہل اسلام کی کتابوں میں ھند دریائے اٹک کا نام ہے۔ اور اسی مناسبت سے اُنہوں نے ماورائے اٹک کے رہنے والی قوموں کا نام ھندو رکھا تھا۔ (انگریزی میں ہندوستان کا نام انڈیا بھی اسی مناسبت سے ہے) لہذا حدیث بالا کا مصداق وہی غزوہ ہوسکتا ہے۔ جس میں اٹک سے عبور کیا گیا۔

۷۰۵ سال پہلے کی پیشگوئی

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَخْرُجَ نَارٌ مِّنَ الْحِجَازِ تُضِیْءُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰی۔

قیامت نہیں آئیگی۔ جبتک حجاز میں ایسی آگ نمایاں نہ ہو جو بُصریٰ کے اونٹوں پر اپنی روشنی ڈالے گی۔

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ نے ۲۵۶ھ کو اور امام مسلم بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶۱ھ کو انتقال فرمایا تھا۔ اور ان ائمہ کبار کی ہر دو کتب (صحیحین) اُن کی زندگی ہی میں جملہ ممالک اسلام میں داخل درس و تدریس ہو چکی تھیں۔ اور روزافزوں اشاعت کی وجہ سے یہ کتابیں ہر ایک اسلامی علاقہ میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ کا ظہور جمادی الثانی ۶۵۴ھ کو ہوا۔ یعنی شیخین الحدیث کی وفات سے بھی چار صدیوں کے بعد۔

گو امام عینی نے اس آگ کے متعلق (جسکی ابتدا پہاڑ کی آتش فشانی سے ہوئی) جداگانہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ شیخ صفی الدین مدرس مدرسہ بُصریٰ کی شہادت موجود ہے۔ کہ جس روز اس آگ کا ظہور حجاز میں ہوا۔ اسی شب بُصریٰ کے بدوؤں نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کو دیکھا۔ اور شناخت کیا۔

یہ آگ یکم جمادی الثانی کو پہاڑ سے پھوٹ پڑی تھی۔ دوسری تاریخ کو زلزلہ کی رفتار تیز محسوس

ہوتی تھی۔ تیسری کو زلزلہ کی شدت بڑھ گئی۔ چوتھی کو زلزلہ کے ساتھ گرج کی آوازیں بھی آنے لگیں گویا رعد فلک زور زور سے کڑک رہا ہے۔ پانچویں کو دھوئیں نے زمین و آسمان اور افق کو چھپا لیا آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ پتھر پگھلنے لگے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ پہاڑ پر سے نہر احمر کی آبشار گر رہی ہے۔ روز بروز آگ کا رخ جانب شہر مدینہ تھا۔ باشندگان مدینہ نے جمعہ کی شب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہکر بسر کی۔ اور تمام شب تضرع و زاری کرتے رہے۔ صبح کو دیکھا کہ آگ کا رخ پلٹ گیا ہے۔

تعجب خیز یہ امر تھا کہ اس شدت نار کے وقت بھی مدینہ میں جو ہوا آتی تھی۔ وہ ٹھنڈی نسیم ہوتی تھی۔

۶۵۶ سال پہلے کی پیشین گوئی

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْاُنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ

قیامت قائم نہ ہوگی (کئی باتوں کے بعد فرمایا) جب تک تم اُن ترکوں سے جنگ نہ کر لوگے جو چھوٹی آنکھوں والے سرخ چہرے والے پست ناک والے ہونگے اُنکے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہونگے۔

یہ فتنۂ تتر کی خبر ہے ہلاکو خاں کے لشکروں نے خراسان و عراق کو تباہ کیا۔ بعد کو لوٹا تھا اور بالآخر اُن کو بھی ایشیائے کوچک میں شکست عظیم ہوئی تھی۔ یہ واقعہ ۶۵۶ھ کا ہے۔ اور صحیحین میں پانچ صدی پیشتر سے درج چلا آتا تھا۔

۷۰۰ سو برس پہلے کی پیشین گوئی

طبرانی و ابونعیم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوْكُمْ فَاِنَّ اَوَّلَ مَنْ يَّسْلُبُ اُمَّتِيْ مُلْكَهُمْ

ترکوں کو نہ چھیڑنا۔ جبتک وہ تمکو نہ چھیڑیں کیونکہ یہی وہ قوم ہے جو سب سے پہلے میری اُمت سے ملک چھین لیگی

۸۵۵ سال پیشتر کی پیشگوئی

مسند امام احمد میں۔ اور صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اور سنن ابی داؤد میں بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فتح قسطنطنیہ کا ذکر موجود ہے۔

امام ہمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا۔ اور انکی کتاب مسند تاریخ تدوین سے ہمیشہ علماء امت اور ائمہ محدثین کے پیش نظر رہی۔

محمد فاتح سلطان نے قسطنطنیہ کو ۸۵۷ھ ۱۴۵۳ء میں فتح کیا۔ یعنی کتاب مسند سے چھ صدیوں اور سال ہجرت سے ساڑھے آٹھ صدیوں کے بعد دنیا نے نعم الامیر اور نعم الجیش کا نظارہ دیکھ لیا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

۱۳۴۸ سال کی پیش گوئی

فتح مکہ کے دن پنجشنبہ ۲۰ رمضان ۸ھ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبہ بن عثمان اور عثمان بن طلحہ کو بیت اللہ کی کلید عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزِعُهَا	لو یہ کنجی سنبھالو ہمیشہ ہمیش کیلئے۔ تم سے یہ کلید
بَنِي أَبِي طَلْحَةَ مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ	کوئی نہ چھینے گا۔ مگر وہی جو ظالم ہوگا۔

ان مختصر الفاظ میں تین پیشگوئیاں مندرج ہیں۔

(۱) خاندان ابو طلحہ کا دنیا میں برابر باقی رہنا نسل قائم رہنا۔

(۲) کلید بیت اللہ کی حفاظت و خدمت کا انہی سے متعلق رہنا۔

(۳) ان کے ہاتھوں سے کلید چھیننے والے کا نام ظالم ہونا۔

نمبر ۱ و ۲ کی بابت ابتک کل دنیا کو معلوم ہے کہ یہ کلید بنو شیبہ میں آجتک موجود ہے۔ اور یہ نسل ابتک جاری ہے۔

نمبر ۳ کی بابت مورخین کا بیان ہے کہ یزید پلید نے ان سے یہ کلید چھین لی تھی۔ اسکے بعد پھر یہ ۱۳۲۳ سال کا زمانہ شاہد صدق ہے کہ کسی اور شخص نے اللہ کے رسول کی زبان سے

ظالم کہلانے کی جرأت نہیں کی۔

پیشگوئی جسکی تصدیق زمانہ حال ہمارے سامنے بھی کر رہا ہے

صحیح مسلم میں ابو مستورد قریشی کی روائت موجود ہے۔ کہ انہوں نے عمرو بن العاص فاتح مصر کے سامنے یہ بیان کیا کہ آخری زمانہ میں یورپین عیسائیوں کا دنیا میں زور ہو جائیگا۔ عمرو بن العاص نے اسے روکا۔ اور کہا دیکھو۔ کیا کہہ رہے ہو۔ انہوں نے کہا میں تو وہی کہہ رہا ہوں۔ جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ عمرو بولے۔ تب تو درست ہے۔

ناظرین غور کریں کہ یہ روائت صحابی رسول نے اسوقت بیان کی جب عساکر اسلام جملہ اطراف عالم میں مظفر ومنصور تھے۔ جب ان کو عراق وشام ومصر۔ خراسان وایران وسوڈان کی فتوحات میں کہیں ایک جگہ بھی شکست نہ ہوئی تھی۔ عیسائی مسلمانوں کے سامنے جملہ ممالک میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور عقل و وہم وقیاس کے نزدیک یورپین اقوام کی کثرت وغلبہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آسکتی تھی دنیائے اسلام کی یہی حالت امام مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) کی زندگی تک موجود تھی۔ مگر صحابی روائت کرتا ہے۔ اور امام الحدیث اسے اپنی کتاب میں ایمان والقان صحت کے ساتھ درج بھی کر دیتا ہے آج دنیا دیکھ لے۔ کہ امریکن (جو اپنی اصلی نژاد ونہاد کے اعتبار سے یوروپین ہیں) برطانیہ۔ فرانس۔ اٹالیہ۔ پرتگال۔ سویڈن۔ ناروے۔ سوئٹزرلینڈ۔ سپین۔ جرمنی وغیرہ کی حالت کیا ہے؟

پیشین گوئی جس کی صداقت کی شہادت موجودہ زمانہ ادا کر رہا ہے

بیہقی وحاکم نے ابو ہریرہ ومعاویہ سے اور طبرانی نے عوف بن مالک اشجعی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ (لمبی روائت میں) بیان کئے ہیں۔

تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً	میری امت میں تہتر فرقے بن جائیں گے۔

نزول قرآن پاک کے وقت امت محمدیہ کے جملہ افراد کا منفرداً ومجتمعاً ایک ہی نام تھا۔ یعنی

مسلم جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ امیر المومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز تک یہی واحد اور جامع نام سب کا معرفہ رہا لیکن خروج خوارج کے بعد نئے نئے فرقے اور اُن فرقوں کے نئے نئے نام نکلنے شروع ہو گئے ہر ایک فرقہ کو اپنے مختص نام پر ناز ہے۔

یہ پیشگوئی ایسی بداہت اور صداقت کے ساتھ پوری ہوئی ہے۔ اور ہو رہی ہے۔ کہ کروڑوں مسلمانوں کے متدعویہ دعاوی اسکی تصدیق میں موجود ہیں۔

جامع کتاب کا مقصد صرف سیدنا و مولٰنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات (اخبار عن الغیب) کی شکل میں بیان کرنا ہے۔ الحمد للہ کہ جو کچھ اس بارہ میں لکھا گیا۔ وہ ثبوت مقصد کیلئے کافی ہے۔ ہر چند کہ حصر دشوار ہے۔

قسم سوم از معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

بندوں کی دعاؤں کا قبول فرمانا رب العالمین کے صفات علیا میں سے ہے۔ وہ رؤف الرحیم ہر ایک بندہ کی دعا کو بشرطیکہ پورے افتقار و اضطرار سے کیگئی ہو قبول فرماتا ہے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ۔ وہ کون ہے (اللہ کے سوا) جو مضطر کی پکار کو قبول فرماتا۔

وہ رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرہ اہل ایمان و اہل الطاعت کی دعاؤں کو خصوصیت سے منظور فرماتا ہے۔

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب مجھ سے مانگنے والے مجھ سے مانگتے ہیں تو میں اُن کی پکار کو سن لیتا اور درخواست کو منظور کر لیتا ہوں۔

وہ عزیز الحکیم اپنے عبد اور رسول کی عزت اور بزرگی کو جہان و جہانیان کے دلوں میں مستحکم و استوار کرنے کے لئے اُن کی دعاؤں کو بسرعت و بکثرت منظور فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ علامت بجائے خود ایک معجزہ (دنیا کو اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز کرنیوالی) ایک نشان (طالبان ہدایت کو راہ ہدایت پر چلانے والی)

ایک آیت (اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچانے والی) بنجاتی ہے۔

سینکڑوں ایسی نظائر موجود ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان صدق سے جو الفاظ نکلے وہ پورے طور پر اسیطرح منجانب اللہ پورے کئے گئے۔ جیساکہ اُن الفاظ کے معانی لغوی کا اقتضا تھا۔

ایسے نظائر کا حصر دشوار ہے مگر سیرت نگار کا فرض ہے کہ اس چمن فردوس بہار کی شمیم سے ناظرین کے دماغ کو عنبر آگین بنانے کی سعی کرے۔

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں قحط پڑا۔ انہی ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ منبر پر بیان کر رہے تھے۔ کہ ایک اعرابی اُٹھا۔ اُس نے کہا اے اللہ کے رسول مال تباہ ہوگیا۔ اور عیال بھوک سے نڈھال ہے۔ ہمارے لئے دعا فرمایئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اُٹھائے۔ اُسوقت آسمان پر کوئی بدلی بھی نہ تھی۔ اللہ کی قسم کہ ابھی حضور نے ہاتھ نیچے بھی نہ کئے تھے کہ پہاڑوں جیسے بادل جمع ہو گئے۔ پھر حضور ابھی منبر سے نہ اُترے تھے کہ حضور کی ریش مبارک پر قطرات بارش نظر آنے لگے۔ اُس روز سارا دن برستا رہا پھر اگلے دن بھی اور اگلے دن۔ غرض دوسرے جمعہ تک یہی حال رہا۔ اور پھر وہی اعرابی حضور کے سامنے کھڑا ہوا۔ کہا اے اللہ کے رسول اب تو مکانات گرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر یہ لفظ کہے اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا۔ الٰہی گرد و نواح میں برسے۔ ہم پر نہ برسے۔ پھر حضور جدھر جدھر کے بادلوں کیطرف اشارہ فرما دیتے تھے۔ وہی پھٹ جاتے تھے حتیٰ کہ مدینہ صاف نکھر گیا۔ اور شہر سے باہر جل تھل کا منظر ہو گیا۔ اور باہر سے بھی جتنے لوگ آئے سب نے بارش کا ہونا بتلایا۔[1]

قبل سے مضمون پڑھنے کی دعا

(۲) طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے کہ فضر بن نعلبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور

---

[1] بیہقی و ابن عساکر نے اس موقعہ پر حضور کی دعائے استسقاء کے الفاظ یہ روایت کئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مَرِیْئًا مَرِیْعًا غَدَقًا طَبَقًا عَاجِلًا غَیْرَ رَائِثٍ نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ تَمْلَأُ بِہِ الضَّرْعَ وَتُنْبِتُ بِہِ الزَّرْعَ وَتُحْیِیْ بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَکَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ (خصائص الکبریٰ

جلد ۲ صفحہ ۶۱)

میں آئے اور درخواست کی کہ میرے شہید ہونے کی دعا فرمائی جائے۔

حضور نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّمُ دَمَ ابْنِ ثَعْلَبَۃَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ۔ الٰہی میں مشرکین پر ابن ثعلبہ کا خون حرام کرتا ہوں۔

یہ بزرگ جہاد میں دشمن پر بے دھڑک حملے کیا کرتے اور اُن کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے۔ اور پھر صحیح سلامت واپس آجاتے۔

دعائے عفّت

(۱۳) امام احمد نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے روائت کی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں آیا۔ عرض کیا، یارسول اللہ مجھے زنا کی اجازت مل جائے۔ لوگ سنتے ہی اُسے دیکھنے اور جھڑکنے لگے۔ حضور نے فرمایا۔ قریب آؤ۔ اور بیٹھ جاؤ۔ وہ جوان قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

حضور نے فرمایا۔ کیا تو اپنی ماں کیلئے یہ بات پسند کرتا ہے۔ وہ بولا قربان جاؤں نہیں۔

فرمایا۔ ہاں کوئی شخص بھی اپنی ماں کیلئے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور نے پوچھا۔ تم اپنی بیٹی کیلئے یہ چیز پسند کرتے ہو۔ وہ بولا قربان جاؤں نہیں۔

فرمایا۔ ہاں کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کیلئے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور نے پوچھا۔ تم اپنی بہن کے لئے یہ چیز پسند کرتے ہو۔ وہ بولا قربان جاؤں نہیں۔

فرمایا۔ ہاں کوئی بھی اپنی بہن کیلئے ایسا پسند نہیں کرتا۔

پھر پوچھا۔ تم اپنی پھوپھی کے لئے یہ بات پسند کرتے ہو۔ وہ بولا۔ قربان جاؤں نہیں۔

فرمایا۔ ہاں کوئی انسان بھی اپنی پھوپھی کے لئے پسند نہیں کرتا۔

پھر پوچھا۔ تم اپنی خالہ کیلئے یہ بات پسند کرتے ہو۔ وہ بولا۔ قربان جاؤں نہیں۔

فرمایا۔ ہاں کوئی بشر بھی اپنی خالہ کیلئے اسے پسند نہیں کرتا۔

بعد ازاں حضور نے دست مبارک اُس پر رکھا۔ اور یہ الفاظ زبان سے کہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ وَطَھِّرْ قَلْبَہٗ وَاَحْصِنْ فَرْجَہٗ۔ الٰہی اس کا گناہ دور کر دے۔ اس کا دل پاک کر دے اسکا

ستر محفوظ کردے۔

اِس دعا کے بعد یہ جوان کبھی ایسی بات کا خیال بھی نہ کیا کرتا تھا۔

قبل از دعا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُسے استدلالاً یہ سمجھانا چاہتے تھے۔ کہ اگر زنا کی اجازت دی جائے تو زانیہ بہرحال کسی نہ کسی کی بیٹی۔ یا بہن۔ یا ماں۔ یا خالہ۔ یا پھوپھی وغیرہ ہوگی اور یہ رشتے ایسے ہیں کہ خود سائل۔ اور جملہ دیگر اشخاص بھی فطرۃً پسند نہیں کرتے۔ کہ انکی ایسی قرابت میں زنا کا وجود پایا جائے۔ لہذا جواز زنا کی درخواست جیسا کہ ایک غیور انسان کی فطرت کے خلاف ہے اسیطرح وہ جملہ نوع بشری کی غیرت وحمیّت کے خلاف ہے نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی انسان زنا کو پسند نہیں کرسکتا۔ یہ نکتہ سمجھانے کے بعد پھر حضور نے اُسکے حق میں دعاء خیر فرمائی۔

(۴) صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسریٰ (خسرو بن پرویز) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان دعوت کو پڑھ کر چاک کر ڈالا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسکے حق میں فرمایا مُزِّقُوْا کُلَّ مُمَزَّقٍ وہ خود پارہ پارہ ہو گئے۔

قوم پارسی کو دیکھو۔ اور وطن سے اُن کی جدائی کا خیال کرو۔ اور دیکھو کہ اب وہ کیسی تفرق اور پراگندگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بیہقی نے بروایت عبدالرحمٰن بن عبدالباری بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ مَزَّقَ کِسْرٰی مُلْکَہٗ کسریٰ نے اپنی سلطنت کو چاک کر ڈالا صفحہ ارض پر تلاش کرو کہ جب آخری کسریٰ خلیفہ راشد عثمان ذوالنورین کے لشکر سے ہلاک کیا گیا۔ اُسکے بعد کوئی کسریٰ بھی ہوا؟ پارسی قوم میں حکومت یا سلطنت کا نام ونشان بھی کہیں پایا جاتا ہے؟ خسرو کا انجام بہت ہی حسرتناک ہوا۔ اُس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں "شیریں" پر عاشق ہو گیا۔ باپ کو رشک رقابت میں خنجر سے ہلاک کر دیا ؎

چاک فرمان نبی کی ہے سزا چاک شکم دیکھ اے خسرو پرویز یہ بیداد نہیں

(۵) بیہقی نے بروایت عبداللہ بن ابوبکر بیان کیا ہے کہ بحیر بن بجرہ نے جو قوم طے سے تھا۔ واقعہ

دومۃ الجندل کے متعلق اپنا شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ حضور نے خوش ہو کر فرمایا لَا یَفْضُضِ اللّٰہُ فَاکَ وہ نوے برس کی عمر تک پہونچے۔ ان کی سب داڑھیں اور دانت سالم تھے۔[1]

سائب بن یزید کیلئے دعا

(۶) صحیح بخاری میں جعد بن عبد الرحمٰن سے روائت ہے کہ سائب بن یزید ۹۴ سال کے ہو کر فوت ہوئے اور باہمہ مضبوط معتدل تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ثمرہ ہے کہ میری بینائی و شنوائی اب تک درست ہیں

عبد الرحمٰن بن عوف احد العشرۃ المبشرہ کیلئے دعا

(۷) صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد الرحمٰن کو بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فرمادیا تھا عبد الرحمٰن کہتے ہیں۔ اسکی برکت اب تک یہ ہے کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو توقع ہوتی ہے کہ یہاں سے مجھے سونا یا چاندی دستیاب ہوگی۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کیلئے دعا

(۸) صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ان الفاظ میں دعا دی تھی اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَبَارِکْ لَہٗ فِیْ مَا رَزَقْتَہٗ (الٰہی اس کے مال۔ اسکی اولاد کو بڑھا۔ اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت دے) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بخدا میرے پاس مال کثیر ہے اور میرے بیٹوں اور پوتوں کا شمار ایک سو کے قریب تک ہے۔

---

[1] شعر یہ ہے۔ تبارک سابق الصفوات انی — رأیت اللہ ھدی کل ھاد
فمن یک حائدا عن ذی تبوک — فانا قد امرنا بالجھاد
(خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۶۸)

ترمذی اور بیہقی میں ابو العالیہ سے روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک باغ تھا۔ جسکے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیا کرتے۔ اس باغ میں ایک ایسا پھول تھا جسکی خوشبو کستوری جیسی تھی

مالک بن ربیعہ سلولی کیلئے دعا

(۹) ابن عساکر اور ابن مندہ نے یزید بن ابو مریم سے روایت کی ہے کہ میرے والد مالک بن ربیعہ نے مجھے بتایا تھا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے کثرت اولاد کی دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اسّی فرزندان نرینہ عطا فرمائے۔

تکبّر کی سزا

(۱۰) صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دہنے ہاتھ سے کھاؤ" وہ بولا۔ میں نہیں کھا سکتا۔ یہ جواب اس نے صرف غرور میں آکر دیا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ "تو نہ کھا سکے" بعد ازیں اُس کا داہنا ہاتھ منہ تک نہیں اُٹھ سکتا تھا۔

شکستہ استخوان کی درستی کا معجزہ

(۱۱) صحیح بخاری میں براء رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے۔ کہ جب عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ قتل ابو رافع کے بعد زینہ سے اُترے۔ تو گر پڑے اور ان کی پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ فرمایا۔ پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دیا۔ حضور نے اُس جگہ دست مبارک رکھ دیا۔ فوراً میں ایسا تندرست ہو گیا۔ گو یا کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔

فصل پنجم

اسماء الرّسولؐ

ہمارے سیدو آقا خواجہ ہردو سرا کا مقدس نام "محمدؐ" ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ نام قدرت الٰہیہ کی طرف سے خود آیت عظیم ہے کہ اس کا مسمّٰی ضرور امام الانبیاء اور سراج کائنات واقع ہوا ہے۔ اسکی شرح آیت محمد رسول اللہ کے تحت میں موجود ہے۔

ہاں حضورؐ کے چند بزرگوں کے اسماء پر غور دلانا ضروری ہے۔ ان اسماء کو ارہاص نبوت" قرار دینا صحیح ہوگا۔ حضورؐ کے والد بزرگوار کا نام عبد اللہؓ ہے۔ والدہ مکرمہ معظمہ کا نام آمنہ ہے۔ حضورؐ کی دایہ (انّا) کا نام حلیمہ ہے

یعنی حضورؐ ہی ایسے مقدس ہیں جن کا پیکر اطہر عبودیت کے خون سے بنا جنہوں نے امن کے بطن میں مراتب وجود کو مکمل فرمایا۔ جنکی تربیت حلم و بردباری کے شیر سے ہوئی۔

کیا ایسے اسماء کا اجتماع محض اتفاقی ہے؟ نہیں بلکہ قدرت اس مولود مسعود کی شان رفیع کی آئینہ داری فرما رہی ہے اور بتلا رہی ہے کہ جس بچہ کے پیکر عنصری میں ایسے فضائل کی جامعیت نمودار ہو۔ ضرور ہے کہ وہ بچہ حقیقۃً محمدؐ ہو۔

اب غور کرو کہ لغوی معنی کے تحت میں ایک پیشگوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب والشہادۃ کی جانب سے جملہ عوالم و اہل عالم پر یہ راز آشکار کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسمّٰی کی مدح و ثناء دنیا میں سب سے بڑھکر سب سے زیادہ توالی و تواتر کے ساتھ کی جائیگی۔

وہ کون ہے جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبانوں پر جاری اور قلوب میں ساری ہے

وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی نوبت شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے۔

وہ کون ہے جسکی سیرۃ پاک انسانی زندگی کے ہر لمحہ و ہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے

وہ کون ہے جو اپنے افعال میں محمود ہے اور اپنی تعلیم سے محسود۔

وہ کون ہے جسکی رفعت زمین سے عرش تک ملی ہوئی ہے۔

وہ کون ہے جسکی تعلیم کی وسعت بر و بحر پر چھائی ہوئی ہے۔

(۱) بیشک وہ "محمد" ہے اسم بھی محمد ہے اور مسمّی بھی محمدؐ ہے اور حمد کو اسکی ذات ہمایونی سے نسبت خاص ہے۔

اسی کے مقام شفاعت کا نام "مقام محمود" ہے۔ اور اسی کی امت حَمَّادُوْنَ کے لقب سے روشناس ہے۔ اسی کی لائی ہوئی کتاب کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے افتتاح ہوتا ہے۔

(۲) ہاں اسی کا نام احمد ہے۔ یہ بھی اسی سرچشمہ "حمد" سے نکلا ہے۔ دونوں نام اپنے منبع و ماخذ کے اعتبار سے اتحاد تام رکھتے ہیں اور اشتراک کلیہ کے ساتھ ساتھ انوار و برکات خاص سے مختص بھی ہیں۔

وہ محمد ہے اور اسی لئے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا ثنا گستر و مدح خواں ہے۔

وہ احمد ہے اور اسی لئے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریگ کے ذرات سے بڑھ کر اپنے مالک، اپنے خالق، اپنے رازق، اپنے ہادی اپنے معطی کی حمد و ثنا پھیلائی ہے۔

ہاں وہ محمد ہے اور کل دنیا اسکی مداح ہے۔

وہ احمد ہے اور وہ کل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔

ترا محمد و احمد زمین خواند و زماں — حمید باشد و محمود ذات ربانی
فزوں تر از تو کسے را نہ مدح گفت زماں — نہ برتر از تو کسے گفت حمد سبحانی

محمد — احمد

ہاں وہ پیارا ہے۔ اسی نے دشمن و دوست سب سے پیار کیا ہے۔

وہ حبیب ہے۔ اور اسی نے محبت کو تاج الکمال سے مزین فرمایا ہے۔

وہ محبوب ہے مگر محبین سے بے نیاز نہ ہے۔

(۲) وہ مطلوب ہے مگر طالبین سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

(۳) وہ متبوع ہے اور اسکی تبعیت دوسرے کو مطاع بنا دیتی ہے۔

(۴) وہ نبی ہے اور اسی کی نباوت نے ہزاران ہزار حجاب چشم بصیرت سے ہٹا دیئے ہیں۔

(۵) وہ رسول ہے اور اسی کی رسالت نے نوع بشر کو اتمام نعمت۔ اور اکمال دین اور رضوان رحمن کے انعامات سے ممتاز فرما دیا ہے۔

(۶) وہ عبد ہے اور اسی کی عبودیت نے عبودیت کو اورنگ خلافت پر متمکن کر دیا ہے۔

(۷) وہ معلم ہے اور اسی کی تعلیم نے مسیح علیہ السلام کے اس قول اور امید کو پورا کر دیا ہے کہ وہ صداقت کی ساری تعلیم دے گا۔

اس نے اپنی درسگاہ قدس کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ اُس نے اپنی تعلیم پر کوئی فیس نہیں مقرر کی ہے وہ مرموزات وتمثیلات میں تعلیم نہیں دیتا ہے۔ اُس نے اپنے اور ارشد تلامذہ کے درمیان اشارات خاص نہیں تجویز کئے ہیں اسکے دبستان پر یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کا کتابہ لگا ہوا ہے۔ اس کے پاک درس کا آغاز انسان کے جاننے پہچاننے علوم اور معارف کے انجام سے ہوتا ہے۔

(۸) وہ امین ہے۔ اس کا یہی نام یوحنا رسول کو مکاشفات میں بتایا گیا اور اُسکا یہی نام قریش کی زبان پر جاری ہوا۔ اسی نام سے حضور کا احتشام ووقار نمایاں ہے۔ اور اسی نام سے حضور کا وحی آسمانی کا امانت دار ہونا واضح ہے۔ اسی معنی کیطرف حدیث مسلم عن ابی سعید میں صراحت کیگئی ہے۔ کعب بن اشرف کا شعر ہے ؎

امین محب للعباد مسوّم   بخاتم رب قاهر للحق انم

(۹) وہ اُمّی ہے۔ اور ام القریٰ کی عزت وقعت اسی نسبت قدسیہ سے ہے۔

وہ اُمّی ہے اور ولید سعید کیطرح جملہ افعال واقوال میں معصوم ہے۔

وہ اُمّی ہے۔ اور اسکی تعلیم حروف کتابی یا نقوش مرتبہ کی احتیاج مند نہیں۔

(۱۰) وہ برہان ہے قرآن مجید میں قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فرمایا گیا ہے اور امام سفیان بن عیینہ نے اسکی تفسیر میں برہان آنحضور ہی کو فرمایا ہے۔

ہاں وہ برہان ہے اور حجت اللہ ہے۔

وہ برہان ہے۔ اور حضور کی ذات ہمایوں بذات خود ایک دلیل روشن ہے

(۱۱) وہ بشر ہے اور اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ کے تاج سے متوّج ہے۔ آدم علیہ السلام کیلئے ابوالبشر ہونا اسی لئے صدگونہ افتخار کا موجب ہے کہ حضور بشر ہیں۔

ہاں وہ بشر ہے اور حضور کا حسن ظاہر و جمال اطہر اہل لغت کو اس معنی لغوی کی تعلیم دیتا ہے۔

(۱۲) وہ بشیر ہے۔ اور اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا کے خطاب سے مخاطب ہے۔

وہ مبشر بھی ہے۔ اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کا مقصد حضور ہی کی بشارت کا پہنچا دینا ہے وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ وہ بشارت رساں بھی ہے اور اہل ایمان وایقان کیلئے ہزار در ہزار بشارت کا اعلام فرمانے والا ہے۔

(۱۳) وہ بیّنہ ہے۔ وہ خود آیات باہرہ اور علامات واضحہ اور دلائل حقہ کا مجموعہ ہے۔ اس کا وجود سراپا صداقت ہے اور اس کا پیکر سراپا حقانیت ہے۔ یہی بیّنہ اہل کتاب اور مشرکین کی ظلمات کو دور کر دینے والا۔ تاریکیوں کو اٹھا دینے والا۔ عالم تیرہ و تار میں اجالا پھیلا دینے والا ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مثال حضور ہی پر صادق ہے۔

(۱۴) وہ حبیب اللہ ہے اور اس تقرب کا مالک ہے جس کا ذکر حدیث صحیح میں بندہ عابد و ساجد کیلئے ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

فَاِذَآ اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَلِسَانَہُ الَّذِیْ یَنْطِقُ بِہٖ (الحدیث)

(۱۵) وہ حلیم ہے۔ حلیم حُلم بالضم سے بھی ہے اور یہ لفظ وفور دانش اور کمال عقل پر دال ہے حلیم حِلم بالکسرہ سے بھی ہے وہ مصائب کا برداشت کرنے والا۔ دشمنوں کے ہاتھوں سے پتھر کھانے والا اور جواہر لٹانے والا۔ گالیاں سننے والا اور دعائیں کرنیوالا ہے۔

حضور کا یہ اسم گرامی قبل از نبوت مشہور عام تھا۔ سردار ابوطالب فرماتے ہیں۔

حَلِیْمٌ رَشِیْدٌ عَادِلٌ غَیْرُ طَائِشٍ　　　یُوَالِیْ اِلٰہًا لَیْسَ عَنْہُ بِغَافِلٖ

(۱۶) وہ خازن ہے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اَنَا الْخَازِنُ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ ہاں وہ خزینہ دار ربانی ہے۔ وہ گنجور رحانی ہے عطایائے سبحانی کی تقسیم اسی کے

ہوتی ہے۔ گہر ہاشمی اسی ید مبارک کا خاصہ ہے۔

(۱۷) وہ خلیل الرحمٰن ہے۔ اہل عرب کے نزدیک محبت کے دس مراتب ہیں (۱) علاقہ۔ دل کا ذرا سا اٹکاؤ (۲) ارادہ۔ وہ میلان جو علاقہ کے بعد نمودار ہو۔ (۳) صبابت۔ لغت میں صبا۔ یصبأ پانی کا نشیبی زمین پر بہہ نکلنا ہے اور اس جگہ بے اختیاری شوق کا نام ہے (۴) غرام۔ غرام قرض۔ یا تاوان کو کہتے ہیں اور یہاں اس محبت لازم کا نام ہے جو قرض ہو کر چمٹ جاتی اور کسی وقت علیحدہ ہی نہیں ہوتی (۵) وداد۔ خلوص محبت اور مغز محبت کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی ودود بتلایا ہے (۶) شغف۔ شغاف پردۂ دل۔ اور شغف وہ محبت جو قعر دل تک جا پہنچے (۷) عشق۔ یہ عشقہ سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک بیل ہوتی ہے زرد رنگ کی جس درخت سے لپٹ جاتی ہے اُسے خشک کر دیتی ہے اور عشق کی تاثیر بھی عاشق کے حق میں یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس حالت سے استعاذہ فرمایا کرتے (۸) التیتم۔ انکسار اور عجز تام کو کہتے ہیں۔ یتیم کا نام یتیم بھی اسی لئے ہوا کہ وہ انکسار اور عجز تام کا مورد ہوتا ہے۔ (۹) التعبد۔ جبکہ محب جملہ دعاوی تملیک نفس و مال و عزت سے دست بردار ہو کر سارے دل و جان سے دوسرے کا غلام بن جائے (۱۰) خلت جب کہ دل وسوسۂ غیر سے اور عقل تعقل غیر سے اور نیت و عزم تحید و تشوق غیر سے کلیۃً خالی ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کی تکمیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمائی ہے۔

مشہور عوام یہ ہے کہ درجۂ خلت حضرت ابراہیم کیلئے ہے اور وہ خلیل الرحمٰن ہیں اور درجۂ محبت سیدنا محمد رسول اللہ کیلئے ہے اور وہ حبیب اللہ ہیں لیکن دو احادیث صحیحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیل الرحمٰن ہونا بھی ظاہر فرمایا گیا ہے۔ (۱) اِنَّ اللّٰہَ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا کَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا (۲) لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ اَھْلِ الْاَرْضِ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا وَّلٰکِنْ صَاحِبُکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ حَقًّا۔

(۱۸) وہ خطیب الانبیاء ہے۔ حدیث الشفاعت میں ہے۔ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبَھُمْ (الحدیث) خطیب خطبہ سے ہے۔ خطبہ کے معنی فصاحت زبان ہیں۔ اور خطیب [illegible]

فصاحت و بلاغت ہو۔ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام [illegible]

فصاحت کا ذکر فرمایا ہے ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ۔ اور حدیث پاک میں [illegible]

گروہ میں یہ شرف حضور ہی کیلئے خاص ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ سادہ صاف الفاظ شستہ ترکیب مختصر عبارت میں ایسے معانی عالیہ کو بھر دینا جو عمیق بھی ہوں اور دقیق بھی داخل کمال فصاحت ہے۔ اور حضور کا خطیب الانبیا ہونا اسی اعتبار سے ہے۔

(ب) خطیب خطابت سے ہے اور اس سے مراد اوامر و نواہی اور مواعظ و امثال کا بیان کرنے والا ہے۔

(ج) خطب کے معنی وہ شے بھی ہیں جس میں الوان بوقلموں شامل ہوں۔ اور خطیب وہ ہے جو جملہ انواع کلام اور اسالیب خطاب کا ماہر و قادر ہو۔

(۱۹) وہ خافض ہے۔ یہ نام قرآن مجید کی آیت ذیل سے مستنبط ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

طیور کو دیکھو۔ وہ اپنے انڈوں یا اپنے بچوں کی تربیت کیسی محبت کیسے پیار کیسی ہوشیاری اور کیسی نگہداشت سے اپنے شہپروں کے نیچے رکھ کر کرتے ہیں اہل ایمان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و پیار اور نگہداشت و حفاظت کا سلوک اس مثال سے بھی بڑھ کر تھا۔

(۲۰) وہ خیرۃ اللہ ہے۔ خیرۃ کو علمار لغت نے بکسر خاء اور بفتح خاء ہر دو صورت روایت کیا ہے اس اسم کے معنی یہ ہیں کہ حضور خیر الناس ہیں خیر البریہ افعال خیر میں افضل و اکثر ہیں۔

(۲۱) وہ داعی الی اللہ ہے کسی شخص کی طرف سے کسی کو دعوت دینے کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ اذن یافتہ بھی ہو۔ دنیا میں دیکھو۔ اگر کسی کا ملازم کسی کو دعوت طعام دے آئے مہمان صاحب خانہ کے ہاں پہنچیں اور تب میزبان کو اور مہمان کو پتہ لگے کہ نہ کسی نے بلایا اور نہ کوئی بلایا گیا تب طرفین کو کسقدر ندامت اور رنج کا احساس ہوگا اور وہ دعوت دینے والا کس قدر ذلیل حقیر اور جانبین کی طرف سے بدنت ملامت سمجھا جائیگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور کا اسم داعیا الی اللہ تجویز کیا۔ تو کلام پاک میں اسکے ساتھ ساتھ بِاِذْنِهٖ بھی شامل فرما دیا۔ اور اہل عالم پر ظاہر کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کلی دیا گیا ہے کہ سب کو اللہ کے گھر کا مہمان بنائیں اور تقرب و رضوان کی دعوت دیں۔ یہ اسم حضور کے اسماء خاصہ میں سے ہے۔

(۲۲) وہ رحمت ہے اور آیت قرآنیہ میں حضور کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود کو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ فرمایا اور قرآن حکیم کو ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ خانہ کعبہ کو مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ کشتی نوح اور مریم و مسیح کو اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ بتایا۔ مگر رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ صرف حضور ہی کو فرمایا ہے رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ کے ارشاد کو پیش نظر رکھو اور دیکھو کہ رحمۃ للعالمین کے خطاب میں کتنی وسعت کتنی برکت۔ کتنا فیض موجود ہے۔ حضور کی رحمت کا فیضان اہل ایقان کو بھی پہنچا جو دنیا میں حکمران بنے اور آخرت میں مغفرت و رضوان کے مستحق ٹھیرے۔ منکرین اور اہل خسران کو بھی پہنچا۔ جو ببرکت دعائے مصطفوی عذاب دنیوی غرق و حرق اور ہلاکت و تباہی سے مامون کئے گئے۔

عورتوں۔ بچوں۔ یتیموں۔ رانڈوں۔ مسافروں۔ اسیروں۔ غلاموں۔ لونڈیوں۔ رعایا و برایا۔ طبقہ امراء و گروہ حکم فرما کو بھی پہنچا۔ جن کی راحت و آسائش اور حقوق و مفاد کے متعلق حضور نے مستحکم آئین شرع متین۔ ضابطہ مبین۔ دستور اساسی اور اصول مدنی و سیاسی وضع فرمائے۔ اور اُن سب پر اپنی حیات طیبہ میں خود بھی عمل فرمایا ہے اور تمام اُمّت کو بھی پابند عمل فرمایا۔

حضور کی رحمت کا فیض طیور و وحوش اور مراکب و مواشی کو بھی پہنچا۔ جن کے ذبح و شکار کے قواعد اور تغذیہ و تربیت کے متعلق احکام نافذ فرمائے گئے۔

حضورؐ کی رحمت کا فیض شوارع و طوارق اور مشارب و موارد کو بھی پہنچا۔ جنکو پُرامن اور صاف و پاکیزہ رکھنے نیز انجاس و ارجاس و قاذورات سے پاک رکھنے کے قواعد مرتب فرمائے گئے الغرض اس رحمت سے نہ کوئی کشتنی و گردن زدنی عدو محروم رہا اور نہ کوئی ذبح شدنی اُس سے مہجور کیا گیا۔

لہٰذا حضور کا سراپا رحمت ہونا اور بہمہ وجوہ رحمۃ للعالمین ہونا مسلم و ثابت ہے۔

(۲۳) وہ روح الحق ہے اس خطاب کا استعمال سب سے پہلے مسیح علیہ السلام نے اپنی اس آخری تقریر میں فرمایا۔ جو اُنہوں نے دنیا چھوڑنے سے پیشتر اپنے خلفاء کے سامنے فرمائی تھی (دیکھو یوحنا ۱۶ باب از ۱۱ تا ۱۶ درس)

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اناجیل اربعہ میں عام طور پر اسم روح القدس کا استعمال ہوا ہے۔ اور اس سے وہ ملکوتی قوت و شخصیت مراد ہے جسے اہل اسلام جبرائیل کہتے ہیں اور جسے مسیحی صاحبان اقانیم

ثلثہ میں سے ایک اقنوم اور ارکان تثلیث میں سے ایک رکن بتاتے ہیں اور بایں ہمہ اس کی ہستی کے متعلق وہ ذرا بھی عرفان نہیں رکھتے۔

ہاں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں اسم روح الحق کا استعمال ہوا۔ اسکے کام اور اسکی شان اور اسکی علامات کا اعلام کیا گیا۔ وہ روح الحق ہے اور ساری صداقت کی تعلیم دینا اس کا خاصہ ہے وہ روح الحق ہے اور طالبان خاک نشین کو پستی سے اٹھا کر زندگی کے بلند ترین کنگرہ پر پہنچا دینا اس کا کام ہے۔ وہ روح الحق ہے اور زندگی بخش کلام اسکے منہ میں ہے۔ وہ روح الحق ہے اور قلوب مردہ کو حیات روحانی کا عطا کرنا اسکے فرائض میں سے ہے۔ اسکی تعلیم ظاہر کو پاک اور باطن کو طاہر دماغ کو روشن اور قلب کو منوّر کرنے والی ہے۔

(۲۴) وہ سیّد ہے اور سیادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔

اے کہ بر تخت سیادت ز ازل جا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وہ سیّد ہے۔ اور سیّد کہلانے سے بے نیاز ہے۔ وہ سیّد ہے اور اپنے سید (اللہ تعالےٰ) کا عبد کہلانے پر زیادہ خوش ہوتا ہے۔ وہ سیّد ہے اور اسباط رسول اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (ترمذی عن ابی سعید وصححہ) کے خطابات صحیحہ سے معزز ہیں۔

وہ سیّد ہے۔ اور اسکے وزراء بھی اسی اعزاز سے مشرف ہیں عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ ھٰذَانِ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ (رواہ الترمذی)

وہ سیّد ہے اور اسکے حلقہ نشین بھی اسی علم گرامی سے روشناس ہیں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سواری دیکھکر حضور نے انصار سے فرمایا تھا۔ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ

وہ سیّد ولد آدم ہے ولد جمع ہے وَلَد کی۔ اس خطاب سے حضور کا سید اولاد آدم علیہ السلام ہونا آشکار ہے۔ ظاہر ہے کہ ولد آدم کے دائرہ میں ہر ایک بشر ہر ایک انسان ہر ایک آدم زاد داخل ہے جملہ اولین و آخرین اسی جملہ میں شامل ہیں کیا کوئی وجہ التباس موجود ہے کہ خود آدم علیہ السلام بھی اسی میں داخل ہیں یا نہیں۔ شک کی ضرورت نہیں دوسری صحیح حدیث میں اٰدَمُ وَمَا دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ۔ موجود ہے۔ اور ہر دو احادیث بصراحت روز

وبصیرت افزا ہیں۔

(۲۵) وہ شارع ہے۔ شریعت بیان کرنا آسان بات نہیں موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت ہیں اور اُن کے بعد بنی اسرائیل میں دو ہزار سال تک کوئی بھی صاحب شریعت نہ نکلا۔ بزرگوار مسیح نے بھی فرمایا "یہ مت سمجھو کہ میں تورات منسوخ کرنے کو آیا بلکہ اُسے مضبوط کرنے کو آیا ہوں"۔

ہنود میں منوجی مہاراج ہوئے ہیں جنہوں نے سمرتی پیش کی ہے۔ میں دنیا کی تمام قانون ساز کونسلوں اور ضوابط و قواعد مرتب کرنے والی حکومتوں سے درخواست کرونگا کہ وہ ان ہر سہ شریعتوں کو دیکھیں اور رپورٹ کریں کہ ان میں سے کونسی شریعت زیادہ مکمل زیادہ مفصّل جزئیات پر حاوی کلیات پر مشتمل۔ ضروریات انسانی پر محتوی اور تمدّن کی حامی ہے ع

بس ایک بات پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جب شرائع موجودہ عالم کی جانچ پرتال ان اصول پر کی جائیگی تو شریعت محمدیہ کی فوقیت اور حضور فداہ ابی و امی کا تفوق خود بخود آشکارا اور واضح ہو جائیگا۔

(۲۶) وہ شافع ہے۔ شفاعت کے معنی لوگوں نے کیا سمجھے ہیں؟ کسی نے کہا شفیع وہ ہے جو اپنے اختیار و اقتدار سے غفران ذنوب فرماتا ہے۔ اس عقیدہ کے موجد عیسائی ہیں یہ لوگ شفیع بمعنے غفور استعمال کرتے ہیں۔ لیکن خود لفظ شفیع اس معنی کا متحمل نہیں کسی نے شفاعت کو بے جا دباؤ بتایا اور اس کے وجود کا انکار ہی کیا۔ اسلامی شفاعت دو اصول پر مبنی ہے (۱) مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ جسے اللہ اذن دے (۲) وَقَالَ صَوَابًا جو ٹھیک ٹھیک بات بیان کرے۔ ہر دو اصول بالا شفاعت اسلامی کو ہر دو فریق کے افراط و تفریط سے الگ کر دینے والے شفاعت کو معقول اور قابل التسلیم بنا دینے والے ہیں ہاں حضور ہی صاحب مقام محمود ہیں اور حضور ہی شفاعت کبریٰ کی خصوصیت سے ممتاز ہیں۔

(۲۷) وہ شاہد ہے۔ اچھا شاہد اور سچا گواہ وہ ہے جسکی شہادت و اثبات صحیحہ کو کتمان سے بروز میں لے آئے جسکی شہادت بیخبروں کو باخبر اور بے علموں کو باعلم اور غائبین کو مثل حاضر بنا دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہیں۔ اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ کی شہادت

جملہ عالم کے سامنے حضور ہی نے ادا فرمائی ہے۔ اور اپنی شہادت سے رب العالمین کے لئے استحقاق الوہیت و معبودیت ثابت کیا ہے۔ عبادت و استعانت لغیر اللہ کے مسئلہ میں سینکڑوں مذاہب سرگرداں و حیران و پریشان تھے۔ حضور ہی کی شہادت نے ان حقائق مخفیہ کو آشکار کیا۔ حضور ہی نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت ادا کی۔ رسالت و نبوت کے خصائص وحی ربانی کی حقیقت۔ اعمال کا روح سے تعلق۔ جزاء و سزا کا اعمال پر مترتب۔ شریعت کی ضرورت اور شرائع الٰہیہ و نوامیس حکمیہ کا استحکام۔ یہ سب حضور ہی کی شہادت سے ہوا۔ اللہ اکبر شاہد کیسی زبردست شہادت اور اعلیٰ صداقت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے کہ داوری گاہ عالم میں شہادت کیلئے اکیلا آیا اور اپنی واپسی سے پیشتر ہزار در ہزار بندگان آلہ کو اس شہادت پر قائم بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے اُن کو بھی شاہد بنا گیا۔ اور وَتَكُونُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کی سند عطا فرما گیا۔

(۲۸) وہ صاحب ہے۔ صاحب کے معنے ساتھ رہنے والا ہیں مسیح علیہ السلام نے حضور کا نشان انہی الفاظ میں دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہیگا۔ اس سے حضور کی نبوت کا ابدی ہونا ثابت ہو گیا یہ ثابت ہے وہ نوع انسان کے ساتھ ساتھ اسوقت تک رہے گی جب تک کہ خود یہ نوع باقی ہے منکرین مکہ بھی حضور کو صاحب قریش کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ لفظ خواہ کیسی ہی نیت سے وضع کیا تھا۔ لیکن قدرت الٰہیہ نے اسے پاک ترین معنی میں استعمال کیا۔ اور وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ فرما دیا۔ انبیاء علیہم السلام میں ایسے بزرگوار بھی ہوتے ہیں جنہوں نے اُمت عاصی کے مفسدات اور قابل نفرت افعال کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا۔ اور اُن کو چھوڑ کر خود اُن سے علیحدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقامت و صبر کی مدح و ثنا فرماتا ہوا ظاہر کرتا ہے کہ اس نبی کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نافرمانوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا۔ اُن کو اپنے دربار سے دور نہیں کرتا۔ خود اُن سے علیحدگی کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ صابر ہے اور اس کا صبر صرف اللہ ہی کی نصرت و معیت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج تم اسے اپنا صاحب کہتے ہو کل کو تمہیں خود اس کا صحابی بننا موجب شرف و عزت بنجائیگا۔

(۲۹) وہ صادع ہے۔ صادع بیان واشگاف کو کہتے ہیں۔ امر الٰہی کو صاف صاف بیان کرنا دنیا

کی مخالفت ومخاصمت کی پرواہ نہ کرنا۔ دباؤ اور دھمکی کو وقعت نہ دینا۔ اعداء کی تدابیر فاسدہ اور مکائد کاسدہ سے مرعوب نہ ہونا حضور کا خاصہ ہے۔

وہ صادع ہے اس نے عرب جیسے خونخوار، جنگی خون ریز بت پرستوں کو صاف صاف سنا دیا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ تم بھی اور وہ بھی جنکو تم پوجتے ہو جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے

وہ صادع ہے جس نے یہودی قوم کو کہ تجارت کے مالک واحد ہونے کی وجہ سے تمام عرب پر چھائے ہوئے تھے اور جن کے سود اور قرضہ کی زنجیریں ہر ایک امیر وغریب کی گردن میں پڑی ہوئی تھیں۔ نیز مسیحیوں کو جنکی حکومتیں شام ومصر ویمن اور ایشیا وکوچک ویورپ میں پھیلی ہوئی تھیں صاف صاف لفظوں میں یہ سنا دیا تھا۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (المائدہ ع ۱۰) اے یہودیو! اے عیسائیو۔ تم تو سچائی کے کسی درجہ پر نہیں ہو جب تک کہ تم (۱) تورات اور (۲) انجیل اور (۳) خدا کے اس کلام پر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے قائم نہ ہو جاؤ۔

ہاں صادع وہ ہے۔ جو اپنے کلمہ پڑھنے والوں کو بھی فرما دیتا ہے قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا (سورہ جن) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نقصان یا بہبودی کا مالک نہیں۔ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللّٰهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا (جن) کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے اور کوئی بھی پناہ نہ دے سکیگا اور میں تو اسکے سوا اور کسی کو اپنا سہارا بھی نہیں پاتا۔

ہاں صادع وہ ہے جو اپنے عزیز واقارب کی نسبت بھی یہ پیغام سناتا ہے وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ اپنے خاندان کے قریب ترین اشخاص کو بھی ڈرائیے۔

(۳۰) وہ صادق ہے منازل روحانی میں صدق کا درجہ بہت اعلیٰ ہے۔ صدق ہی روح اعمال ہے اور صدق ہی معیار احوال۔ صدق ہی وہ دروازہ ہے جو دربار ذوالجلال تک پہنچا ہے۔ صدق ہی بنیاد دین ہے اور صدق ہی کی چوب پر یقین کا خیمہ کھڑا کیا جاتا ہے۔ صدق ہی ہے جس کا سوال خلیل رب العالمین نے فرمایا تھا۔ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ۔

صدق ہی ہے جسکی مجلس دربار شاہی کے قریب منعقد ہوتی ہے فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی صادق ہیں اور حضور ہی کا یہ نام دوستوں کو مکاشفات میں

بتایا گیا حضور ہی صادق ہیں اپنی قوم میں اور اپنے وطن میں اور اطراف و اکناف میں حضور اسی نام سے قبل از نبوت روشناس ہوئے اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (وہ جو صدق کو لیکر آیا) حضور ہی ہیں جسکے متبعین صدیقیت و محدثیت کے مراتب پر فائز ہوئے۔

(۳۱) وہ مصدوق ہے۔ اسکے صدق پر زمین و آسمان گواہ ہیں اسکے صدق کی شہادت میں بر و بحر تر زبان ہیں۔ عیسائیوں کے رہبان اور احبار یہودیوں کے ائمہ اور ربیون اسکی صداقت کے کلمہ خواں ہیں لات و منات و عزیٰ کے پجاری اپنے اپنے کذب و بطلان اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق و حقانیت کے معترف ہیں۔ زبور اور امثال۔ ذی الکفل اور دانیال۔ یسعیاہ و یرمیاہ حبقوق۔ وحزقائیل حجی وملاکی زکریا و یحیٰی کے صحیفے اسکے صدق و حقانیت کے بیان سے مملو ہیں۔ عباس بن مرداس جو عیسائیوں کے مشہور بشپ تھے رضی اللہ عنہ اپنے قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں۔

وَاٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ اَنَا عَبْدُہٗ ۔۔۔ وَخَالَفْتُ مَنْ اَمْسٰی یُرِیْدُ الْھَالِکَا

وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ نَحْوَ مَکَّۃَ قَاصِدًا ۔۔۔ وَبَایَعْتُ بَیْنَ الْاَخْشَبَیْنِ الْمُبَارَکَا

نَبِیٌّ اَتَانَا بَعْدَ عِیْسٰی بِنَاطِقٍ ۔۔۔ مِنَ الْحَقِّ فِیْہِ الْفَصْلُ مِنْہُ کَذَالِکَا

(۳۲) وہ طٰہٰ ہے۔ وہ زہرۃ الحیوٰۃ الدنیا سے دور ہے۔ وہ نعمت ہائے باقیہ سے پرورش یافتہ ہے وہ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا کی سند ہاتھ میں لیکر آیا ہے اسکی راحت اسکی آسائش اسکی خوشنودی اسکی رضا کا رب العالمین خود نگراں ہے۔

(۳۳) وہ طیّب ہے۔ اسکی اصل اسکی نسل اسکی ازواج اس کی ذرّیت اس کا پیکر۔ اس کا عنصر ارجاس و انجاس و عیوب و نقائص قبائح اور رذائل سے پاک ہے وہ زکی ہے۔ وہ طاہر ہے۔ طیّبون اس کے ثنا گستر ہیں اور قدوسی اس پر درود خواں سیدنا حسان بن ثابت فرماتے ہیں۔

صَلَّی الْاِلٰہُ وَمَنْ یَحُفُّ بِعَرْشِہٖ ۔۔۔ وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَکِ اَحْمَدَ

(۳۴) وہ طاہر ہے وہ حسب و نسب میں عالی ہے آباد اولین جو اسی کے نور کے حامل تھے سفاح سے پاک رہے اور خود نسب سے جملہ بزرگان محترمین اغیار کی غلامی سے آزاد۔

وہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اسی نے طہارت کی تعلیم دی اور اسی نے طہارت ظاہری و باطنی سے اپنے متبعین کو پاک ٹھہرایا۔ اسی کی تعلیم نے فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ

الْمُطَّهِّرِيْنَ کی جماعت کو قائم فرمایا۔ اوراسی کے احکام وافعال کی غائت تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ کو ٹھہرایا ہے۔

(۵۳) وہ عبداللہ ہے۔ عبودیت ہی کمال انسانیت ہے اور عبودیت کی تکمیل منازل نبوت ہی میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی نبی اللہ کا ذکر پیار اور محبت اور قبولیت کے لہجہ میں فرماتا ہے تو اس جگہ لفظ عبد کا اضافہ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِ (ص)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ (ص)

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (مریم)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبودیت وہ شجرہ طیبہ ہے جس کے پھل نہائت شیریں ہیں۔

(الف) تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ نزول قرآن کا سبب عبودیت کاملہ ہے۔

(ب) اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (زمر) کفایت آلہیہ کا سبب عبودیت ہے۔

(ج) سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا (بنی اسرائیل) معراج عبودیت کا ثمر ہے۔

(د) فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى (نجم) خطابات عالیہ کا شرف عبودیت پر عطا ہوا ہے۔

یہ سچ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے بھی صدیقہ مریم کی گود میں اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ کہا تھا اور حضور کو بھی آیت وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ (سورہ جن ع ۱) میں عبداللہ فرمایا گیا ہے لیکن ہر دو مقامات پر تفاوت درجات کا نور اپنی اپنی ضیا میں روشن ہے۔ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ حضرت مسیح کا اپنا قول ہے ہنوز فعل اسکی معیت میں نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود رب العالمین نے "عبداللہ" فرمایا اور حضور کی قیام بر عبادت اور قیام بر دعوت کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ساتھ موجود ہے۔

ہاں وہ عبداللہ ہے اور اسکی عبودیت کا شاہد خود معبود مسجود ہے۔

وہ عبداللہ ہے اور دعوت عبودیت میں وہ سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ وہ عبداللہ ہے اور اس نے کلمۂ توحید میں اپنے مبارک و محمود اسم کے ساتھ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کو جزو لاینفک بنا دیا ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص کلمۂ شہادت پڑھنا چاہے اور وہ اسم اللہ کے ساتھ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اور اسم محمد کے ساتھ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ نہ پڑھے۔

اے مالک میں بھی اس مقام پر کلمہ شہادت کو دہراتا ہوں اور تیرے خزائن رحمت میں بطور امانت سپرد کرتا ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ (صلعم) نَبِيًّا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا۔

(۳۶) وہ عفو ہے۔ عفو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ میں سے بھی جملہ صفات نبوی اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کے ظلال ہیں اور حضور کے جملہ محاسن عطیات ربانی ہی کے مظاہر ہیں۔

(۱) کوہ تنعیم کے اسّی اعدائے دین کو جنہوں نے حضور کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مصروف نماز دیکھ کر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا معاف کر دینے والا وہی ہے۔

(۲) زینب بنت الحارث بن سلام خیبری کو جو مسموم گوشت کا ہدیہ لیکر آئی۔ اقبال جرم کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔

(۳) سرداران قریش کو جنہوں نے ۱۳ سال تک اشاعت اسلام کو روکا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو مشق ستم اور ہدف تیر و نیزہ بنایا مغلوب کر لئے جانے کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔

(۴) ابن سلول رئیس المنافقین اور اسکی جماعت اہل یثرب کو بار بار معاف کرنے والا اور ان کی ناشایا حرکات سے درگذر کرنے والا وہی ہے۔

(۵) جنگ حنین کے چھ ہزار قیدیوں کو ایک سفیانی درخواست پر آزاد کرنے والا وہی ہے۔ حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

عَفُوٌّ عَنِ الزَّلَّاتِ يَقْبَلُ عُذْرَهُمْ　　فَاِنْ اَحْسَنُوْا فَاللّٰهُ بِالْخَيْرِ اَجْوَدُ

دنیا کی تاریخ ایسے عفو و درگذر کے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۳۷) وہ فاتح ہے۔ اگر فتح کے معنے کشورکشائی و ملک گیری ہیں تو یقیناً حضور کی سیرت پاک میں اسکے نمونے بہت کم ملیں گے۔ حضور کے مشہور غزوات جن میں لڑائی بھی ہوئی۔ بدر و احد۔ احزاب۔ خیبر اور حنین ہیں ان پانچ میں سے فاتحانہ قبضہ صرف خیبر پر کیا گیا تھا۔ اور وہ بھی اسطرح کہ وہاں کی اراضیات پر انہی دشمنوں کا قبضہ قائم رکھا گیا۔ در اُن سے صرف حق مالکانہ کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ باقی چار مقامات

کی بابت سنو کہ احد اور احزاب کی جنگ خود مسلمانوں کی اپنی زمین پر ہوئی ہے اور بدر و حنین میں فتح کے بعد بھی کوئی علاقہ شامل خالصہ نہ ہوا تھا۔

بوجوہات بالا ضروری ہے کہ اسم فاتح کے معنی پر غور کیا جائے۔ قرآن مجید میں سورہ اِنَّا فَتَحْنَا موجود ہے اور اسی میں حضور کی فتح مبین اور نصرت عزیز کا اعلان فرمایا گیا ہے وہ فتح صرف اسی ایک استحقاق حاصل کرنے کا نام ہے کہ آئندہ تبلیغ اسلام میں قریش مداخلت نہ کریں گے۔

ہاں حضور فاتح ہیں کہ حضور نے اپنی تعلیم سے ناواقفوں کے سینے کھول دیئے اسرار روحانی واضح کر دیئے۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کے سامنے جو موانع موجود تھے ان کو دور فرما دیا۔ حریت عطا فرمائی اور آزادی دین کے حقوق سے سب کو بہرہ مند فرمایا۔ عمان کا حکمران۔ اکیدر کا بادشاہ حبشہ کا تاجور۔ یمن کا فرمانروا شام کا حاکم مختار اپنے اپنے مقامات پر مقیم اور اپنے اپنے ممالک پر متصرف اور اورنگ نشین ہیں لیکن اُن کے دل و دماغ کو اس حبیب اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتح کر لیا ہے۔ اور اب اُن کو فدوی باخلاص کہلانے میں وہ مزا ملتا ہے جو شاہ گردوں قباب کہلانے میں نصیب نہ تھا۔

وہ دلوں کا فاتح ہے۔ وہ قلوب پر قبضہ کرنے والا ہے وہ روح رواں کی روح رواں ہے اور تاب و توان کی جان ہے۔

۳۸۶ او وہ قاسم ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ مُعْطِیْ دینے والا تو اللہ ہے اور تقسیم کر دینے والا میں ہوں۔ حضور نے کن کن فیوض و برکات کو عام کیا اور کن کن تجلیات و تدلیات کو بصیرت فروز بنایا۔ کن کن آلاء و نعم سے دنیا کو متمتع کیا اور کن کن عطایا سے اہل دین کو ممتاز بنایا یہ ایک وسیع بیان ہے۔

اس عرب کو جو گرسنہ علوم اور تشنہ حقائق تھا حضور ہی کی تقسیم نے سیر اور سیراب بنایا۔ جن نعمتوں کے گنجینہ دار اہل زرانشت تھے اور جن آلاء کے خازن اسرائیل تھے۔ اور جس پرشاد کے بھنڈاری گنگا جمنا پر قبضہ کرنے والے تھے اُن جملہ خزائن و دفائن کو حضور نے نکالا اور عرب پر تقسیم کر دیا۔ وہ عرب جو اب تک ریگ بیابان اور سنگلاخ وادی کے سوا اور کسی شے کے مالک نہ تھے انہی لوگوں نے اپنی عطیات کا حصہ دار ہر ایک انسان کو بنایا۔ انہی نے ہر ایک صادر و وارد کو اپنے دسترخوان پر بٹھلایا انہی نے مساکین و ابناء السبیل کیلئے مشرق سے مغرب تک لنگر جاری کئے۔ پیاؤ سجائے ابرار کا کھلایا ابرار کا

پلایا غیروں کو اپنا کیا اور دشمنوں کو چھاتی سے لگایا اور اسطرح پر آج تمام دنیا زلہ خوار کرم مصطفےٰ ہے۔ اور جملہ اہل عالم نمک خوار احمد مجتبٰے ہے۔ ورنہ یہ حقائق یہ معارف دنیا کو کہاں نصیب تھے۔

(۳۹) وہ مصطفےٰ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اسماء مبارکہ میں سے ہے حتیٰ کہ اسم مصطفےٰ اب حضور کے لئے بطور علم مستعمل ہے۔ اور دوسرے کیلئے نہیں۔ آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ آدم اور نوح۔ اور ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام خصوصیت سے وہ بزرگوار ہیں جن کے لئے فعل اصطفےٰ کا اطلاق ہوا ہے۔ اور اصطفیٰ کا سبب یا ذریعہ کلام آلٰہی اور وحی ربانی کا نزول تھا۔ یہ وجوہ امتیاز بدرجہ اتم واکمل وجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہیں۔ کتاب استثنار کے باب ۱۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص وجہ شناخت یہی فرمائی گئی ہے کہ اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہوگا۔ وحی کا نزول اور اس کا تسلسل تنزیل اور تکمیل کی کیفیت جو کچھ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے وہ اور کسی دوسری کتاب میں نہیں لہذا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ برگزیدہ و چیدہ ہستی ٹھہرے جن کا نام مصطفےٰ ہو۔ اور جن کا اصطفیٰ ہر ایک مقدس کے اصطفاء سے برتر واعلیٰ ہو۔

قرآن مجید میں اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران) فرمایا گیا ہے۔ آل ابراہیم میں سیدنا ابراہیم خود اور حضور کی آل ہر دو شامل ہیں اور اس اسلوب کلام کے اختیار کرنے کی وجہ یہی ہے کہ آل ابراہیم کا اصطفیٰ حضور ہی کی شمولیت پر مبنی ہے۔

(۴۰) وہ مطاع ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذات سبحانی ہے جسکی اطاعت مقصود بالذات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت کرنیوالوں کی شناخت کیلئے یہ معیار مقرر کر دیتا ہے کہ انبیاء الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سمجھے جائیں گے۔ اور اطاعت انبیاء سے گریز کرنے والے ہی اطاعت ربانی سے گریز کرنے والے قرار دیئے جائیں گے۔ اس اصول کو اللہ تعالیٰ نے بطور قانون محکم ظاہر فرما دیا ہے۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

اصولی حکم کے بعد ذات مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خصوصیت سے فرما دیا وَ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ اس رسول کی جس نے اطاعت کی تو اس نے بالضرور اللہ ہی کی اطاعت کی۔

بعد ازاں فرما دیا۔

اِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا۔ اسکی اطاعت کروگے تو ہدایت یاب بنجاؤگے۔

قرآن مجید میں مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت میں فرمایا گیا ہے۔ اور سورہ تحریم میں وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ نازل کیا گیا ہے مطلب یہ ہوا کہ وہ مطاع آسمانی اور امین وحی ربانی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگاروں میں اسی طرح داخل ہیں جیسے دیگر ملائکہ اور جملہ مومنین۔ ہر دو آیات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑھ کر مطاع ہونا واضح فرما دیا۔

لہٰذا اب کوئی نبی یا مرسل کوئی ملک یا حامل وحی۔ کوئی پیر و مرشد۔ کوئی امام کوئی شہید یعنی مخلوق الٰہی میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہ جاتا جو سیّدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مطاع کہلانے کی جرأت کر سکتا ہو۔ یا جس کی اطاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو چھوڑ کر باعث ہدایت و قرب ربانی بن سکتی ہو۔ حدیث پاک وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ اسی راز کی کاشف ہے۔ ہاں ہر ایک کلمہ خواں اسلام کا دین و ایمان یہی ہے کہ قرب الٰہی اور رضوان سبحانی اور مغفرت و نجات کا ذریعہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف ایک ہے اور وہ اطاعت محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کی اطاعت کا مدعی بنکر حضور کی اطاعت سے اظہار استغناء کرے تو وہ مغفرت و نجات سے دور ہے اور قرب و رضوان کے منازل عالیہ سے مہجور۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مطاع ہیں اور حضور ہی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے ائمہ دین اور اصحاب کرام کے مدارج و مناصب اس لئے دیگر مخلوق سے برتر و عالی ہیں کہ یہ بزرگوار حضور کی اطاعت میں مستحکم اور کامل تر ہیں ؎

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز در پئے مصطفٰے

(۱۸) وہ ماحی ہے صحیحین کی متفق علیہ حدیث پاک عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ لِیْ خَمْسَۃَ اَسْمَآءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَنَا الْعَاقِبُ

اَلَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ

حضور ماحی ہیں۔ کفر و ضلالت کو محو کرنے والے شرک اور ماسوا پرستی کو مٹا دینے والے۔ حجاب سہم و نفس کو اُٹھا دینے والے۔ کوان و خذلان کے غاروں کو بھر دینے والے۔ طغیان و عصیان کی بلند بلند چوٹیوں کو پیوست کر دینے والے حضور ہی ہیں جنہوں نے کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کو جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کا حکم سنا کر او ندھے منہ گرا دیا۔ حضور ہی ہیں جن کے ارشادات کے بعد نصاریٰ نے سیدہ مریم کو والدہ خدا کہنے سے اجتناب کیا۔ حضور ہی ہیں جنکی ہدایات سے دام مارگیوں، پتیر زنگدیوں جیسے فحش پسند فرقوں کا بیڑہ غرقاب کیا۔ حضور ہی ہیں جنہوں نے معصوم بچیوں کو پیوند خاک ہونے سے اور ناکردہ گناہ دلہنوں کو زندہ نذر آتش بنائے جانے سے بچایا حضور ہی ہیں جنہوں نے خمر و قمار کو رجس و نجس بتایا۔ حضور ہی ہیں جنہوں نے ہر ایک نشیلی چیز کو جوہر صحت انسانی کا دشمن ظاہر کیا۔ الغرض مفاسد و رذائل کو مٹانا مکارہ و ماثم کو محو کرنا حضور ہی کی پاک اور طیب تعلیمات کا خاصہ ہے۔ لہٰذا حضور کا ماحی ہونا مسلم ہے۔

(۴۲) وہ حاشر ہے۔ قیامت کے دن مرقد پاک اور آرامگاہ خاص سے سب سے پہلے سر اُٹھانیوالا احیائے موتیٰ کی کیفیت کا ملاحظہ کرنے والا منادی العباد کی ندا پر سب سے پہلے لبیک پکارنے والا۔ غمخواہی اُمت کی سب سے پہلے چارہ گری فرمانے والا حضور ہی ہیں۔

(۴۳) وہ عاقب ہے سب سے پیچھے آنے والا۔ جملہ انبیاء کی اقتداء کو جمع کرنے والا عدیم النظیر عدیم المثال۔ آغاز نبوت کا انجام اور انجام رسالت کا اتمام۔

(۴۴) وہ نور ہے۔ اسی کے دین پر چلنے والا فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (زمر ع ۲) کے نورانی خلعت سے ممتاز ہے۔ اسی کی لائی ہوئی کتاب کو نور بتایا گیا ہے۔ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ (اعراف) اس نور کا اتباع کرو جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔

اسی کا مبارک نام سورہ مائدہ میں نور بتلایا گیا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ خازن و معالم میں نور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات بتایا ہے۔ حضور ہی وہ نور ہیں۔ اسرار و حقائق نبوت ہیں لوریں اور حضور ہی کی تعلیم تنویر قلوب کیلئے نور ہے۔

حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر غور کرو اور دیکھو کہ تمام مخلوقات سے روزانہ کس شے

حضور ہی ہیں جنکی تعلیم سے مانی و منشورلیسی کی نا پاک تعلیم سے ایرانیوں کو نجات دی۔

کا سوال ہے؟ کیا ذاتِ سبحانی کسی کا سوال رد بھی فرماتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ
نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا
وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ
نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ
لِّیْ نُوْرًا وَّفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّفِیْ دَمِیْ نُوْرًا
وَّفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا
وَّفِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا
اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا

الٰہی میرے قلب میں نور ہو۔ میری آنکھوں میں نور
میرے کانوں میں نور میرے داہنے نور میرے
بائیں نور میرے اوپر نور میرے نیچے نور میرے آگے
نور میرے پیچھے نور۔ نور کو میرا بنا دے۔ میری زبان
میں نور ہو میرے خون میں نور ہو میرے پٹھوں میں نور
ہو میرے بالوں میں نور ہو میرے چہرے پر نور ہو
یا اللہ مجھے نور عطا فرما۔ یا اللہ میرے نور کو بڑھا۔ یا اللہ
مجھے نور ہی بنا۔

کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ قصیدہ "بانت سعاد" میں کہتے ہیں۔ ع

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِهٖ

(۴۵) وہ مدثر ہے۔ تدثیر کے معنے ہیں طائر کا اپنے گھونسلے کو درست کر لینا۔ کاشانۂ عالم حضور کے علو مراتب کے مقابلہ میں ایک آشیانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور حضور کا اس آشیانہ کو درست و محکم بنا دینا اہل عالم کی ضروریات مادی و اخلاقی و روحانی کو مکمل فرما دینا ہے۔ یہ تکمیل انذار اور تکبیر و تہلیل ربانی اور تطہیر خلائق از علائق مادی و قلبی کی تدابیر سے فرمائی گئی ہے رجز و رجس کو دور فرما کر طہارت ظاہری و باطنی سے اہل عالم کو مطہر بنانا اسی مدثر کا کام ہے۔

(۴۶) وہ مزمل ہے۔ اسکی آنکھیں دنیا کے تیرہ و تاریک کے بدنما چہرہ کو نہیں دیکھ سکتیں اسکے کان عالم زور کے کذب و بہتان کو نہیں سن سکتے۔ وہ گھبرا کر غار حرا کے خلوت کدہ میں چلا جاتا ہے۔ اسکی پاک فطرت کے مطابق تجلیات قدسیہ کو اسکے سامنے کھول دیا جاتا ہے۔ ملکوت اعلیٰ کے مظاہر کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ کلام لم یزلی سامع نواز بنتا ہے۔ اسوقت ترہب اور تبتل کا راز آشکار کر دیا جاتا ہے۔

جو لوگ ظلمت کدہ آفرینش سے بیزار ہوتے۔ اکثر انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ دانشمند لوگ فیثاغورث و دیوجانس۔ رشی و بید بیاس وغیرہم نے جو آسمان تاریخ کے روشن کواکب ہیں۔ اسی روش کو

پسند فرمایا۔ ہزاروں نن اور منک نے نیک نیتی سے رہبانیت ہی کو اس دنیا وغدار سے چھوٹنے کی اعلیٰ تدبیر سمجھا۔ ہزاروں جیتی درویش اسی ریاضت میں اپنی زندگی پر کھیل گئے۔

قدرت ربانیہ نے تبتل کا نسخہ اسی مزمل کو بتایا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا سارا دن مخلوق کی رہنمائی اور عقدہ کشائی میں پورا ہو جاتا ہے۔ اسکی ساری رات اپنے مالک کے سامنے معروضات کے پیش کرنے میں گزر جاتی ہے۔ اسکی انذار وبشارت بعض کے سامنے فرعونیوں کے انجام کو قریب کر دیتی ہے اور بعض کو ہلاکت وتباہی کے بحر احمر سے بہ خیر وسلامت گزر جانے کیلئے دلیل راہ بنجاتی ہے۔ ہاں وہ مزمل ہے۔ وہ فرعونیوں کے لئے موسیٰ جیسا شکوہ اور ایمانیوں کے لئے عیسےٰ جیسا یقین اور مذموم عاقبت والوں کیلئے ہدیٰ محمدؐ لیکر آیا ہے۔

(۷۷) وہ مشہود ہے۔ امام قرطبی کا بیان ہے کہ "انبیا علیہم السّلام شاہد ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہیں"۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمودہ درست ہے۔ سیدنا یعقوب موسیٰ وداؤد و سلیمان وشعیباہ ودانی ایل ویرمیاہ وحبقوق ودیوبنا ومسیح علیہم الصلوات والسلام نے حضور کی شہادت ادا کی ہے۔ حضور کے خیر مقدم کی اطلاعیں دی ہیں۔ حضور کا حلیہ۔ حضور کا مقام ولادت وہجرت۔ حضور پر کلام اللہ کا نزول۔ حضور کی پاک تعلیم اور راستبازی کا ملہ کے دروس پاک کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا حضور انبیا علیہم السّلام کی زبان پر بالتحقیق مشہود ہیں۔

کارلائل۔ سرمور۔ واشنگٹن۔ جان ڈیون۔ ایڈورڈ گبن۔ جیسے بیباک آزاد خیال بھی حضور کی روشن ضمیری۔ خیر خواہی خلائق بے لوث زندگانی، پاک ترین حیات۔ پاک ترین مقصود کیلئے پاک ترین تدابیر کے عمل میں لانیکے مدحت طراز اور توصیف نگار ہیں۔

ہاں وہ زمین وآسمان جس میں روزانہ اسکی عبودیت ورسالت کی شاہانہ نوبت اوقات خمسہ میں بلند آوازہ سے حضور کا مشہود ہونا تسلیم کر رہے ہیں۔

(۷۸) وہ رؤف اور رحیم ہے۔ یہ دو اسماء یقیناً اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے کلام میں حضور کا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ہونا مسلم ہے۔ اختصار نگار کیلئے یہی سند کافی ہے۔

(۷۹) وہ مذکر ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کہ قافلہ بھی آگے بڑھنے کی جرات نہ کرسکتا ہو، ...

آگے بڑھتا ہے۔ خشک پتھروں کی اوٹ اور ریت کے بستر پر لیٹنے والوں کی تذکیر فرماتا ہے۔ اور وہی مبارک نام جسکی تذکیر فرمائی گئی سُننے والوں کے دل و زبان پر بطور ذکر دوام جاری ہو جاتا ہے۔

وہ مخالفین کی صفوں۔ سالانہ منڈیوں پُر رونق میلوں ٹھیلوں میں جاتا ہے۔ اور یَآ اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا کی تذکیر فرماتا ہے۔

وہ پہاڑ پر جاتا ہے۔ پتھر کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پاک نام غافلوں کی جماعت تک پہنچاتا ہے۔ وہ میدان جنگ میں نرغۂ اعدا میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا بازو اس کا سر اسکے دندان سنگ باری سے مجروح ہیں لیکن وہ اس حالت میں بھی تذکیر فرما رہا ہے۔ وہ بستر پر پڑا ہوا ہے۔ چودہ دن سے شدید تپ ایک منٹ کیلئے بدن سے الگ نہیں ہوئی۔ درد سر بھی ہے۔ ضعف و ناتوانی کا غلبہ ہے لیکن وہ تذکیر میں مشغول ہے وہ وصایا و نصائح سے اُمت کے مستقبل کی فکر فرما رہا ہے اور اللہ کا پاک نام تلقین کر رہا ہے۔ وہی مذکر ہے اور تذکیر اُسی پر ختم ہے۔

(۵۰) وہ مبارک ہے۔ لفظ برکت برک البعیر سے ماخوذ ہے۔ اونٹ کا جم کر بیٹھ جانا اس لفظ کا مفہوم لغوی ہے۔ برکت میں استقرار اور دوام کے معانی داخل و شامل ہیں۔ وہ مبارک ہے اسی کا دین ہمیشہ تک رہنے والا ہے۔ اُسی کی شریعت نسخ سے بری ہے۔ وہی تا قیام قیامت سب کا ہادی ہے۔ اسلام جہاں پہنچ گیا جم گیا۔ سب ملک اسی کے ہیں۔ وہ ہر جگہ کو اپنا وطن سمجھتا ہے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے حضور کیلئے اس اسم کا استعمال کیا ہے۔

صَلَّی الْاِلٰهُ وَمَنْ یَّحُفُّ بِعَرْشِهٖ ۔۔۔ وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَكِ اَحْمَدَ

سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے جو راہب نصرانی تھے اپنے نعتیہ قصیدہ میں کہا ہے۔

وَوَجَّهْتُ وَجْهِیْ نَحْوَ مَكَّةَ قَاصِدًا ۔۔۔ وَبَایَعْتُ بَیْنَ الْاَخْشَبَیْنِ الْمُبَارَكَا

(۵۱) وہ مہاجر ہے۔ قرآن مجید مہاجرین و انصار کے فضائل و مدائح سے مملو ہے۔ مہاجرین کو انصار پر مزیت خاص اور امتیاز خاص ہے۔ مہاجرین وہی ہیں جنھوں نے حضور کی اقامت کو پورا کیا۔ گھر بار۔ خویش و تبار۔ وطن و دیار کو ترک کر دیا۔ مگر حضور کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مہاجرین کی حضور ہی کی برکت سے تبدیل ثانی ہوئی۔ حضور مہاجر ایسے جیسا کہ سیدنا ابراہیم و لوط و اسمٰعیل و موسیٰ و ہارون

و داؤد علیہم السلام بھی مہاجر تھے۔

(۵۲) وہ ہادی ہے۔ ہدایت کے دو مفہوم ہیں کسی کے دل میں ایمان ڈالدینا آیت ذیل میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ (قصص)	تو ہدایت نہیں دے سکتا اُسے جسے تو پسند کرتا ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کسی کو بھی وہ چاہے

رب ہکسی کو ایمان دیقین کیطرف بلانا اور اپنی دعوت کی حقانیت کو دلائل و براہین روحانی یا عقلی سے اور اپنے افعال حمیدہ واقوال حکیمہ سے مستحکم کرنا بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزش طمع خالصۃً خیر خواہی و نیک سگالی کے فرائض ادا کرنا اس مفہوم کی تکمیل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات پر ہوتی ہے اور آیت ذیل میں اسی معنی کو بیان فرمایا گیا۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ	تو بالضرور سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت اور دعوت الی الحق کے جملہ بہترین طریقوں کو جمع فرمادیا تھا کشادہ روئی۔ نرم خوئی۔ خلق عظیم ایسی صفات تھیں کہ دشمن بھی حضور کو دیکھ کر اپنی دشمنی بھول جاتا تھا۔ شیریں کلامی۔ واضح بیانی۔ ایسی کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا۔ سامع کے قلب میں اتر جاتا تھا۔

دلائل و براہین کے وارد کرنے میں حضور نے منطقیوں اور فلسفیوں کی ژولیدہ تقریروں اور مغلق الفاظ اور الزام خصم وغیرہ کے جملہ مسلک ترک کر دیئے تھے۔ حضور کے دلائل انفسی اور آفاقی ہوتے تھے۔ انسان کے سامنے خود اسی کی فطرت کو پیش کر دینا یا انسان کے ماحول کو انسان کیلئے دلیل راہ بنا دینا حضور کا مبارک شیوہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور پر اُن قوانین فطرت کو کھول دیا تھا جن پر خلوق کی آفرینش ہوئی ہے لہذا حضور کے دلائل بھی براہ راست سرشت انسانی اور خلقت بشری کو متوجہ و بیدار اور مخاطب کرنے والے ہوتے تھے۔

معہذا حضور نوع انسان کیلئے ایسا مکمل نمونہ تھے کہ حضور کے افعال حضور کے اقوال کے مصدق ہوتے تھے۔ اور حضور کے اقوال حضور کے افعال کا معیار تھے۔ اس ظاہر و باطن کے

توافق اور افعال و اقوال کے تطابق نے حضور کو نوع بشر کا سچا ہادی بنادیا تھا۔ ضرار بن الخطاب الفہری نے فتح مکہ کے دن حضور کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

یا نبی الہدی الیک لجاجی　　قریش ولدت حین لجاء

نابغہ جعدی کا شعر ہے۔

اَتَیتُ رَسُولَ اللّٰہِ اِذ جَآءَ بِالھُدیٰ　　وَیَتلُو کِتَاباً کَالمَجَرَّۃِ نَیِّرًا

(۵۳) وہ رئیس ہے۔ وہ سید ہے وہ سید الناس ہے، وہ سید البشر ہے۔ اس کا صدق۔ اسکی دیانت اسکی راستی سب پر ثابت ہو چکی ہے۔ اب خواہ اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں۔ قرون ماضیہ میں بعض اقوام کے پاس یکے بعد دیگرے تین تین نبی بھیجے گئے اور وہ صرف ایک نسمہ طیبہ کو جنت تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سید وہ ہے جو اکیلا آیا سینکڑوں اور ہزاروں کو ظلمات سے نکلنے اور نور میں پہنچانے کا سبب ٹھہرا۔ وہ کبھی عرب سے باہر نہیں گیا مگر اسکی تبلیغ نے دنیا کے ہر ایک براعظم پر قبضہ کیا۔ وہی اندھوں کے لئے بینائی ہے اور وہی بیناؤں کے لئے روشنائی دلوں پر گرے ہوئے پردوں کو اٹھا دینے والا بہرے کانوں تک صدائے حق پہنچا دینے والا۔ اسرائیلیوں اور اسماعیلیوں کی منافرت کو دور کرنے والا۔ عرب اور عجم کو ایک کر دینے والا۔ وہ احرار کا سید اور غلاموں کا مولیٰ ہے۔ اموبہ۔ عباسیہ۔ فاطمیہ۔ رخشیدیہ۔ مغول اور ترک۔ افریقی و مراکشی۔ الجزائری و حجازی اگرچہ اپنی اپنی زبان دہی و حکمرانی میں اپنے آپ کو لاثانی سمجھتے ہیں۔ ایک سلطنت دوسری سلطنت کی ابہت و شوکت سے انکاری ہے۔ لیکن حضور کی کفش برداری کو ہر ایک تاجدار اپنا افتخار سمجھتا ہے۔ حضور کے دربار میں خاک پر جگہ مل جانے کو تخت واورنگ کی نشست سے بہتر جانتا ہے۔ درحقیقت حضور ہی سید ہیں اور حضور ہی سرور عالم۔

(۵۴) وہ خاتم النبیین ہے۔ آیت قرآنیہ میں وَلٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں کیسی برقی طاقت موجود ہے۔ طبائع انسانی پر اس کو کتنی قدرت حاصل ہے۔ اس آیت سے پیشتر بنی اسرائیل میں سینکڑوں اور ہزاروں کو نبی تسلیم کیا گیا۔ ہندوؤں میں کروڑوں اشخاص کو دیوتا مانا گیا۔ چین و ایران میں بھی سروش یزدانی کا نزول اور ملکوتی جلال کی تدلیات ہزاروں پر اترتی رہیں۔ مگر اس آیت کا اترنا تھا کہ تمام مذاہب اور جملہ ممالک اور

جمیع اقوام کے علم و خیال اور دل و دماغ سے وجود نبوّت اور اسکے دعوے کے اظہار کا تصوّر و تخیل ہی اُٹھ گیا سب نے اپنے اپنے گھروں میں بھی نبوّت کے دروازوں پر قفل ڈال دیئے۔ اور ہر ایک مذہب نے اپنے طریق عمل سے صحت مضمون آیت پر صاد کر دیا۔

دیکھئے اسے کہتے ہیں نصرتِ ربانی۔ اور اسے کہتے ہیں کلام ربانی جس کے نزول کے بعد منکرین نے بھی اسکے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور مخالفین نے بھی اس مسئلہ پر اپنا علی اتفاق پیش کر دیا نظامی گنجوی فرماتے ہیں۔

نبوت راتوئی آں نامہ در مشت | کہ از تعظیم دارد مہر بر پشت

عباس بن مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

یَا خَاتِمَ النُّبَآءِ اِنَّکَ مُرْسَلٌ | بِالْحَقِّ کُلُّ ھُدَی السَّبِیْلِ ھُدَاکَا

اب میں اس مضمون کو جو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسم مبارک احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداد (۵۳) پر ختم کرتا ہوں۔ انشاء اللہ پھر کبھی اسے اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداد (۹۲) تک وسعت دی جائے گی اور معانی و لطائف میں بھی ذرا وسعت و فسحت سے کام لیا جائیگا۔ اور پھر بھی یہی ہوگا کہ اس اعتراف کو مکرر سہ کرر دہراتا رہونگا۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین تو از تنگی داماں گلہ دارد

فصل ششم

سنّت مصطفویّہ وطریقہ محمدیّہ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں حدیث ذیل بروایت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات کا وضوح بخوبی ہوتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا جو درجہ حدیث میں ہے وہ اُن کی کتاب اکمال شرح صحیح مسلم اور مشارق الانوار سے بخوبی نمودار ہے۔ نبی کریم کے فضائل وشیم وخصائل کے بیان صحیح میں جو اُن کو شغف قلبی ہے۔ وہ اُن کی کتاب الشفاء فی بیان حقوق المصطفےٰ سے خوب واضح ہے۔ مصنف کی ثقاہت اور امامت فی الدین توثیق حدیث کیلئے مکتفی ہے۔ بمعہذا جملہ کلمات واردہ کی تطبیق دیگر روایات متعددہ سے ہو جاتی ہے۔

شرح حدیث کیوقت خوش قسمتی سے علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی الفقیہ الحنبلی المفسر النحوی الاصولی المتکلم الشہیر بابن قیم الجوزیہ کی کتاب مدارج السالکین بھی مل گئی۔ یہ کتاب شیخ الاسلام الہروی عبد اللہ بن محمد بن علی الصوفی القدوۃ الحافظ احد الاعلام کی کتاب منازل السائرین کی شرح ہے اس شرح میں ہر دو کتب سے پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے جزاہما اللہ عنا خیر الجزاء۔

حدیث یہ ہے

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنَّتِہٖ فَقَالَ الْمَعْرِفَۃُ رَأْسُ مَالِیْ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ وَ ذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ وَالثِّقَۃُ کَنْزِیْ وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ وَالْعِلْمُ سِلَاحِیْ۔ وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ وَالْعَجْزُ فَخْرِیْ۔ وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ۔ وَالصِّدْقُ شَفِیْعِیْ۔ وَالطَّاعَۃُ حَسْبِیْ وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ وَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور کا طریقہ (سنت) کیا ہے فرمایا معرفت میرا راس المال ہے عقل میری دین کی اصل ہے۔ محبت میری بنیاد ہے شوق میری سواری ہے۔ ذکر الٰہی میرا انیس ہے اعتماد میرا خزانہ ہے۔ حزن میرا رفیق ہے۔ علم میرا ہتھیار ہے۔ صبر میرا لباس ہے۔ رضا میری غنیمت ہے۔ عجز میرا فخر ہے۔ زہد میرا حرفہ ہے یقین میری خوراک ہے۔ صدق میرا ساتھی ہے طاعت میرا بچاؤ ہے۔ جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اَلْمَعْرِفَۃُ رَأْسُ مَالِیْ

معرفت اصل پونجی ہے

راس المال اُس رقم کو کہتے ہیں۔ جسکے بغیر تجارت کا آغاز ہی نہیں ہوسکتا جس سے تاجر اپنی تجارت کو شروع کیا کرتا ہے۔ حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمایا گیا ہے۔

معرفت لغت میں شناخت کو کہتے ہیں۔ اصطلاح عرفاء میں اس کا استعمال ہدایت پر بھی ہوتا ہے اور نہایت پر بھی۔

واضح ہو کہ معرفت کی ابتدا خود نفس انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے۔ سعید وہ ہے جسکے شعور کا آغاز خود اپنے عیوب کی شناخت سے ہو۔

بائبل اور قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام کی بابت ہے کہ تمیز کے بعد سب سے پہلے اُنہوں نے یہ شناخت کیا کہ وہ برہنہ ہیں۔ پھر اُسی وقت اُنہوں نے درختوں کے پتے جمع کیے۔ اور اُن کو ٹانک ٹانک کر اپنی برہنگی کا پردہ بنایا۔

پدر اعظم کا اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے۔ کہ جب انسان کو اپنا کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو فوراً اسکے ازالہ کی تدبیر کرنا چاہیئے۔

لغت اور شرع میں معرفت اور علم کے دو الفاظ ہیں جو شناخت کیلئے آتے ہیں۔ اہل علم کے نزدیک لفظ علم کا درجہ لفظ معرفت سے برتر ہے۔ گو متصوفین کی اصطلاح میں اب لفظ معرفت کا درجہ لفظ علم سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (مائدہ)	جب اُنہوں نے وہ کلام سنا جو رسول پر اُتارا گیا تب اُنکی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے حق کی شناخت کر لی۔
(۲) وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ	جس دن ہم اُنکو اُٹھائینگے (اور وہ سمجھیں گے) گویا دن کی ایک گھڑی برابر ہی وہ قبروں میں رہے ہیں تب وہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر لیں گے۔
(۳) وَجَاءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ۔ (یوسف)	جب یوسف کے بھائی مصر آئے اور یوسف کے سامنے گئے تو یوسف نے اُنکو شناخت کر لیا
(۴) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ (بقرہ)	جن کو ہمنے کتاب دی ہے۔ وہ اسکی شناخت رکھتے ہیں جیسی شناخت ان کو اپنے فرزندوں کی ہے

ہر چہار آیات بالا میں معرفت کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ اور اس فعل کے فاعل انسان ہیں۔

اب لفظ علم کو مندرجہ ذیل آیات میں دیکھو۔

(۱) فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ہود)	جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے
(۲) اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (نساء)	اللہ نے قرآن کو اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔
(۳) قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ (طٰہٰ)	اے نبی یہ دعا کیجئے کہ اے رب مجھے علم میں بڑھا ہو۔

ان آیات میں علم کو ذات رب العالمین سے نسبت ہے۔

بلحاظ معنی معرفت و علم میں فرق یہ ہے۔ کہ معرفت کسی شے کی ذاتی شناخت کو کہتے ہیں۔

اور علم کا اطلاق اُس شے کے اندرونی احوال پر آتا ہے۔
لہٰذا معرفت کو تصوّر اور علم کو تصدیق کہا جاسکتا ہے۔
حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمانے سے اُسی ابتدائی سلوک کیطرف اشارہ فرمایا گیا ہے جبکہ انسان کو اپنے بندہ ہونے کی اور رب العالمین کے مالک ہونے کی شناخت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی شناخت۔ یہی احساس بندہ کیلئے ہادیٔ راہ بنجاتا ہے۔
واضح ہو کہ اہل تصوّف نے امارات اور شواہد معرفت پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔
شبلیؒ فرماتے ہیں۔
عارف کو تعلقات سے کیا علاقہ۔ محب کو شکوہ سے کیا نسبت۔ بندہ کو دعویٰ سے کیا تعلق
جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ عارف کسے کہتے ہیں؟ فرمایا پانی کا رنگ ظرف کے رنگ کا سا نظر آیا کرتا ہے۔
اِس قول کے معنی یہ ہیں کہ بندہ پر اَلوانِ عبودیت کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ کبھی ابتلائے ربانی کے سامنے صابر ہوتا ہے۔ اور کبھی نعمائے رحمانی کے سامنے شاکر کبھی وعدہائے صدق کی بشارت سے اُس کا قلب خلد بہار ہوتا ہے۔ اور کبھی مواعید الٰہی سے وہ سراپا عجز و انکسار۔
ذوالنون مصری فرماتے ہیں۔ کہ عارف کی تین نشانیاں ہیں۔
(۱) نورِ معرفت پر نورِ ورع غالب ہو۔
(۲) اعتقادِ باطن حالت ظاہر سے متناقض نہو۔
(۳) نعم الٰہیہ کی فراوانی سے محارم الٰہیہ میں نہ گر پڑے۔
حقیقت یہ ہے کہ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے اور اس ہیبت ہی کے اندر اُنسؔ و انشراح ہوتا ہے۔
حدیث صحیح میں ہے۔
اَنَا اَعْرَفُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَشَدُّکُمْ لَہٗ خَشْیَۃً میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا عرفان رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اُسکے سامنے خشیت والا ہوں۔

گویا معنے بالا کو الفاظ بالا میں ظاہر فرما دیا گیا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ معرفت وہ نور ہے۔ جو مومن کے سینہ میں رکھ دیا جاتا ہے۔ کہ وہ صفات ربانی کو سمجھ سکے اور شواہد و براہین کا استعمال کر سکے۔

عارف صفات پر ایمان رکھتا ہے۔ اور اُن کو تشبیہ سے بالاتر سمجھتا ہے۔ وہ تشبیہ کی نفی کرتا ہے اور تعطیل سے پرہیز کرتا ہے۔ آگے بڑھ کر وہ صفات و ذات کی تفریق سے اجتناب کرتا ہے اور آگے بڑھ کر وہ جملہ وسائل۔ وسائط۔ براہین اور شواہد سے منہ موڑ کر اپنے قلب و روح کو اپنے مالک کے انعام پر چھوڑ دیتا ہے۔ تب اُسے معرفت کا حصہ بقدر ظرف حاصل ہو جاتا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا اشارہ اسی راز کیطرف ہے۔

(۲) اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ

میرے دین کی جڑ عقل ہے

عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں، وہ عقیدۂ تثلیث کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اسکی بنیاد فہم انسانی سے بالاتر ہے۔

وہ شاگردوں کو تثلیث کی تعلیم دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں۔ کہ اس لقمہ کو حلق سے نیچے نگل جاؤ خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔

مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا عقل اور عاقلین کی فضیلت آیات قرآنیہ سے بخوبی ہویدا ہے

(۱) كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۔ ہم اسطرح آیات کو کھول کھول کر عقل والوں کے لئے بیان کیا کرتے ہیں (روم ۳۶)

(۲) وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۔ ہم نے اسکے روشن نشان چھوڑے ہیں عقل والوں کے لئے (عنکبوت ع ۴)

قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

(۳) وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۔ رجس انہی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔
(یونس ۱۰۶)

"بتلایا گیا کہ علم و عقل لازم و ملزوم ہیں اور انہی دونوں کی آمیزش سے نتائج صحیحہ پیدا ہوتے ہیں"

(۴) وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُوْنَ (عنکبوت ع۵) ان باتوں کی عقل اہل علم ہی کو ہے۔

بیشک جو شخص احکام شریعت کو پڑھیگا اور اُن حکم پر بھی غور کریگا۔ جنکی وجہ سے ان احکام کا نفاذ ہوا۔ تو اُسے بالیقین معلوم ہو جائیگا کہ عقل کے ساتھ احکام شرعیہ کا تعلق بطریق مستحکم ہے

نماز کیلئے یہ حکم پڑھو۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ (عنکبوت ع ۵)	نماز تو بدکاریوں اور برے کاموں سے روکنے والی ہے۔

روزہ کیلئے یہ حکم پڑھو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ع ۲۳)	تم پر روزے لکھ دیئے گئے۔ جیسا کہ تم سے پہلوں پر لکھے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

ادائے زکوٰۃ کے متعلق یہ حکمت معلوم کرو۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم ع ۱)	اگر تم شکر کروگے تو میں تم کو بڑھاؤں گا۔

حج کی بابت جو حکم ہے اُسکے فوائد پر غور کرو۔

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (حج ع ۴)	تاکہ تم اپنے نفع کو دیکھ لو۔

قصاص کا اثر مجرم کیلئے۔

لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ (مائدہ ع ۱)	تاکہ اپنے برے کام کا وبال دیکھے۔

قصاص کا فائدہ ملک کیلئے۔

وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (بقرہ رکوع ۲۲)	تمہاری زندگی قصاص ہی کے جاری کرنے میں ہے

ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرت انسانی بتلایا گیا ہے۔ عقل ہی برہان کی برتری کو تسلیم کرتی ہے۔ اور اسی لئے مخالفین کو فرمایا گیا ہے۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بقرہ) کہہ دیجئے کہ اپنی برہان پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو۔

عقل بیزار اکراہ کے مخالف ہے اور اسی لئے کتاب حمید میں ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (بقرہ ع ۳۴)	دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں۔

ان جملہ شواہد سے ثابت ہے کہ اسلام کا شجر پاک سرزمین عقل میں لگایا گیا ہے۔ اور علم کے پانی سے اُسے پالا گیا ہے۔

نبی الامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ اس دین کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل حتمی ہے وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ

مسلمان نوجوانوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل اپنا فہم سمجھا کرتے ہیں یہ نادانستگی کی پہلی دلیل ہے۔

جو لوگ قانون سلطنت کے فہم سے بھی عاری ہیں جو لوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی ایجادات کے نقل اُتارنے سے عاجز ہیں اُن کا کیا حق ہے۔ اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں۔ اور اپنے فہم کو صاحب شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

---

(۳) وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ

محبت میری بنیاد ہے

واضح ہو کہ تغزل و ابیات میں لفظ عشق کا استعمال زیادہ تر ہوتا ہے۔ مگر فرقان حمید اور حدیث پاک میں لفظ عشق اور اُسکے مشتقات کا استعمال نہیں ہوا اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک ذلیل لفظ ہے۔ اور اصل لغت کے لحاظ سے معنی حُبّ سے عاری ہے۔ قاموس میں ہے اَلْجُنُوْنُ فُنُوْنٌ وَّالْعِشْقُ مِنْ فُنُوْنِہٖ (جنون کی بہت اقسام ہیں عشق بھی یکے از انجملہ ہے)

لہذا لفظ حُبّ کی تحقیق پر زیادہ توجہ کرنا چاہیئے۔ زبان عرب میں اس لفظ سے پانچ محاورات پائے جاتے ہیں۔

(۱) حَبَبُ الْاَسْنَانُ۔ دانت روشن اور صاف ہیں۔

(۲) حَبَبَ الْمَاۗءِ۔ پانی نتھرا ہوا پاکیزہ ہے۔ انہی معنی کے لحاظ سے بُلبلے کو حباب کہتے ہیں۔ جس میں علو اور صفائی پائی جاتی ہے۔

(۳) حَبَّ الْبَعِیْرُ۔ اونٹ نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس محاورہ میں حُبّ کو لزوم و ثبات کے معنے میں لیا گیا۔

(۴) حَبَّ ۔ دانہ و تخم یا اصل شے ۔ اسی لئے سویدائے دل کو حَبَّۃُ الْقَلْب کہتے ہیں اور اسی لئے دانہ کو حب (جسکی جمع حبوب ہے) بولتے ہیں۔

(۵) حَبُّ الْمَاءِ ۔ وہ جوہڑ جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے۔ یہاں حفاظت و نگہداشت کے مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اصل مادہ کے ان معانی کو دیکھو۔ اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ لفظ حُبّ کو جبکہ وہ بطور اسم مستعمل ہوتا ہے حرکت ضمہ دی گئی ہے۔ جو جملہ حرکات میں قوی تر ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ حُبّ میں اوصاف صفا و بہا۔ اور علو و ارتقا۔ اور لزوم و ثبات کا ہونا پایا جاتے ہے۔ حُبّ ہی کو جملہ فضائل کا اصل الاصول قرار دیا جائے۔ اور حُبّ ہی کے حفظ و تمسک کو مایہ حیات انسانی ثابت کیا جاتا ہے۔

بیشک محبت ان جملہ اوصاف پر حاوی و مشتمل ہے

اللہ تعالیٰ نے اثبات محبت کے متعلق کلام پاک میں فرمایا ہے ۔

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ ع ۲۰)	یہ لوگ غیروں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے مگر جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ محکم ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا بندوں کو ہونا اور بندوں کی محبت کا اللہ عز و جل کو ہونا (ہر دو امور کا) ثابت فرمایا ہے ۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (مائدہ ع ۸)	اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہونگے

احادیث پاک میں بھی اس امر کو وضوح کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

(۱) اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَلْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ الْجِهَادُ۔	اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ایمان ہے پھر جہاد ہے ۔
(۲) اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَى اللّٰهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ۔	سب سے پیارا عمل اللہ کے ہاں وہ ہے جس پر عمل والا مداومت کرے ۔
(۳) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّؤْخَذَ بِرُخْصَتِهٖ	اللہ کو پسند ہے کہ اسکی رخصت پر عمل کیا جائے ۔
(۴) اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ الصَّلٰوةُ عَلٰى اَوَّلِ وَقْتِهَا	سب اعمال سے زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ نماز ہے

جو اوّل وقت پر پڑھی جاتے۔

احادیث بالا میں تو اللہ تعالیٰ کی اُس محبت کا ذکر تھا۔ جو اُسے اپنے بندوں کے اعمال سے ہے۔ اب بندوں کی محبت کا ذات پاک کے ساتھ ہونا آیت ذیل میں بصراحت ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (توبہ ع ۳)

کہہ دیجئے۔ کہ اگر تمہارے ماں باپ۔ بیٹے۔ بیٹیاں۔ بہن۔ بھائی۔ بیویاں اور خویش قبیلہ۔ اور مال جسے تم سمیٹتے ہو۔ اور تجارت جسکے گھٹنے سے ڈرتے ہو۔ اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو۔ تم کو اللہ سے اور اُسکے رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنیسے زیادہ پیارے ہیں۔ تب انتظار مہلت کرو۔ یہانتک کہ اللہ اپنا حکم جاری فرمائے۔

اس آیت میں انسان کی اُس محبت کا جو اُسے مادر و پدر۔ دختر و پسر۔ برادر و خواہر۔ خویش و قبیلہ تجارت و منفعت قصر و باغ اور مال و زر سے ہوتی ہے اثبات فرمایا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ان سب اشیاء کی محبت کا انسان کو ہونا ایک فطری امر ہے۔

اُسکے بعد احبیت کا مسئلہ شروع فرمایا۔ کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ و رسول کی محبت ان جملہ انواع محبت پر غالب رہے۔ تب تو سب کچھ ٹھیک لیکن اگر خدانخواستہ اللہ و رسول کی محبت سے ان اشیاء کی۔ یا ان اشخاص کی محبت بڑھ گئی تب معاملہ سخت مشکل ہے۔ اور اس بارہ میں جو کچھ حکم اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی جاری فرمائیگا۔

حکم بالا میں قرآن کریم نے تمدن اور تبتل کا راز منکشف کر دیا ہے۔ اور توحش و ترہب کو چھوڑ کر افراط و تفریط کے وسط میں شاہراہ عدل قائم فرمادی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو اسکے لئے ایک ہی لفظ بیان کر دینا کافی ہے۔ وہ "عبودیت" ہے۔ یہی محبت یا عبودیت جملہ محاسن اعمال کی سرچشمہ ہے۔

محبت ہی سے انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت ہی خوف و رجا کا معدن ہے محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی مقام رضا پر۔ اور کبھی مقام شکر پر متمکن کر دیتی ہے۔

صبر بھی وہی صبر ہے جسکی بنا محبت پر ہو۔ ورنہ اُس کا نام بیچارگی ہوگا۔

زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشا محبت ہو۔ ورنہ اُس کا نام عدم دسترس ہوگا۔

حیا بھی وہی حیا ہے جسکی ولادت محبت سے ہو۔ جو ادب و تعظیم کی ہوا میں پلی ہو۔ ورنہ اُس کا نام انفعالِ طبع ہوگا۔

فقر بھی وہی فقر ہے۔ جو محب کو بجانب محبوب ہو۔ اور دل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کے جود و نوال کی جانب منجذب ہو جائے۔ ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا۔

الغرض محبت ہی قوت القلوب ہے۔

اور محبت ہی غذاء الارواح ہے۔

محبت ہی قرۃ العیون ہے۔

محبت ہی حیوٰۃ الابدان ہے۔

محبت ہی دل کی زندگی ہے۔

محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے

محبت ہی کامیابی کو دوام و بقا کا تاج پہناتی ہے۔

محبت ہی بقا کو تخت ارتقا پر بٹھلاتی ہے۔

اب ہم مدارج محبت کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) محبت کی ابتدا علاقہ سے ہوتی ہے یعنی دل کا تعلق۔ جو کسی جانب پیدا ہو جائے۔

(۲) اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے۔

(۳) اب کشش پیدا ہوتی ہے اور جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے۔ اسیطرح محب کو محبوب کیطرف وہ کشش لئے جاتی ہے۔

(۴) اب سوزش پیدا ہوتی ہے۔ اور دل میں ہر وقت ایک جلن رہنے لگتی ہے

(۵) اب پیار نمودار ہوتا ہے اور صفت وداد سے دل آشنا ہو جاتا ہے۔

(۶) اس پر ترقی و افزونی ہوئی تو شغف کا تسلط ہو جاتا ہے اور محبت کا اثر قعر قلب (دل کے گہراؤ) تک پہنچ جاتا ہے۔ مصائب کی برداشت اور موانعات کی سبکی نظر آنے لگتی ہے۔ تدابیر

قرب اور مواصلات وصل کی درستی میں شب و روز گزرنے لگتے ہیں۔
محبوب کے سوا باقی دیگر تفکرات منقطع ہوجاتے ہیں۔ محبوب ہی کا تصور جسم پر۔ اور محبوب ہی کی محبت دل پر حکمران بن جاتی ہے۔

(۷) اس سے اگلی حالت کا نام عشق ہے۔ یہ لفظ اسم عشقہ سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک بیل زرد پھولوں والی ہوتی ہے۔ جس درخت پر پڑھ جاتی ہے اُسے خشک کر دیتی ہے۔ اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔

(۸) اس سے آگے درجہ تتیم کا ہے۔ یتم کے معنے "غلامی" ہیں۔ اسوقت انسان خود اپنے ہی خیالات کا غلام بنجاتا ہے۔ اور اُن سے رہائی پانا اُسکے اختیار سے باہر ہوجاتا ہے۔

(۹) اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے۔ جبکہ محب ہر ایک دعویٰ سے دست بردار ہوجاتا ہے جبکہ دنیا میں کوئی شئے اُسکی نہیں رہ جاتی ہے۔ جبکہ اُس کا جسم۔ اُس کا دل۔ اُسکی روح۔ اُسکی تمنا اُسکی مراد خود اپنے لئے نہیں رہ جاتی ہے۔ اور وہ ان سب کو خوشی خوشی چھوڑ کر معبود کے معبود ہونے پر بس کر جاتا ہے۔ اور اس امر پر قانع بلکہ شاکر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے معبود کا عبد کہلایا کرے۔

(۱۰) اس سے بھی بالاتر درجہ خلت کا ہے۔ اب تو جسم کا ایک ایک بال اور نبض کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متفق المراد بنجاتے ہیں۔ جذبات اور متمنیات کا خاتمہ ہوجاتا ہے دل و دماغ۔ طبع و روح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ ایک ہی محبوب کا خالص رضوان مقصود و مطلوب بن جاتا ہے۔ وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ محب کا مقصود نہیں بلکہ محبوب کا مقصود محب کا مطلوب نہیں بلکہ محبوب کا مطلوب۔

عام طور پر فہم انسانی اس کیفیت کے تعقل سے نارسا ہے۔ اور اس درجہ کی تکمیل حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور سیدنا و مولانا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کی ہے الفاظ درود پاک میں یہی دو نام ایک دوسرے کے مشبہ و مشبہ بہ کیطرح واقع ہوتے ہیں۔ ایک کو تقدیم کی اوّلیت حاصل ہے اور دوسرے کو اتمام کی فضیلت۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا

بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختتام سے پیشتر اُن اسباب کا ذکر کر دیا جائے۔ جو جالب محبت اور جاذب محب ہیں تاکہ کوئی سعادت مند اُن سے تمتع حاصل کر سکے۔

اسباب لقاء و ارتقائے محبت الٰہیہ درج ذیل ہیں

(۱) قرأت فرقان حمید۔ قرأت کے تحت میں تدبر معانی۔ اور فہم مراد ربانی (ہر دو) شامل ہیں۔

(۲) نماز فرائض کے علاوہ نوافل کی مواظبت و کثرت۔

(۳) دوام ذکر۔ اس لفظ کے اندر ذکر لسانی اور قلبی دونوں شامل ہیں۔ ذکر بالحال اور ذکر بالعمل بھی اسی مفہوم کے اندر ہیں۔

(۴) اسماء و صفات الٰہی کا مطالعہ و مشاہدہ بذریعہ قلب۔

(۵) اللہ عز و جل کی نعمت ہائے ظاہری و باطنی اور احسانات مادی و روحانی کا تذکار۔

(۶) مقامات عبادت میں بکمال ادب اور حضور تام کے ساتھ وقوف قلبی۔

(۷) ذوق حضور میں قلب کا انکسار کلی۔

(۸) اپنی خواہشات کا احکام ربانی پر ایثار۔

(۹) محبین و صادقین کی مجالست۔

(۱۰) اُن اسباب سے مباعدت جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور بندہ ناچیز کے درمیان بُعد و دوری کا موجب ہیں ان امور کی مواظبت سے امید ہے کہ وہ سرچشمہ محبت جو انسان کی سرزمین قلب میں ودیعت ہے۔ اور جسے خس و خاشاک علائق نے بند کر رکھا ہے۔ پھر فوارہ ساں جوش زن ہو۔ اور پوری رفتار سے چلتا ہوا کشت زار تمنا کی سیرابی کا ذریعہ بنے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّهٗ اِلٰی حُبِّكَ۔

ناظر کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ والحب اساسی پر ایک بار اور تدبر کر لینا چاہیئے کہ جس ایوان عظمت نشان کی بنیاد "محبت" ہو۔ وہ عمارت کیا ہو گی اور اُس مکان کا مکین کس شان کا ہو گا یہی سبق ہے۔ جو سیرت محمدیہ کے پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہیئے۔

(۴) وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ

شوق میری سواری ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید میں لفظ "شوق" وارد نہیں ہوا۔ اور بجائے اسکے لفظ "لقاء" کا استعمال ہوا ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علماء فن کے نزدیک فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ حصول دیدار کے بعد بھی شوق باقی رہتا ہے۔ یا نہیں؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ "شوق" تو اُس سفر کا نام ہے۔ جو محب کو بجانب محبوب لیے جاتا ہے۔ لہٰذا جب منزل مقصود پر پہنچ گئے تو سفر کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔

مگر حدیث پاک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ حدیث زیر شرح میں بھی۔ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَسْئَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْھِكَ	تیرے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور
وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَآئِكَ	تیرے لقاء کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔

حدیث زیر شرح میں شوق کو مرکب بنایا گیا ہے۔ جسکے صاف معنی یہ ہیں کہ شوق آثار محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے۔ اور اس کا درجہ اصل محبت سے کمتر ہے۔ کیونکہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

ہاں شوق! وہ چنگاری ہے۔ جو دل کو گرمائے رکھتی ہے۔

وہ لپٹ ہے۔ جو شمع قلب سے اُٹھتی ہے۔

شوق ہی اعضاء و جوارح کو منقاد اعمال بناتا ہے۔ اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے۔

شوق ہی ہے۔ جو آلائے اُخروی کو نعم دنیوی سے کہیں قریب تر دکھلاتا ہے۔ اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کو مائل پرواز رکھتا ہے۔

شوق ہی ہے جو غاروں کی گہرائی کو ناپتا۔ اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو لگدکوب بناتا ہے۔

یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے۔ اور یہ شوق ہی ہے جو کسی رہروِ جانباز کو منزل پر پہنچے بغیر آرام نہیں لینے دیتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مقدار شوق مقدار محبت پر مبنی ہے۔ یہ محال ہے کہ فراوانی محبت میں شوق قاصر پایا جائے۔ یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔

سچ ہے کہ سالک کیلئے شوق سے بڑھ کر اور کوئی سواری نہیں۔

یہی وہ مرکب ہے جو گھاٹیوں کو پھاندتا ہے۔ اور امتحان کے خطرناک پل سے صاف گذرتا ہوا جنت اللقاء تک پہونچا دیتا ہے۔ فَطُوْبیٰ لِلْمُشْتَاقِیْنَ۔ وَطُوْبیٰ لِلْمُحِبِّیْنَ۔

---

(۵) ذِکْرُ اللّٰہِ اَنِیْسِیْ

اللہ کا ذکر میرا مونس ہے

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ذکر ہی اہل ایمان کا زاد راہ ہے جسے لے کر وہ سفر کیا کرتے ہیں۔

ذکر ہی وہ منشور (پاسپورٹ) ہے۔ جسے دکھا کر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے۔ جسکے بغیر اجساد بمنزلہ گور رہ جاتے ہیں۔

ذکر ہی وہ ہتھیار ہے جس سے رہزنوں اور دشمنوں کو ہٹایا جاتا ہے۔

ذکر ہی وہ پانی ہے جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے۔

ذکر ہی وہ دوا ہے جس سے باطن کا روگ دور کیا جاتا ہے۔

اِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَیْنَا بِذِکْرِکُمْ ۔۔۔ فَنَتْرُکُ الذِّکْرَ اَحْیَانًا فَنَنْتَکِسُ[1]

قرآن مجید میں ذکر کو دس طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے۔

(۱) ذکر کا حکم دیا گیا۔

الف۔ حکم مطلق بھی۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (احزاب ۴۱)	اے ایمان والو اللہ کا ذکر کیا کرو بہت ذکر کرنا۔

(ب) حکم مقید بھی۔

وَسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا (احزاب ۴۲)	اللہ کی تسبیح کیا کرو۔ صبح و شام
وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً (اعراف ۲۰۵)	اپنے رب کو یاد کیا کرو۔ اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے

[1] جب ہم بیمار ہوجاتے ہیں تو تمہارے ذکر کو اپنی دوا بناتے ہیں کبھی کبھی ذکر چھوٹ جاتا ہے تو ہم منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔ ۱۲ منہ

(۲) غفلت و نسیانِ ذکر سے نہی فرمائی گئی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ (حشر ع ۳)	مت بنو تم ویسے۔ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے اُن کو نسیان میں چھوڑا۔

(۳) فلاح و نجات کو کثرت ذکر پر معلق فرمایا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (انفال ع ۶)	اللہ کا ذکر بہت بہت کیا کرو۔ کہ تم فلاح پاؤ۔

(۴) اہل ذکر کی مدح و ثنا فرمائی ہے۔

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (احزاب)	مرد اور عورتیں اللہ کا بہت بہت ذکر کرنیوالے ان کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے۔

(۵) غافلین ذکر کے خسران کا اعلان فرمایا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنافقون)	اے ایمان والو۔ تمہارا زر و مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔ جس نے ایسا کیا وہ نقصان اُٹھانے والا ہے۔

(۶) ذکر کو جملہ اعمال سے افضل و اعلیٰ بتلایا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ (عنکبوت)	نماز تو بدکاریوں اور بُرے کاموں سے ہٹا دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑھ کر ہے۔

(۷) قرآن مجید پر تدبر سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ اعمال صالحہ کا اختتام بیان ذکر پر ہوتا ہے۔

الف۔ حکم نماز پر غور کرو۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (نساء ع ۱۵)	جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ تو اللہ کو یاد کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے۔

ب۔ اختتام حکم نماز جمعہ کو پڑھو۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (جمعہ ع ۲)	جب نماز ہو چکے۔ تب اپنی اپنی جگہ پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کی تلاش کرو اور اللہ کا بہت بہت ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ

ج۔ اختتام حکم صیام پر تدبر کرو۔

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ (بقرہ ع ۲۲)	تاکہ تم اللہ کی بزرگی کرو۔ اس لئے کہ اُس نے تمکو ہدایت کی ہے

د۔ اختتام حج کو دیکھو۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ (بقرہ ع۲۵) جب مناسک پورے کر چکو تب اللہ کا ذکر کرو۔

ھ۔ اختتام حیات بھی اگر ذکر پر ہو۔ تو اُسکے لئے حدیث پاک میں داخلہ جنت کا وعدہ ہے

اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ۔

(۸) ذاکرین کو ہی صاحبان عقل و ہوش فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کے
الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ	اُلٹ پلٹ کر آنے میں بیشک نشانیاں ہیں عقل
یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ	و مغز والوں کیلئے۔ جو اللہ کو کھڑے بیٹھے۔ اور

کروٹوں پر یاد کیا کرتے ہیں۔ (آل عمران)

(۹) ذکر الٰہی جملہ اعمال کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ذکر ہی روح الاعمال ہے

نماز کے متعلق ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ نماز کو قائم کر میرے ذکر کے لئے۔

حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر کر کے اُن کا ذکر الٰہی کے لئے ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے۔

اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَیْتِ وَالسَّعْیُ بَیْنَ	خانہ کعبہ کا طواف۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی
الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ وَرَمْیُ الْجِمَارِ لِاِقَامَۃِ ذِکْرِ اللّٰہِ	اور کنکر یوں کا چلانا ذکر الٰہی کی اقامت کے لئے

مقرر ہوا ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ میں اہل ذکر کو مُفَرِّدُون فرمایا گیا ہے۔ یعنی اہل تفرید و توحید۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مسند امام احمد میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاھَا عِنْدَ	کیا میں تمہیں آگاہ نہ کر دوں۔ کہ تمہارے اعمال میں
مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِھَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٍ لَّکُمْ	بہتر کیا ہے۔ اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے
مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَاَنْ تَلْقَوْا	ستھرا کیا ہے۔ اور تمہارے درجات میں سب سے
عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْنَ	بلند تر کیا ہے۔ اور سونا چاندی کے خرچ سے بھی

اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا وَمَا ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔

بہتر ہے جو اس سے بھی بہتر ہے۔ کہ دشمنوں کو ملو۔ اُن کی گردنیں کاٹو۔ یا وہ تمہاری گردنیں کاٹیں صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے فرمایا اللہ کا ذکر۔

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ

جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کو بیٹھتے ہیں فرشتے اُنکے گرد آگرد آجاتے ہیں۔ رحمت اُن پر چھا جاتی ہے۔ سکینہ اُن پر نازل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کا ذکر اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔

صحیح مسلم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو۔ عرض کیا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے۔ اس امر پر کہ ہمیں اسلام کی راہ دکھلائی اور ہم پر احسان فرمایا۔ فرمایا۔ کیا قسمیہ کہتے ہو؟

صحابہ نے عرض کیا۔ کہ ہاں قسمیہ عرض کرتے ہیں۔

فرمایا اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَۃً لَّکُمْ وَلٰکِنْ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰہَ یُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلٰئِکَۃَ۔

سنو۔ میں نے تم سے حلف نہیں لیا لیکن جھوٹ کی تہمت میرے پاس تو جبریل علیہ السلام ابھی آئے تھے اُنہوں نے مجھے خبر دی۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

ایک اعرابی نے حضور سے سوال کیا۔ کہ کونسا عمل افضل ہے۔ فرمایا

اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔

جب تو دنیا چھوڑے۔ تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ ہو۔

ایک اور شخص نے عرض کیا۔ کہ مجھے احکام اسلام تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے صرف ایک چیز بتلا دیجئے۔ فرمایا لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی تیری زبان برابر ذکر آلہی میں جاری رہنی چاہیئے۔

مسند وغیرہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

اور فرمایا اَیُّهَا النَّاسُ ارْتَعُوْا فِیْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اے لوگو چمن ہائے بہشت کی سیر کرو۔

لوگوں نے عرض کیا کہ چمن ہائے بہشت کسے کہتے ہیں ؟

فرمایا مَجَالِسُ الذِّکْرِ۔ ذکر کی مجلسیں۔

فرمایا اُغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَاذْکُرُوْا مَنْ کَانَ یُحِبُّ اَنْ یَعْلَمَ مَنْزِلَتَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ فَلْیَنْظُرْ کَیْفَ مَنْزِلَتُهُ اللّٰهِ عِنْدَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ یُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَیْثُ اَنْزَلَهٗ مِنْ نَفْسِهٖ

صبح و شام ذکر الٰہی برابر کیا کرو۔ تم میں سے جو کوئی یہ چاہتا ہو کہ اپنا درجہ خدا کے ہاں دریافت کرے اُسے لازم ہے کہ اس امر پر غور کرے کہ اللہ کا درجہ خود اُسکے دل میں کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ویسا ہی درجہ عطا فرماتا ہے جو اُسکے نزدیک اللہ کا درجہ ہوتا ہے۔

صحیح ترمذی و مسند وغیرہ میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے پدر بزرگوار ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا ہے۔

اِقْرَأْ اُمَّتَكَ مِنِّی السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَیِّبَةُ التُّرْبَةِ۔ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَ اَنَّهَا قِیْعَانٌ۔ وَاَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَکْبَرُ۔

اپنی اُمّت سے میرا سلام کہہ دیجئے۔ اور بتا دیجئے کہ جنت پاکیزہ زمین۔ میٹھے پانی والی ہے۔ وہ سفید جگہ ہے۔ اور وہاں کے گل۔ بوٹے سبحان اللہ والحمد للہ الخ ہیں۔

صحیحین میں ابو موسے رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَ الَّذِیْ لَا یَذْکُرُهٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَ الْمَیِّتِ ۔

جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اُسکی مثال زندہ جیسی ہے اور جو شخص ذکر نہیں کرتا۔ اُسکی مثال مردہ جیسی ہے

روایت صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا۔

مَنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَمَنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ

جو کوئی شخص میرا ذکر چپکے چپکے کرتا ہے میں بھی اُس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں۔ جو کوئی میرا ذکر کسی گروہ کے اندر کرتا ہے میں بھی اُس کا ذکر ایسے گروہ سے کرتا ہوں جو اُن کے گروہ سے بہتر ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ ذکر کے تین طریقے ہیں۔

صرف زبان ذکر کر رہی ہو۔ یہ ادنیٰ درجہ ہے۔
صرف دل ذکر کر رہا ہو۔ یہ متوسط درجہ ہے۔
دل اور زبان دونوں ذاکر ہوں۔ یہ درجہ اعلیٰ ہے۔
یہ بھی یاد رکھو اقسام ذکر بھی تین ہیں۔
اسماء وصفات اور اُن کے معانی کا ذکر۔ ثنائے ربّانی اور توحید الٰہی۔
امر و نہی حلال و حرام کا ذکر۔
اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام۔ احسان اور عطیات کا بیان۔
یاد رکھو کہ مراتب ذکر بھی تین ہیں۔
(۱) وہ ذکر۔ جو غفلت و نسیان کو اڑا دیتا ہے۔
(۲) وہ ذکر۔ جو قیود سے چھڑا کر بقائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔
(۳) وہ ذکر۔ جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکر حقانی ہی کے ساتھ وابستہ و زندہ کر دیتا ہے
مبارک ہے وہ انسان! جسے ذکر ربانی نے اپنا ذخیفہ بنالیا ہے۔
مبارک ہے وہ صاحب ایمان! جس نے فنائے عالم کا سبق بقائے رب العالم سے سیکھ لیا ہے

(۶) اَلثِّقَةُ کَنْزِیْ

اعتماد الٰہی میرا خزانہ ہے

اصل اس بارہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ (قصص ع ۱)	جب تجھے موسیٰ کی جان کا ڈر ہو۔ تب اُسے دریا میں ڈال دینا اور ایسا کرتی ہوئی نہ خوف

کھانا نہ غم کرنا۔
یہ ظاہر ہے کہ اس خاتون بلند پایہ کو اگر اللہ عزوجل کے فرمودہ پر اعتماد قوی نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈال دیتی۔
لہذا یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اعتماد ہی چشم توکل کی پتلی ہے۔

اور اعتماد ہی دائرہ تفویض کا مرکز ہے۔

اور اعتماد ہی قلب سلیم کا سویدا ہے۔

یہ اعتماد بوقت یاس بھی ہوتا ہے۔ اور انسان مصائب کی حالت میں اپنے رب پر اعتماد کرتا ہے اور اُسکے خلاف نہ زبان پر کوئی حرف لاتا ہے اور نہ دل میں کوئی وسوسہ۔

یہ اعتماد بوقت امید بھی ہوتا ہے۔ اور انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی سابقہ ربوبیت اور اپنے عدم استحقاق کی حقیقت بخوبی منکشف ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا اعتماد تمام نظام عالم پر چشم بصیرت کے کھولنے سے حاصل ہوتا ہے جبکہ انسان کو نظر آجاتا ہے کہ جمادات کا ذرہ ذرہ۔ نباتات کا پتہ پتہ۔ ارضیات و سماویات کا ریزہ ریزہ۔ ہر ایک عرض کا جوہر۔ اور ہر ایک جوہر کا وجود اُسی کے انعام سے فیضیاب اور اُسی کے احسان کی دولت سے مالامال ہے۔

یہ نظارہ بندہ کے اعتماد کو قوی بناتا ہے۔ اور یقین کی بندہ جاتا ہے کہ یہ ناچیز بندہ بھی اُسکے لطف عام سے کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔

---

(۷) وَالحُزنُ رَفِیقِی

(اندوہ دل میرا رفیق ہے)

خوف و خشیت بھی ایسے دو لفظ ہیں جو اردو میں حزن کے مترادف سمجھے جاتے ہیں لیکن زبان عرب میں ہر ایک لفظ کا مفہوم الگ الگ ہے۔

خوف کا اطلاق زیادہ تر حسی اشیاء پر ہوتا ہے۔

خشیت کا اطلاق غیر حسی اشیاء پر بکثرت ہوتا ہے۔

حزن۔ اُس اندوہ قلب کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی بہتری و بہبودی کے متعلق دل ہی دل میں جوش زن ہوتا ہے۔ گو لب خاموش ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ میں لفظ حزن کا استعمال انبیاء و اصفیا کیلئے بکثرت ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت فرمایا ہے۔

لَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ (یٰس) | ان کی باتوں سے اے نبی آپ کو حزن نہ ہونا چاہیئے

چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رافت نوع انسانی کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی اور حضور ان نافرمانوں کے عواقب امور کا خیال کرتے ہوئے اکثر اندوہگین رہتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حزن نہ کرنے کا حضور کو ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حدیث نبوی کی بھی روایت کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں رفیق صادق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی۔ یعنی لَا تَحْزَنْ۔

صدیق کا فدائی دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و آزار کو دیکھ کر پاش پاش ہو رہا تھا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرما کر باب حزن سے قصر اُنس تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں نکتہ لطیف یہ تھا کہ اُس معیت ربانی کا درجہ جس میں نبیؐ و صدیق داخل و شامل تھے اُس حزن سے برتر و اعلیٰ ثابت کیا جائے جسے عشق نے سلامتی یار کے متعلق بھیانک بنا دیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسم اعظم "اللہ" کے ظلال میں جو معیت شامل ہے۔ وہ جملہ اسماء حسنٰے کے ظلال سے بدرجہ علیا ہے۔ اور کمالات عارف کی تکمیل اسی اسم ذات "اللہ" کی سیر میں ہوتی ہے اور جب معیت الٰہی کا ظہور إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے نور میں ہوتا ہے تو جملہ اسماء کی عظمت و رفعت بھی اُسی کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کے جملہ اسباب و علل ساقط و مضمحل ہو جاتے ہیں۔

مادر موسیٰ علیہ السلام کو جو وحی ربانی ہوئی۔ وہ یہ تھی۔

لَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ إِنَّا رَادُّوْهُ إِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (قصص ع ۱)	تو نہ خوف کیجیو اور نہ حزن کیجیو۔ ہم اُسے تیرے پاس واپس کریں گے۔ ہم اُسے مرسلین میں سے بنائیں گے

ذرا غور کرو۔ کہ خوف حسی کے مقابلہ میں بھی ایک بشارت موجود ہے۔ اور حزن غیر حسی کے ساتھ بھی ایک بشارت شامل۔

خوف کے مقابلہ میں یہ کہ بچہ جسے تو دریا میں ڈال دیگی۔ اللہ تعالیٰ اُسے تیرے ہی پاس واپس کرے گا۔

حزنِ غیر حسی کے مقابلہ میں یہ کہ اسے نبوت کی وہ نعمت ملیگی جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے۔

ان آیات پر تدبر و تتبع کے بعد حدیث زیرِ عنوان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ کہ وہ حُزن جو ہر وقت پیرا ہونِ دل پاک رہتا تھا۔ وہ یا تو اُمت آثمہ کی بخشش کا تھا یا اُمت عاصیہ کی ہدایت کا۔

دل قدسی منزل میں خلق خدا کی محبت بھری تھی۔ اور عامۃ الناس کی ہمدردی و غمگساری حضور کے رگ و پے میں ساری تھی۔ ایک ایک جان کی نجات کا خیال حضور کو اسطرح رہتا جیسے گڈریا کو اپنی ایک ایک بکری کا۔ اُسکی سو بکریوں میں سے اگر ایک بھی علیحدہ ہو جاتی۔ اور جھاڑیوں میں ہجاتی ہے۔ تو گڈریا سمجھتا ہے کہ اگر اسے ساتھ نہ لیا گیا۔ تو وہ بھیڑیئے کا شکار ہونیوالی ہے۔ وہ اُس ایک کے پیچھے جاتا ہے۔ اور اُسے ہلاکت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حُزن کبھی قلب پاک سے الگ نہ ہوا۔ بسا اوقات تہجد میں سارا سارا وقت اُمت کیلئے دعا کرنے میں وقف فرما دیتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اِسی ایک آیت کے دہرانے میں پوری فرما دی۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (مائدہ ع ۱۶) | اگر تو ان کو عذاب دیگا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے گا۔ تب تو غالب حکمت والا ہے

(۸) وَالْعِلْمُ سِلَاحِيْ

(میرا ہتھیار علم ہے)

واضح ہو کہ متصوفین متاخرین نے علم کا درجہ حال سے کم قرار دیا ہے۔ حالانکہ معاملہ بالعکس ہے

علم حاکم ہے۔ حال محکوم ہے۔ علم ہادی ہے۔ حال تابع ہے۔

علم امام ہے۔ حال ماموم ہے۔

دائرہ علم دنیا و آخرت پر وسیع ہے۔ دائرہ حال صرف صاحب حال تک ہے۔

حال ایک تیغ براں ہے۔ اگر علم کی حفاظت نہیں۔ تو یہ تلوار اُسی کی کاٹ کرتی ہے۔ جسکے ہاتھ میں ہو

حال ایک آگ ہے۔جس پر کسیکی نگرانی نہو۔

حال ایک منہ زور گھوڑا ہے۔اگر اسکے منہ میں علم کا لگام نہیں تو وہ اپنے سوار کی۔اور پھر خود اپنی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن علم ہی ہے جو حیات القلوب ہے۔ نور البصائر ہے۔ شفاء الصدور ہے۔ ریاض العقول ہے۔

علم ہی لذت الارواح ہے۔اور علم ہی مونس متوحشین ہے۔

علم ہی وہ میزان ہے جس میں اقوال و احوال و اعمال وزن کئے جاتے ہیں۔

علم ہی وہ حاکم ہے جو شک و یقین اور ضلالت و ارشاد میں فیصلہ دیتا ہے۔

علم ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے۔

اور علم ہی سے رب العالمین کی تحمید و تمجید و توحید نصیب ہوتی ہے۔

علم ہی حلال و حرام میں فرق بتلاتا ہے۔

علم ہی مواریث و ارحام کے مدارج ظاہر کرتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کی ضرورت اکل و شرب سے بھی قوی تر ہے آب و خورش کی ضرورت تو شبانہ روز میں صرف دو بار پڑتی ہے مگر علم کی ضرورت ہر ایک سانس پر ہے

علم ہی ہے جسکی تلاش میں کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام نے سفر طویل اختیار کیا تھا۔اور اس سفر میں تین مسائل کو ثمر سفر قرار دیا تھا۔

علم ہی ہے جسکی طلب و درخواست کرنیکا حکم اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا قُل رَّبِّ زِدۡنِي عِلۡمٗا (پڑھا کر۔ اے اللہ مجھے علم میں بڑھایا کر)

ذرا یہ تو خیال کرو کہ وہ کتا یا باز جسے شکار پر سدھایا گیا۔ اور شکار پر لگایا گیا ہو جسے عربی میں معلم کہتے ہیں۔ وہ تھوڑا سا علم سیکھنے سے کس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے اور اسی کی جنس کے دوسرے حیوان غیر معلم کا پکڑا ہوا شکار حرام۔

یہ معلم جارحہ انسانی کھلا نیکا مستحق بنجاتا ہے جبکہ اسکے ابناء جنس نجس العین ہی رہتے ہیں یہ درجہ اسکو کیونکر ملا۔اس کا سبب صرف علم ہے صرف علم۔

اب یہ بھی یاد رکھو کہ علم وہ ہے جسکی ابتدائی علامت اقامت دلیل ہے اور جس کی آخری

شناخت بزعم جہل ہے۔

ہاں علم کے تین مدارج ہیں۔

درجہ اول۔ (یا ابتدائی) وہ علم ہے جو قوت باصرہ کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔

وہ جو استفاضہ صحیحہ سے قوت سامعہ کو حاصل ہوتا ہے۔

وہ جو ایک بڑی تعداد انسانی کے تجربہ متواترہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔

درجہ دوم۔ وہ علم ہے جو اجسام زکیہ و باطن طاہرہ میں پیدا ہوتا ہے۔

وہ جو اہل ہمت عالیہ کے انفاس صادقہ کو عطا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔

درجہ سوم۔ وہ علم ہے جسے عام طور پر علم لدنی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم عبودیت کا ثمرہ اور متابعت احکام حقہ کا پھل ہوتا ہے جب کمال انقیاد کا مادہ راسخ ہو جاتا ہے اور جب مشکوٰۃ نبوت سے اخذ نور کی رغبت ترقی پذیر ہو جاتی ہے۔ تب جواد مطلق کیجانب سے وہ معارف ایمانیہ اور حقائق اصلیہ کھول دیئے جاتے ہیں جس تک کسی فلسفی یا منطقی کا تخیل بھی نہیں پہنچ سکا ہوتا۔ ایسا علم خود اپنے لئے دلیل بھی ہے اور دوسرے کیلئے مدلول بھی۔

اس مقام پر اُن مخالفین و معترضین کو بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو کہا کرتے ہیں۔ کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے"۔

غور کرو۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو علم کو اپنی تلوار بتلاتے ہیں۔ اور اُن فتوحات عظیمہ کو جو حاصل ہوئیں۔ ثمرات علم قرار دیتے ہیں۔

درحقیقت نبی اللہ کا فخر اینٹ۔ چونہ۔ پتھر کی دیواروں و خندقوں پر قابض ہو جانے میں نہیں سکندر، تیمور، ہولاکو خان۔ بونا پارٹ نے ایسے تماشے دنیا میں بہت کھیلے۔ نبی اللہ کا امتیاز تو دلوں کے قلعوں اور قلوب کے حصون کو فتح کر لینے میں ہے۔

یہ نظارہ خیبر میں نظر آیا۔ کہ جن دنوں اسلامی لشکر نے اُن یہودیوں کے (جو ہمیشہ اہل ایمان کے خلاف ملک بھر میں آتش جنگ و جدال کو بھڑکائے رکھتے تھے) چند قلعے فتح کر لئے تو انہی ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حبش کے نو مسلم سرداران دربار بھی

حاضر ہوتے۔ اور اسی اثنا میں ملک یمن سے بھی کئی سو مسلمانوں کا قافلہ باریاب سعادت ہوا
اللہ تبارک تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہودیوں کو کھلی آنکھ سے دکھلا دیا جائے کہ کیا وہ اللہ
کے اُس رسول کے مقابلہ میں اینٹ پتھر کی دیواروں کے بھروسہ پر اڑے بیٹھے ہیں جس کا
علم سمندر پار حبش کو فتح کر رہا ہے جس کا علم یمن کے بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنا
علم صداقت نصب کر رہا ہے۔ یہ وہ ملک ہیں جو کبھی حجاز کے زیر نگین نہ ہوئے تھے۔
یہ حبش وہی ملک ہے جس کے جنرل آدلرم نے یمن کو فتح کر کے ۶۰ ہزار فوج کا لشکر جرار
مکہ مکرمہ کے فتح کرنے اور کعبۃ اللہ کے گرانے کیلئے مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر لا ڈالا تھا
یہ واقعہ (جسے قرآن پاک نے واقعہ اصحاب الفیل کے نام سے بیان فرمایا ہے) نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی ولادت اقدس سے صرف پچاس دن پہلے کا ہے۔
ان حملہ آوروں کو کیا معلوم تھا۔ کہ خود اُن کا بادشاہ رسول حجازی کی کفش برداری کی
تمنا کریگا۔ اور سارا ملک اسی کعبہ کی سمت اللہ تعالیٰ کے سامنے سر عبودیت کو جھکائیگا۔
معشر مسلمین! کسی ملک کسی قوم کو بزور شمشیر فتح یا مغلوب کرنے کیلئے ضروری ہے کہ حملہ
آور کے پاس شمشیر زن بھی موجود ہوں۔ جن کی دھاک ایسی بندھی ہوئی ہو۔ کہ لوگ اُن کی تلوار
سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔
اب سوال یہ پیدا ہوگا۔ کہ ایسے بہادر۔ ایسے تلوار یئے۔ ضرار بن الازور۔ شرجیل بن حسنہ
عدی بن حاتم۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ مقداد بن الاسود الکندی۔ مقدام بن معدیکرب۔ خالد
بن الولید۔ زبیر بن العوام۔ اور علی مرتضیٰ جیسے کیونکر اس شخص کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے
اُن کی تلواروں پر اس نہتے غریب مسکین۔ بکریاں چرانے والے یتیم نے کیونکر قبضہ کر لیا
تھا۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ ایسے جری۔ ایسے بطل تو خوف شمشیر سے مطیع نہ ہوئے ہونگے۔ اور اُنہوں
نے تو صرف خوف جان سے اپنے قدیم پیارے مذہب کو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔
جب یہ امر مسلم ہو جائے تو قابل غور یہ رہجائیگا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
کوئی ایسی شے۔ کوئی ایسی قوت کوئی ایسی کشش موجود ہے جو شیروں کا شکار کرتی اور ہزبران تیز
کو خادم بنا سکتی ہے۔ تو پھر اُنکو کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑوں اور لومڑیوں کیلئے تلوار کا استعمال کریں۔

غور جتنا گہرا ہوتا جائے گا۔ اُسی قدر جلد یہ واضح ہو جائیگا کہ حضور کا یہ فرمان اَلْعِلْمُ سِلَاحِیْ ایسی حقیقت کا مظہر ہے جس کا کوئی بطلان نہیں ہو سکتا۔

جو کامیابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی۔ اُسکا ذریعہ وہی علم صحیح تھا جو اللہ عزوجل نے حضور کو ارزانی فرمایا تھا۔

وہ علم۔ جو ظلمات کو دور کر دیتا۔ اور چلنے والوں کو نور میں لے آتا ہے۔

وہ علم۔ جو آنکھوں کو روشن۔ دل کو بینا بنا دیتا ہے۔

وہ علم۔ کہ هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ کی صفت اُسی پر صادق آتی ہے۔

---

(۹) وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ

صبر میرا شاندار لباس ہے

قرآن مجید میں (۹۰) مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کتاب حمید نے ۱۶ طریقوں سے صبر کی توصیف فرمائی ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ اُن طریقوں کا ذکر کرینگے۔

اوّل۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کا امر فرمایا۔

وَقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا (اعراف ع۱۵)	موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔
ب وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ ع۶)	صبر اور نماز سے مدد حاصل کیا کرو۔
ج۔ اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (آل عمران ۲۰)	صبر رکھو۔ اور آپس میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔
د۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (نحل ۱۶)	صبر کر۔ تیرا صبر تو اللہ کیلئے ہے۔

دوم۔ عدم صبر سے نہی فرمائی۔ فرمایا۔

الف۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (احقاف)	صبر کیجئے۔ جیسا کہ والا ہمت رسولوں نے صبر کیا اور اُن کیلئے جلدی نہ کیجئے۔
ب وَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (انفال ۲)	دشمنوں کو پیٹھ مت دکھاؤ
ج۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (آل عمران ۱۴)	اپنا دل تھوڑا نہ کرو۔ اور غمگین نہ بنو۔

سوم ۔ اہل صبر کی ثنا فرمائی۔

الف ۔ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَأْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (بقرہ ع ٢٢)

جو تکلیف میں اور تنگی میں اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں ۔ وہی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا ۔ اور یہی لوگ متقی بھی ہیں۔

چہارم ۔ اہل صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر فرمایا۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران ع ١٥)

اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

پنجم ۔ اہل صبر سے اپنی معیت کا اعلان فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (بقرہ ع ١٩)

بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک معیت عامہ ہے جو بذریعہ علم و احاطہ ہوتی ہے اور ایک معیت خاصہ جس کا نتیجہ حفاظت و نصرت و تائید الٰہی ہوتا ہے ۔ آیت بالا میں معیت خاصہ ہی کا ذکر ہے

ششم صبر کو اہل صبر کیلئے بہتر بتلایا۔

الف ۔ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (نحل ع)

اگر تم صبر کرو ۔ تو ایسا کرنا صبر کرنیوالوں کیلئے بہتر ہے

ب ۔ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (نساء)

اور صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

ہفتم ۔ اعلان فرمایا کہ اہل صبر کو جزا بطریق احسن عطا ہوگی۔

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (نحل ع ١٣)

ہم صبر کرنے والوں کو اُن کے عمل کی جزا بہترین طریق سے دینگے۔

ہشتم خبر دی کہ اہل صبر کو عطیہ بلا حساب ملیگا۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (زمر ع)

صبر والوں کو اُن کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جاویگا

نہم اہل صبر کو بشارت دی گئی۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (بقرہ ع ١٩)

صبر کرنے والوں کو بشارت پہنچا دیجیے۔

دہم اہل صبر کی نصرت و امداد کی ضمانت فرمائی۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ

ہاں اگر تم صبر و تقویٰ رکھو اور دشمن تم پر فوراً آجائے تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار ملائکہ سے

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (آل عمران ع ۱۳)	نشان والے ہونگے فرمائیگا۔

حدیث شریف میں ہے وَاعْلَمْ اِنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ۔

یازدہم اللہ تعالےٰ نے خبر دی کہ اہل صبر ہی اہل عزم ہوتے ہیں۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ ع ۳)	جسنے صبر کیا اور معافی دی۔ تو یہ کام بڑی ہمت کے ہیں۔

دوازدہم۔ فرمایا کہ اعمال صالحہ اور حظوظ عظیمہ والے اہل صبر ہی ہوتے ہیں۔

(الف) وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (قصص ع ۸)	تمہیں خرابی ہو۔ اللہ کا عطیہ ایمان اور نیک عمل والے کیلئے بہتر ہے۔ اور اس کو صرف صبر والے ہی حاصل کرسکتے ہیں۔
(ب) وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (حم سجدہ)	اسکو صبر والے ہی حاصل کرسکتے ہیں اور اسے وہی پاسکتے ہیں کہ جو بڑی قسمت والے ہیں۔

سیزدہم بتلایا کہ آیات الٰہی سے انتفاع وعبرت صرف اہل صبر ہی حاصل کرسکتے ہیں۔

اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (ابراہیم)	ہمنے موسیٰ کو کہا۔ کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکالکر نور میں لا۔ اور اُن کو تاریخ الٰہیہ کا سبق دے۔ کیونکہ اسی میں ہر ایک صابر شاکر کیلئے بہت نشانیاں ہیں
ب۔ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (شوریٰ ۴۶)	اللہ کی نشانیوں میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں اور علم کیطرح بلند ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا رک جائے۔ اور یہ سب جہاز سمندر کے اوپر کھڑے کے کھڑے رہ جاویں۔ اس میں نشانات

ہیں۔ ہر ایک صبر کرنے اور شکر کرنے والے کیلئے۔

چہاردہم بتلایا ہے کہ مطلوب ومحبوب تک فائز ہونا مرہوب سے نجات پانا۔ جنت العلیٰ کا داخلہ اُن ہی لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے صبر کیا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ	فرشتے ہر طرف سے اُنکے پاس حاضر ہونگے

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ | اور کہینگے کہ اپنے صبر کے بدلے آج تم سلامتی ہیں ہو۔ اور آخرت کا تو بہت ہی اچھا ہے۔

پانزدہم۔ اہل صبر درجہ امامت پر فائز ہو جاتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا (سجدہ ع ۳) | ہمنے اُنہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے جبکہ اُنہوں نے صبر کیا۔

شانزدہم۔ اللہ تعالےٰ نے صبر کا ذکر فرقان حمید میں اسلام و ایمان اور یقین و تقوےٰ اور توکل و شکر کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے۔ اور اس سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ عز وجل کے ہاں صبر کا کیا درجہ ہے۔

یہانتک سولہ اقسام کا ذکر ختم ہو گیا۔ اب یہ یاد رکھیئے کہ صبر ایمان کیلئے ایسا ہی ہے جیسا کہ سر بدن کیلئے ہے۔ بدن پر سر نہ ہو تو زندگی کہاں۔ ایمان کے ساتھ صبر نہیں تو ایمان کہاں

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے خَيْرُ عَيْشٍ اَدْرَكْنَاهُ بِالصَّبْرِ۔

صحیح حدیث میں ہے۔

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ۔ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ۔ | مومن کی حالت بھی عجیب ہی ہے۔ یعنی اُسکی حالت سراپا خیر ہے۔ اور یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اُسے کوئی شے خوش کرنیوالی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اُسکے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اور اگر اُسے کوئی شے ضرر رساں پہنچتی ہے۔ تو وہ صبر کرتا ہے۔ اور ایسا کرنا ہی اُسکے لئے بہتر ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ صبر کے لغوی معنے حبس (روک) ہیں۔ محاورہ ہے قُتِلَ فُلَانٌ صَبْرًا فلاں شخص باندھ کر مارا گیا۔

آیت ذیل میں بھی یہی معنی ہیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (کہف) | اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھئے۔ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارا کرتے ہیں۔ اور صرف

اُسی کی ذات کے خواستگار ہوتے ہیں۔

اصطلاح میں صبر کو اس لئے صبر کہتے ہیں کہ اس میں بھی دل کو گریہ وزاری سے۔ اور زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بیقراری سے روک لینا ہوتا ہے۔ معنے بالا کو ذہن میں رکھتے ہوئے یاد رکھو۔ کہ صبر کی تین اصناف ہیں۔

صنف اوّل۔ طاعت الٰہی پر صبر۔

صنف دوم۔ معصیت الٰہی سے صبر

صنف سوم۔ امتحان الٰہی پر صبر۔

صنف اوّل و دوم میں انسان کے کسب کا بھی دخل ہے مگر صنف سوم میں کسب انسانی کو کوئی دخل نہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی جدائی پر صبر اور چاہ میں گرا دیئے جانے پر صبر بھی مقامات صبر میں سے ہیں۔ مگر امراۃ العزیز کی بات پر انکار کرنا صبر کی اعلیٰ قسم تھا۔ خصوصاً جب امور ذیل کو بھی زیر نظر رکھا جائے۔

(۱) جوانی (۲) خالی مکان (۳) تجرّدی (۴) نفس کے مطابق خواہش کا ہونا (۵) بے وطنی جہاں خویش اقارب کا نہ دباؤ ہوتا ہے نہ اُن کی طرف سے حیا ہوتی ہے۔ (۶) محکومی (۷) حسین عورت کی ذاتی درخواست (۸) اُس درخواست کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا مکر و فریب (۹) لالچ اور خوشامد (۱۰) دھمکی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جنکی موجودگی۔ صدیق علیہ السلام کے منصب صبر کو نہایت بلند کر دینے والی ہیں۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صبر بر طاعات کا درجہ صبر از پرہیز محارم سے اکمل و افضل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک فعل طاعت ترک معصیت سے زیادہ محبوب ہے اور عدم طاعت کا نقصان وجود معصیت کے نقصان سے زیادہ سنگین ہے۔

اب یہ بھی یاد رکھو کہ صبر کی تین حالتیں ہیں

(۱) صبر باللہ (۲) صبر للہ (۳) صبر مع اللہ۔

(۱) صبر باللہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر اپنے نفس کیلئے نہ ہو۔ بلکہ اللہ کیلئے ہو جیسا کہ فرمایا گیا ہے

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔ (نحل) (صبر کیجئے ۔ اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کیلئے ہے ۔

(۲) صبر للہ کے معنے یہ ہیں ۔ کہ صبر کا باعث محبت الٰہی اور ارادہ تقرب الٰہی ہو ۔ نہ قوت نفس کا اظہار ہو ۔ اور نہ خلق خدا میں تعریف کرنیکا شوق ہو ۔

(۳) صبر مع اللہ کے معنے یہ ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو اوامر الٰہی ۔ اور محارم الٰہی کا مطیع بنائے ۔ جہاں چلنے کا حکم ہو چل پڑے ۔ جہاں رک جانیکا حکم ہو ۔ رک جاوے ۔

یہ صبر صدیقین کا ہے ۔ اور یہی سخت تر قسم صبر کی ہے ۔

خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کی بابت پوچھا گیا ۔

فرمایا ۔ صبر تو کڑوی سے کڑوی دوا کو گھونٹ گھونٹ پینا ہے ۔ وہ بھی اسطرح کہ پیشانی پر بل نہ آنے پائے ۔

یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ زاہدین کے صبر سے محبین کا صبر زیادہ سخت ہوتا ہے ۔ یعنی یار سے صبر ہونا بہت زیادہ تعجب کا موجب ہے ۔

اَلصَّبْرُ یَجْمُلُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّهَا ۔۔۔ اِلَّا عَلَیْكَ فَاِنَّهٗ لَا یَجْمُلُ ۱

امام المحدثین بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الادب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی کہ حضور سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے ؟ فرمایا اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ ۲ (یعنی صبر اور سیر چشمی)

اب یہ مسئلہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حالت کا عرض کرنا بے صبری میں داخل نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں ۔

اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۔ یوسف (میں اپنی پریشانی اور اندوہ قلبی کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں)

ایوب علیہ السلام کی جناب احدیت میں مناجات ۔

رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔ (انبیاء) اے رب مجھے نقصان اور ضرر آ لگا ہے ۔ اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے

---

۱ جملہ مقامات پر صبر کرنا اچھا ہے مگر تجھ سے صبر کرنا کسیطرح پسندیدہ نہیں ۔

۲ سماحت ۔ جوانمردی ۔ نرمی ۔ آسانی پیدا کرنا ۔ سرکشی ولغزش چھوڑ دینا ۔ سید عطا روئی ۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

وَاِذَا عَرَتْکَ بَلِیَّۃٌ فَاصْبِرْ لَھَا ۔ صَبْرَ الْکَرِیْمِ فَاِنَّہٗ بِکَ اَعْلَمُ

وَاِذَا شَکَوْتَ اِلَی ابْنِ اٰدَمَ اِنَّمَا ۔ تَشْکُو الرَّحِیْمَ اِلَی مَنْ لَا یَرْحَمُ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضور نے احکام الٰہی کی تبلیغ اہل ایمان کی تعلیم اہل خسران کے انذار اہل عالم کی تدبیر اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر میں کس قدر مصائب ونوائب اور ہموم وغموم کی برداشت فرمائی تھی۔

کبھی حضور کے آستان فیض پر غلاظت گرائی جاتی جس سے تشتت طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو۔ کبھی حضور کی راہ پر گڑھا کھود کر اُسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا۔ گڑھے میں کانٹے بھر دیئے جاتے کہ حضور جب نماز تہجد کیلئے نکلیں تو زمین سمجھ کر اسپر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں۔

کبھی حضور کو سجدہ میں محو تام دیکھ کر حضور کی گردن میں چادر ڈال کر۔ چادر کو پھانسی کا رسہ بنایا جاتا۔ گردن کو اتنا سے کھینچا جاتا۔

کبھی حضور کی پشت مبارک پر (بحالت سجود) اونٹ کی اوجھڑی رکھدی جاتی اور اُسے کفار کی تفریح طبع کا سامان سمجھا جاتا۔

کبھی حضور پر پتھر برسائے جاتے۔ اور قرأت قرآن پاک سے حضور کو روکا جاتا۔

کئی سال کا ایسا زمانہ بھی حضور پر گزرا ہے جب حضور کو ایک گھاٹی میں محصور رکھا گیا۔ اور دانہ وخورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ حضور ہی کا حوصلہ تھا۔ حضور ہی کا دل تھا۔ کہ صبر کیا۔ اور وہ صبر کیا کہ مالک نے بھی وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے تمغہ سے حضور کو مشرف فرمایا۔

سچ ہے ایسے ہی مقدس رسول کے لب مبارک سے یہ زیبا تھا اَلصَّبْرُ رِدَائِیْ فرماتے۔ اور صبر کو تجمل وشان اور شوکت ووقار کا خلعت قرار دیتے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ بِقَدْرِ صَبْرِہٖ عَلٰی بَلَائِہٖ وَشُکْرِہٖ عَلٰی اٰلَائِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

ؔ جب تجھ پر کوئی بلا نازل ہو۔ تو اچھا صبر کر۔ کیونکہ رب کو تیرا علم ہے لیکن اگر تو اس کا شکوہ ابن آدم سے کرے گا تب رحیم کا شکوہ اُس سے کرتا ہے۔ جو رحم نہیں کرتا۔

(۱۰) وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ

رضا الٰہی میری غنیمت ہے

واضح ہو کہ رضا کے متعلق ائمہ تصوف کے تین اقوال ہیں۔

(۱) اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضا بھی مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے۔ اور انتہائے توکل یہی ہے اور اس مقام کو بندہ اکتساب سے حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا تو منجملہ احوال ہے۔ یہ مکاسب میں سے نہیں بلکہ مواہب میں سے ہے۔

(۳) تیسرے گروہ نے ہر دو اقوال کو جمع کر دینا چاہا۔ وہ کہتے ہیں کہ رضا ابتدائی درجہ میں کتسابی ہے اور منجملہ مقامات ہے۔ اور انتہائی درجہ میں محض عطیہ ربّانی ہے۔ لہذا منجملہ احوال ہے۔

گروہ اوّل کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل رضا کی مدح وثنا فرمائی ہے اور اس صفت کیلئے شوق دلایا ہے۔ اگر یہ مقام اکتسابی نہ ہوتا۔ اور مقدور بشری سے باہر ہوتا۔ تو ایسا نہ کیا جاتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا ۔	ایمان کا ذائقہ اُس شخص نے چکھا۔ جو اللہ کے رب ہونے پر۔ اسلام کے دین ہونے پر۔ اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔

نیز فرمایا۔ کہ جو شخص اذان سنکر یہ الفاظ پڑھتا ہے رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا۔ اُسکے گناہ بخشدیئے جاتے ہیں۔

یہ دونوں احادیث اس شان کی ہیں کہ مقامات دین کا انہی پر مدار ہے۔ غور کرو کہ ان سے چند امور کا ثبوت ملتا ہے۔

الف۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت پر رضامندی۔

ب۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور حضور کی اطاعت پر رضامندی۔

ج۔ دین الٰہی پر رضامندی۔

۵ - دین الٰہی کے سامنے تسلیم و انقیاد کا اقرار۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں یہ ہر چہار امور جمع ہو جائیں۔ وہ تو صدیق ہے۔

ہاں دعوٰئ زبان آسان ہے۔ مگر کامیابی امتحان دشوار ہے۔ خصوصاً جبکہ معاملہ یہ ہو۔ کہ نفس کی مراد و خواہش اسکے خلاف ہو۔

یاد رکھو کہ الوہیت پر رضامندی کے معنے یہ ہیں کہ محبت و انابت اور تبتّل الی اللہ میں توحید حاصل ہو۔ خوف ہو تو اُسی کا ہو۔ امید ہو تو اُسی سے ہو۔ جملہ قوٰی کا انجذاب اُسی کی جانب ہو اور عبادت کا مقصود توحید فی الاخلاص ہو۔

ربوبیت پر رضامندی کے معنے یہ ہیں کہ تدبیر الٰہی کی توحید حاصل ہو۔ توکل و اعتماد اور استعانت میں توحید ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل کا خیر مقدم خوشنودی کے ساتھ کرے۔

رسالت محمدیہ پر خوشنودی کے معنے یہ ہیں۔ کہ احکام نبویہ کے مقابلہ میں اطاعت کلی اور تسلیم کلی شیوہ بنجائے۔ اور حضور کی محبت بھری تعظیم اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔

ہدایت اور حکم اور فیصلہ نبی صلعم کی آستان پاک ہی سے حاصل کرے۔ اور کسی دوسرے کی حکومت کا روا دار نہ ہو۔ خصوصاً علوم الٰہیات کے متعلق۔ جہاں کسی دوسرے کا قول چل ہی نہیں سکتا۔

اسلام پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ جب اسلام کا کوئی حکم از قسم امر یا نہی ملے۔ اُسے پورے انشراح خاطر سے قبول کرے اور اُسکے خلاف اگرچہ وہ کیسے ہی لمبی داڑھی والے کیطرف منسوب ہو۔ ہرگز قبول نہ کرے۔

اِس مقام پر پہنچ کر بہت سے نام کے عالم۔ یا صوفی و درویش۔ یا شیخ تمکو مخالفت کرتے ہوئے نظر آئینگے۔ مگر رضا باسلام تو یہی ہے کہ جو حکم اسلام کا نہیں۔ اُس پر ہرگز ہرگز اہل ایمان کو یقین یا اطمینان نہیں کرنا چاہیئے۔

اب یہ یاد رکھو کہ رضا کا مقام توکل و تفویض اور تسلیم کے بعد آتا ہے۔ اور چونکہ اسکے حصول میں صعوبت تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا۔ البتہ اسکا شوق ضرور دلایا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ مسلم مقام رضا کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔

کہا، جب وہ چار باتوں میں پختہ ہو جائے۔

(۱) عطا کو قبول کرے (۲) عدم عطیہ میں راضی رہے۔ (۳) انقباض میں عبادت کرے (۴) انشراح میں حاضر درگاہ رہے۔

سیدنا امام حسن بن علی علیہما السلام سے کسی نے ذکر کیا۔ کہ ابوذر رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں کہ اُن کو فقر غنی سے اور مرض صحت سے زیادہ محبوب ہے۔

امام نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ابوذر پر رحم فرمائے۔ میرا قول تو یہ ہے کہ جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے بہترین انتخاب پر ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کی پسند کے سوا اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کریگا۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا۔

"رضا کا درجہ زہد سے برتر ہے کیونکہ جو راضی ہے وہ اس حالت سے دوسری حالت کا آرزومند ہی نہیں"

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا تھا۔

الْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الرِّضَا فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَرْضٰى وَإِلَّا فَاصْبِرْ۔

رضا میں تو سراپا خیر ہے۔ اگر تم میں استطاعت ہے تو اس درجہ میں رہو۔ ورنہ "صبر" کیا کرو۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ (فجر)

اے اطمینان والے نفس۔ اپنے رب کی طرف رجوع کر۔ درآنحالیکہ تو رضا والا ہے۔ اور رضا حاصل کردہ ہے اب میرے بندوں میں شامل ہو جا میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہ وہ قول ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی بندہ سے کہا جائیگا۔ اور میدان قیامت میں بھی اسی طرح سے مومن کو مسرور الوقت کیا جائیگا۔

اللہ کے پسندیدہ بندوں کی جماعت میں داخلہ اور جنت میں پہنچنا۔ ہر دو انعام راضی و مرضی ہونے کی صفت پر ہیں

(۱۱) وَالْعِجْزُ فَخْرِی

عاجزی میرا فخر ہے

عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں اَلْفَقْرُ فَخْرِی لیکن ماہرین علم الحدیث نے ظاہر کر دیا ہے کہ اَلْفَقْرُ فَخْرِی کے الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔
صاحب مجمع البحار نے بھی وَالْعِجْزُ فَخْرِی کے الفاظ کو بیان کیا ہے۔ جیساکہ حدیث زیر شرح میں موجود ہیں۔
عجز کے معنی درماندگی ہیں اور کسی مفوضہ کام کو نہ کر سکنا اسکے مفہوم میں داخل ہے۔ مفوضہ کام نہ کر سکنے کو کوئی مناسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضور کی حیات طیبہ تو سراپا سعی مکمل جہد اور کامل عمل کا نمونہ رہی ہے۔
لہذا عجز سے مراد عجز بہ بارگاہ احدیت ہے۔ اور یہی معنے رب العالمین کے جاہ وجلال اور خاتم النبیین کے مقام واحوال پر صادق آتے ہیں۔
اہل ثروت کے حال پر نگاہ ڈالو۔ کہ دنیا میں تھوڑی ہی کامیابی کے بعد انکے غرور وپندار کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اور رسول اعظم کی سیرت کو بھی غور سے دیکھو۔
وہ رسول جسکی نصرت وتائید زمین کے ہر ذرہ۔ اور آسمان کے ہر ستارہ سے ہوتی ہو۔ جس کا حکم نفوس پر فرمانروا ہو جسکی عظمت سے مابین السماء والارض پر آوازہ ہو۔ وہ لحمہ بہ لحمہ لحظہ بہ لحظہ عجز وافتقار۔ اور تضرع وانکسار ہی کے تحیات طیبات درگاہ احدیت اور آستان صمدیت پر پیش کر رہا ہے۔ اور افتقار کو افتخار سمجھ رہا ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی دعاؤں کے کلمات زاکیات کو دیکھو۔ جن سے غفلت قلب کا فور اور حجاب روح دور ہو جاتا ہے۔ کہ غافل سے غافل شخص کا دل بھی جاگ اٹھتا ہے۔ اور بے اختیار سطوت الٰہی۔ اور احتشام لم یزلی کے سامنے جھک پڑتا ہے۔
نمونہ کے طور پر ایک دعا کا اندراج کیا جاتا ہے ناظرین اسکے اسلوب بیان پر غور کریں۔ علو مکانی کا اندازہ کریں اور دیکھیں کہ جس دل وزبان سے یہ الفاظ نکلے۔ وہ خود بھی اظہار عجز۔ اور بیان نیاز کو اپنے لئے کسقدر مایہ فخر وامتیاز سمجھتا ہے۔ اور متبعین کو بھی کس نمونہ پر تیار کرنا چاہتا ہے

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَرٰی مَکَانِیْ۔ وَتَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ۔ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ۔ وَاَنَا الرَّجُلُ الْمُشْفِقُ وَمُقِرٌّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِیْ وَاَنَا الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ۔ اَسْئَلُکَ مَسْئَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ۔ وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَآءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ۔ وَدُعَآءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ۔ وَفَاضَتْ لَکَ عَیْنُہٗ۔ وَذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ۔ اَنْ لَّا تَجْعَلَنِیْ بِدُعَآئِکَ شَقِیًّا وَکُنْ لِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ۔

یا اللہ تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے۔ اور میرا کلام سن رہا ہے۔ میرے ہر پیدا و نہاں کو خوب جانتا ہے میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ میں تو کانپنے والا۔ ڈرنے والا ہوں میں اپنی کمزوری کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔ میں تو فریادی اور پناہ کا خواہاں ہوں۔ تجھ سے مسکین بنکر سوال کرتا ہوں۔ گنہگار ذلیل کیطرح تیرے سامنے چلا رہا ہوں۔ نابینا خوف زدہ کیطرح مدد کی پکار کرتا ہوں۔ میری پکار اس شخص کی سی ہے جسکی گردن نیچی ہو۔ جسکی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں۔ جسم جھک گیا ہو۔ اور ناک زمین پر رگڑ رہا ہو۔ اے معبود مجھے محروم نہ رکھنا میرے ساتھ رافت اور رحم کا برتاؤ کرنا۔ اے مالک تو سب سے بڑھ کر فریاد رس ہے تو سب سے بڑھ کر جود و عطا کرنے والا ہے۔

اللہ اکبر یہ معرفت کا وہ سبق ہے کہ اگر کوئی اہل ایمان دل اور زبان کے اس عجز و بیان کے ساتھ بارگاہ منان میں حاضر ہو۔ تو ضرور ہے کہ رحمت اسکی دستگیری فرمائے۔ محبت اس کی شمع راہ بنے۔ اخلاص و صداقت اسے خاک سے اٹھا کر کرسی قبول و عزت پر بٹھلائے۔

فَطُوْبٰی لَھُمْ

(۱۳) وَالزُّھْدُ حِرْفَتِیْ

زہد میرا پیشہ ہے

حرفت۔ اس صنعت یا وجہ کسب کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے گزارہ کا ذریعہ بنائے۔

زُہد۔ اصل لغت میں عدم رغبت کو کہتے ہیں۔ سورہ یوسف میں ہے

وَکَانُوْا فِیْہِ مِنَ الزَّاھِدِیْنَ — قافلہ والوں کو یوسفؑ کے پاس رکھنے کی رغبت نہ تھی

شئ زھید۔ چیز اندک جو قابل التفات نہ ہو۔

اصطلاح شرعیہ میں دنیا اور مال و متاع دنیا سے رغبت نہ رکھنے کو زہد کہتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے۔ زہد یہ ہے کہ نہ موجود پر اعتماد ہو۔ اور نہ مفقود پر تاسف ہو۔

امام المحدثین احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ زہد کی تین اقسام ہیں۔

الف۔ ترک حرام۔ یہ عوام کا زہد ہے۔

ب۔ حلال میں سے زائد شے کا چھوڑ دینا۔ یہ خواص کا زہد ہے۔

ج۔ ہر ایک ایسی شے کا ترک کر دینا جو توجہ الی اللہ سے روکنے والی ہو۔ یہ عارفین کا زہد ہے۔

ناظرین۔ حدیث کے ہر دو الفاظ پر غور کیجئے۔

حرفہ تو اس طریقہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی معاش کیلئے لازم ٹھہرا لے۔ اور یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "زہد" ہی کو اپنا حرفہ بتلایا۔ تو اسکے معنے یہ ہو گئے کہ اپنی توجہ کو ان سب اشیاء جملہ اسباب اور وسائل سے جو ماسوی اللہ کیطرف لے جانے والے ہیں ہٹا کر پورے اہتمام۔ اور پوری ہمت سے اللہ ہی کیطرف توجہ کر لی جائے۔ وسائل اور وسائط کو ہیچ پوچ سمجھ لیا جائے۔

وہ اعتماد جو پروردگار پر ہے۔ سامان حاضرہ کو موجب طمانیت نہیں بنا سکتا۔ اور اسی سامان کا فقدان قلب میں کوئی تشویش نہیں پیدا کر سکتا۔

یہ زہد کی بلند ترین صورت ہے۔ اور اس زہد پر یہ اعتراض بھی عائد نہیں ہو سکتا کہ زہد تو اکتسابی ذرائع کا مانع ہے۔ یا زہد تو اصول تمدن کی مخالفت کا نام ہے۔

---

(۱۳) وَالْيَقِيْنُ قُوْتِيْ

یقین میری روزی ہے

واضح ہو کہ کتاب حمید میں یقین اور اہل یقین کا بیان آیات متعددہ میں ہوا ہے۔

الف۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ	جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا گیا نیز اس پر جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا۔ اور

يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بقرہ ع ۱)

وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت ربانی پر ہیں۔ اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

آیات بالا پر غور کرو۔ کہ ہدایت اور فلاح کو یقین ہی کا ثمرہ بتلایا گیا ہے۔

ب۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (الم سجدہ ع ۳)

ہمنے اُنہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ کیونکہ اُنہوں نے صبر کیا تھا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

آیت بالا میں امامت فی الدین کے منصب کو صبر اور یقین کے اتحاد کا نتیجہ فرمایا گیا ہے۔

ج۔ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ (ذاریات ع ۱)

یقین والوں کیلئے زمین میں۔ اور خود اُن کے نفس کے اندر نشانیاں موجود ہیں۔

آیت بالا میں بتلایا گیا ہے کہ آیات ربانی کا مشاہدہ۔ اور اعلامات سبحانی کا معائنہ اور پھر اس مشاہدہ و معائنہ سے نفع کا حاصل کرنا اہل یقین ہی کیلئے حاصل ہے۔

الغرض جو درجہ روح کا جسم انسانی میں ہے وہی درجہ یقین کا پیکر ایمانی میں ہے۔

یقین ہی اعمال قلب کی روح ہے۔

یقین ہی حقیقت مدلقیت ہے۔

علما میں اختلاف ہے کہ یقین کسبی ہے یا وہبی ہے۔ ہمارے نزدیک بلحاظ اسباب تو کسبی ہے اور بلحاظ اصلیت وہبی ہے۔

سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکاشفہ سے ابتدا ہوتی ہے۔ اور پھر انسان معائنہ و مشاہدہ کے مدارج کو طے کرتا ہوا یقین تک پہنچ جاتا ہے۔

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ یقین کی علامات تین ہیں۔

(۱) لوگوں سے میل جول کم ہو۔ (۲) کسی کے عطیہ پر مدح نہ کرے۔ (۳) کسی کے نہ دینے پر اُسکی مذمت نہ کرے۔

انہی کا یہ ارشاد بھی ہے یقین کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شے میں نظر الی اللہ ہو۔ ہر معاملہ میں

رجوع الی اللہ ہو۔ ہر حالت میں استعانت باللہ ہو۔

واضح ہو کہ اگر مراتب یقین کی تفصیل کی جائے۔ تو وہ تین ہیں۔

مرتبہ اولی میں علم اوامر و نواہی علم معاد علم الاسماء والصفات داخل ہیں۔ اور جب بندہ کو ان علوم کی حقانیت و صداقت پر وثوق کلی ہو جاتا ہے۔ تو اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

مرتبہ ثانیہ میں استدلال کی ضرورت نہیں رہتی۔ دلیل فضول سمجھی جاتی ہے اور سماعت کا مقام روئت حاصل کر لیتی ہے۔ اسی کو عین الیقین کہتے ہیں۔

مرتبہ ثالثہ میں خود آفتاب حقیقت نور پیز ہوتا ہے کلفت یقین جاتی رہتی ہے حقانیت اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسے حق الیقین کہتے ہیں۔ اور یہ درجہ صرف انبیا علیہم السّلام کا ہے۔ انہی کی چشم ظاہر بین کے سامنے جملہ اسرار و خفایا منکشف ہوتے ہیں۔ اور انہی پر علوم معاد کا ظہور ایسا ہوتا ہے۔ جیسے دوسروں کیلئے مادی اشیاء کا شہود۔

اب یہ غور کرو۔ کہ حدیث زیر شرح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین کو اپنی غذا فرمایا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ غذا ہی پر جسم کا نشو و نما ہے۔ اور غذا ہی سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔

یقین کو غذا بتلانا ظاہر کر رہا ہے۔ کہ حضور اسباب مادیات سے کسقدر دور تھے۔ حضور کی قوۃ یقینیہ کا اندازہ کرنے کیلئے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی قوت یقینیہ کا اندازہ کرو

ایک صحابی جنگ احد میں خوشہ انگور ہاتھ میں لئے ہوئے انگور کھا رہے تھے۔ عزم یہ تھا کہ انگور کھا کر اور طاقت جسمانی بڑھا کر شریک معرکہ ہونگے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ شہادت کا ثمرہ جنت عدن ہے۔ یہ سُنکر انہوں نے انگوروں کی طرف دیکھا۔ پھر کہا کہ انکے ختم کرنے میں تو دیر لگے گی۔ میں جنت کیلئے اتنی تاخیر کیوں کروں۔ یہ کہکر انگور پھینک دیئے۔ رزمگاہ میں پہنچے اور جوہر شجاعت دکھلاتے ہوئے بزم گاہ رضوان کو جا سدھارے۔

نقیب محمدی عبداللہ بن رواحہ انصاری کا حال بھی انہی سے ملتا جلتا ہے۔ دشمن پر حملہ پر حملہ کر رہے تھے۔ کہ ان کا چچیرا بھائی بخنی لے آیا۔ کہا یہ تھوڑی سی پی لو۔ طاقت پاکر زیادہ لڑ سکو گے پیالہ ہاتھ میں لیا۔ دو تین گھونٹ پیکر زمین پر پھینک دیا کہ مجھے اپنے احباب سے جلد تر ملاقات کرنا ہے۔

سچ ہے کہ یقین شکوک و اوہام کے حجاب کو چاک کر دیتا ہے۔ اسوقت چہرۂ حقیقت بے نقاب

ہو جاتا ہے۔ رویت ایمانی کا درجہ بصارت عینی سے بالا تر پہنچ جاتا ہے۔ اور ایسا دیدہ ور شخص مغیبات کو مشاہدات سمجھتا ہوا حقائق اصلیہ اور معارف روحانیہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

(۱۳) وَالصِّدْقُ شَفِيْعِیْ

صدق میرا ساتھی ہے

جب ایک شخص کے ساتھ اُسکے اغراض و مقاصد میں متفق و متحد ہو کر دوسرا شخص شامل ہو جاتا ہے۔ تو وہ پہلے شخص کا شفیع کہلاتا ہے۔ لغت میں شفع بمعنے جفت آتا ہے۔ کتاب حمید میں ہے وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ (فجر)

صدق۔ ہر شے کی اصلیت اور کمال قوت کو کہتے ہیں۔ الفاظ ذیل پر غور کرو۔

(۱) عزم صادق۔ اُسی ارادہ کو کہیں گے جو تام و قوی ہو۔

(۲) محبت صادق۔ اُسی محبت کو کہیں گے۔ جو کامل و اصلی ہو۔

(۳) خبر صادق۔ وہی اطلاع ہے جس میں اصلیت کے سب جزا کامل و قوی ہوں۔

قرآن مجید میں صدق کے کئی مقامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا۔ (بنی اسرائیل)	اے رب مجھے خوبی کیساتھ پہنچائیو اور مجھکو خوبی کیساتھ لیجائیو اور مجھکو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔

اس دعا میں مدخل صدق اور مخرج صدق کا سوال سکھلایا گیا ہے۔

مدخل صدق سے مراد بندہ کی وہ توجہ ہے۔ جو اللہ کیلئے۔ اللہ کی جانب اور احکام الٰہی کیجانب بندہ کیا کرتا ہے۔ اس توجہ میں شائبہ ریب و شک نہیں ہوتا۔ اسکی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ مدینۃ المنورہ بھی اسی مدخل صدق میں داخل ہے جسکی برکات و انوار نامنتہی ہیں۔

مخرج صدق سے مراد بندہ کی وہ عزیمت ہے جو ہوا و ہوس۔ اور اقتضائے طبع و نفس سے

منہ موڑکر اور امور فانی سے دامان دل کو جھاڑ پھوڑ کر سب سے الگ ہو جاتا ہے۔

کوئی حجاب یا کوئی رسم کوئی امید منفعت کوئی خوف ضرر بندہ کو اس خروج صدق سے روک نہیں سکتا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ چھوڑ دینا۔ وطن سے دوری، تعلقات سے بے تعلقی، راہ ہجرت کی

بادیہ پیمائی اسی مخرج صدق میں داخل ہے۔

(۲) وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ (یونس) | اور جو ایمان لے آئے انکو بشارت سنا دے کہ انکے رب کے پاس انکو پورا مرتبہ ملیگا۔

آیت بالا میں قدم صدق کے وجود کی اطلاع اور بشارت دیگئی ہے۔

قدم صدق سے مراد وہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ ہیں۔ جو فرماں پذیر بندہ نے اپنی حیات

فانی میں ادا کئے۔ اور قبر میں جانے سے پیشتر بارگاہ رب العزت میں بھیج دیئے گئے۔

تقدیم اعمال تو مومن وکافر مطیع وفاسق سب ہی کیطرف سے ہوتی ہے مگر قدم صدق کا اطلاق

سب مومن ہی کے اعمال پر ہوتا ہے۔

(۳) سیدنا ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں ہے۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ | اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔

یہاں لسان صدق کی دعا فرمائی ہے لسان صدق سے مراد ثنا حسن ہے۔ یہ اس بندہ

کیلئے بطور جزائے حسن عطا ہوتی ہے جس کے افعال واعمال اور اقوال اللہ تبارک وتعالیٰ کے

ان معیار صدق پر پورے اترتے ہیں۔

---

(۱۵) وَالطَّاعَةُ حَسَبِيْ

طاعت کرنا میری عزت ہے

طوع و بیت سے طاعت بنا ہے۔ اس کے معنی انقیاد امر اور اتباع حکم ہیں جبکہ مطیع اس حکم کی تعمیل

خوشی سے پورے انشراح صدر اور نشاط قلب سے کر رہا ہو۔

خشیت - وہ بندگی جو ال یا دلوں یا اعمال سے اور اخلاق یا فضائل سے وجود کر دے

حاصل ہو۔

حدیث بالا میں صنعت تضاد موجود ہے۔ یعنی عام طور پر لوگ اُن اشیاء کو باعث بزرگی و برتری سمجھا کرتے ہیں جس میں اوروں پر تفوق پایا جاتا ہو۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بندگی۔ فرماں برداری کو اپنے لئے باعث برتری و تفوق قرار دیا ہے۔ بیشک یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہی کے گوہر گرامی میں عموماً اور امام الانبیاء سرورعالم کے عنصر پاک میں خصوصاً اس کا ظہور اور نور نظر آتا ہے۔

صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک شرط یہ بھی پیش کی تھی۔ کہ جو شخص قریش میں سے مسلمان ہو کر مسلمانوں کو جا ملیگا۔ اُسے قریش کے پاس واپس کر دیا جائیگا۔ مگر جو شخص مسلمانوں میں سے نکل کر کفار میں جا ملیگا۔ وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائیگا۔

شرط مذکور اپنے ظاہری الفاظ میں ذلت آمیز نظر آتی ہے۔ لہذا عمر فاروق۔ اُسید بن حضیر۔ سعد بن عبادہ اور سہل بن حنیف جیسے غیرت مندان اسلام نے جو شبارو زہ اَعِزَّ الْإِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ کا وِرد رکھتے تھے۔ اس شرط کو حمیت مسلمین اور عزۃ اسلام کے منافی سمجھا۔

جب انہوں نے اس بارہ میں حضور سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ تو حضور نے نہ اُن کی دلائل کی تردید کی اور نہ اُن کے اقوال کی تضعیف۔ بلکہ زبان عالی سے یہ فرمایا

إِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَسْتُ أَعْصِيْهِ وَهُوَ نَاصِرِيْ	میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اسکے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ وہی میرا مددگار بھی ہے۔

اس سے صاف روشن ہوگیا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسقدر زیادہ طاعت و اتقاء الٰہی کے پابند تھے۔ کہ حمیت و حمایت ظاہری اور وقار و عزت ملی۔ تو مسلموں کی جنبہ داری۔ یا مرتدین کی تعزیر کے مسئلہ اصل بھی حضور کو ذوق طاعت اور کمال اتقاء سے الگ نہ کرسکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حسن عمل کا بدل اسی جنس عمل کی صورت میں حضور کو ارزانی فرمایا۔ اور حضور کی اطاعت کو جملہ عالم و عالمیان پر فرض عین ٹھہرایا۔ فرمایا۔

(۱) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔	جس نے محمد رسول اللہ کی اطاعت کی۔ اُس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔
(۲) إِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ (نور)	اے لوگو اگر تم رسولؐ کی اطاعت کروگے تو ہدایت پا لوگے

(۱۶) وَالْجِهَادُ خُلُقِیْ !

جہاد میری خصلت ہے

جہاد۔ پوری کوشش سے کوئی کام کرنا۔ محنت کرنا۔ طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا۔
خلق طبیعت۔ جبلت۔ پیدائشی خصلت۔

جہاد شرعیہ کی دو اقسام ہیں۔ جہاد بالمال۔ اور جہاد بالنفس۔ اللہ فرماتا ہے۔

وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ (صف)	اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ۔ اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

مال کی قربانی بھی سخت دشوار ہے۔ اور ایثار جانی بھی سخت مشکل۔ بہت لوگ جان کے بچاؤ میں مال کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اکثر ایسے ہیں۔ جو مال کے لئے جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا آسان سمجھتے ہیں لیکن جہاں مال اور جان دونوں کے نثار کرنے کا سوال ہو۔ وہاں پورا اترنا اللہ تعالےٰ کے مخلص بندوں ہی کا کام ہے۔ بسا اوقات یہی مال و جان انسان کو اُسکے فرائض ذاتی و قومی اور واجبات اخلاقی و دینی کے ادا کرنے میں سخت حائل ہو جایا کرتے ہیں لیکن راہ خدا کے فدائی ہر شئے کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کر دیتے ہیں۔

قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (سورہ حج)	اللہ کے بارہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنیکا حق ہے

اس جہاد سے مراد علم الٰہی کی تحصیل۔ رضائے ربانی کا حصول۔ تقرب سبحانی کا شوق۔ مدارج روحی کا ارتقا مراد ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس جہاد میں صرف طاقت اور اخلاص توجہ بمعنی لغوی اور ایمان و عمل صالحہ بمعنے شرعی بہمہ وجوہ درکار ہیں۔

جہاد کے معنی اعدائے دین کو تحت میں لانا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے وسائل مالی و جانی کو مجتمع کر دینا بھی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پر نگاہ ڈالو کہ جہاد کی ان جملہ اقسام میں حضور جملہ افراد امت سے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔

حضور کا عزم و ارادہ اور نیت تھا۔ حضور کا آرام و قیام اسی جہاد فی اللہ کیلئے تھا

وہ آسودگی و آرمیدگی جو حاصلِ اہلِ حکومت ہے۔

وہ وقار و عظمت جو لائقِ احوالِ امراء ہے۔

وہ کسل و جمود جو محبوبِ مترفین ہے۔ انمیں سے کسی کا بھی کوئی اثر ذاتِ گرامی پر نہ تھا۔

جد و جہد، سعی و طلب۔ ارتقاء و ارتفاع، سوز و گداز، حزن و شوق۔ حضور کے خدامِ دربار تھے اور اسی اسوۂ عالیہ کا فیضان تھا۔ کہ صحابہ کرام خویش و تبار سے۔ زن و اولاد سے جدا ضیاع و زرع سے دور۔ آرام و آسائش سے نفور ہوکر ہمہ تن، ہمہ دل جہاد فی اللہ میں مشغول تھے۔ اسی صفتِ عالیہ کے تحت میں اُنہوں نے وطن کو خیرباد کہا۔ اور زیستِ دنیوی کو حیاتِ دنی قرار دیا۔ وطن سے نکلے۔ اور تمام دنیا کو ہمت بلند، عزم راسخ، طلب صادق، سعی موفور کی ایسی عملی تعلیم دے گئے۔ کہ مشرق سے مغرب تک کلمۃُ اللہِ ھِیَ الْعُلْیَا کا آوازہ بلند ہو گیا۔

اسی نمونہ کا نتیجہ تھا۔ کہ لوگوں نے دنیا کا دار العمل ہونا سمجھ لیا۔ انفاس کا پاس ہونے لگا۔ حیاتِ ارضی کے بعد حیاتِ روحی کا نظارہ آنکھ کے سامنے ہو گیا۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ کہ مدتِ قلیل میں فوائدِ کثیرہ۔ فتوحاتِ عظیمہ، غنائمِ وافرہ، نتائجِ عالیہ حاصل ہو گئے

کاش مسلمان اسی علم و عمل کو مآلِ زندگی سمجھیں۔ اور سعی و طلب کو اپنی جبلت و فطرت بنا لیں۔ اور وہ بھی دنیا کی زندہ اقوام میں زندہ کہلانے کا لقب حاصل کر سکیں۔

نہیں نہیں۔ دنیا میں آج زندہ اقوام کہلانے والی قوموں کا مطمح نظر بہت پست ہے۔ اہلِ ایمان کو اپنی نیت و فعل۔ اور عزم و عمل کے لحاظ سے اپنی ہمت کو بہت بلند رکھنا ضروری ہے۔ تا کہ ان میں انبیاء و صدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہو جائے۔ اور سعادتِ دارین کا تاج جسے تاجِ خلافت بھی کہا جاتا ہے اُنکے سر پر رکھا جائے۔

(۱۷) قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلوٰة

میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے

حج عمر میں ایک دفعہ ہے ادائے زکوٰۃ کیلئے سال میں ایک دن کا مقرر کر لینا کافی ہے صوم رمضان گیارہ ماہ کے بعد آتے ہیں۔

مگر نماز ایک دن میں پانچ دفعہ پڑھنا فرض ہے۔ سات برس کے بچے کو نماز پر لگانے اور دس برس

کے بچّے کو ترک نماز پر تادیب کرنے کا حکم ہے۔ سفر ہو۔ یا مرض۔ مفلسی ہو۔ یا امیری۔ اسیری ہو یا آزادی نوکری ہو یا گھر پر۔ فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی۔ جب تک ہوش و حواس درست ہیں۔ نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے۔ اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی اور سب سے اخیر تک فرض رہتی ہے۔ نماز ہی کی بابت سب سے پہلے سوال بروز محشر ہوگا۔ عماد دین نماز ہے۔ شوکت اسلام نماز ہے۔ اسلام کا خیمہ اسی چوب پر استادہ ہوتا ہے مسجد و ں کی تعمیر۔ اذانوں کا اعلان۔ خطیب اور پیش نمازوں کا تقرر۔ سب کچھ نماز کیلئے ہے۔ حفاظ قرآن کی عزت محراب مسجد سے آشکارا ہوتی ہے۔ اور علماء دین کی فضیلت منبر مسجد سے نمودار۔

نماز ہی اجتماع و تنظیم کی سبق آموز ہے۔ اور نماز ہی پابندی اوقات کا خوگر بنانے والی ہے۔ نماز ہی مختلف المزاج افراد کو واحد مرکز پر لاتی ہے۔ اور نماز ہی قوم کے پسندکردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

نماز ہی بندہ کو بدن۔ لباس اور مقام کی پاک و پاکیزہ۔ اور صاف و مجلّی رکھنے کا ذریعہ ہے نماز ہی سحر خیزی سکھلاتی ہے۔ اور نماز ہی بیہودہ تھیٹروں' تماشاؤں میں انسان کی صحت اور روپیہ اور وقت کی حفاظت کرتی ہے۔ نماز ہی دل میں ایک ایسی کشش پیدا کر دیتی ہے جس سے دل کا تعلق رب العالمین کی حضوری سے ہو جاتا ہے۔

نماز ہی ہر انسان کو دربار الٰہی میں حاضر ہو سکنے کا اعزاز عطا کرتی ہے۔ اور نماز ہی انسان اور رب میں سرگوشی و ہمکلامی کا راز کھول دیتی ہے۔ نماز ہی کمال عبودیت ہے۔ اور نماز ہی تکمیل انسانیت۔ نماز ہی اخلاق حسنہ کی ہادی ہے اور نماز ہی عادات سیئہ کی سپر۔ نماز ہی مغفرت و رحمت ہے۔ اور نماز ہی نور و برہان ہے۔ نماز ہی سے رب العالمین کے عالمگیر علم و قدرت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور نماز ہی سے فرزندان اسلام کی عالمگیر اخوت کا سلسلہ پائیدار بنتا ہے۔ نماز ہی سے احسانیات کے مراتب طے ہوتے ہیں۔ اور نماز ہی سے تجلیات حضور کی اشاعت تو ہوتی ہے۔ جس دین میں نماز نہیں۔ وہ دین دین ہی نہیں۔ مومنین کیلئے نماز کو معراج فرمایا گیا ہے۔ اور حالت سجدہ کو بندہ کا بارگاہ سبحانی سے قریب تر ہونا بتلایا گیا ہے بزرگان دین سمجھتے تھے کہ تجلی من صرف نماز ہی میں سکینہ یاب ہوتا ہے۔ اور ہر وقت

سوچنے والا دماغ صرف نماز ہی میں انابت الی اللہ کا مزا پاتا ہے۔ نماز ہی ہے جس کا اثر انسان کے جسم اور دل اور دماغ اور نفس و روح اور بشر اور اخفی پر یکساں پڑتا ہے۔ اور نماز ہی ہے جو بحالت ارتعاب انسان کو ملکوتی صفات بنا دیتی ہے۔

جملہ ادیان پر جو فضیلت اسلام کو ہے۔ از انجملہ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہی بندہ کو پانچ وقت اللہ کے حضور میں لے جاتا۔ اور بے واسطہ و بگیر براہ راست عرض معروض کا موقعہ عطا کرتا ہے جب نماز کی یہ برکات عامۃ المسلمین کیلئے ہیں تو کچھ شک نہیں رہتا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اپنی نورانیت میں سارے جہان کی نمازوں سے اعلیٰ و برتر تھی۔

ایک مذنب ذلیل۔ خائب و خاسر کی عبادت کو۔ ایک مصطفیٰ و مجتبیٰ سید الوریٰ حبیب رب العلیٰ کی نماز کے ساتھ کیا مناسبت و مشابہت ہو سکتی ہے۔

البتہ حدیث پاک سے استقدر مستنبط ہوا۔ کہ نبی صلعم کے کلمہ خوانوں کو اپنی آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہی کو بنانا چاہیئے جیسا کہ حضورؐ نے نماز کو قرۃ العین فرمایا ہے۔

باب دوم

خصائص القرآن

قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "کلام اللہ" بتا کر اپنی زبان مبارک سے حرفاً حرفاً سنایا۔ لہذا سیرت نگار نبوی کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرت نبوی کے ساتھ ساتھ پیش کرے۔ کتاب ہذا کی جلد اوّل میں بھی اس مبحث پر چند اوراق پیش کئے جا چکے ہیں۔ اب اُس اختصار سے کچھ آگے بڑھ کر چند مبحث ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

قرآن پاک کے نام بھی اسماء اللہ الحسنیٰ کی طرح ۹۹ تک پہنچ گئے ہیں لیکن سب سے زیادہ خاص اس کا نام "کلام اللہ" ہے۔ اور سب سے بڑھ کر مشہور اس کا نام "القرآن" ہے۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المشوق الی علوم القرآن" میں تحریر فرمایا ہے کہ لفظ قرآن محاورہ قرأت الحوض سے ماخوذ ہے۔ جو حوض پانی سے لبالب لبریز ہوتا ہے اُسے قرأت الحوض کہا کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک جملہ علوم پر محتوی اور عرفان تام کا ظرف اور حقائق العلیہ سے پُر ہے۔ اس لئے اسکا نام قرآن ہوا۔

اب ذیل میں متعدد عنوانات کے ساتھ چند مباحث پیش کئے جاتے ہیں۔

فصل اوّل

ضرورت قرآن

قرآن مجید کی ضرورت معلوم کرنی ہو تو سب صاحبان کو اُس زمانہ کی تاریخ اور صفحۂ عالم کی حالت پر غور کرنا چاہیئے۔

ایران کے مجوس کا سراپا شرک کی نجاست میں غرق ہونا۔ اور احاطہ انسانیت سے نکل کر سگی ماں۔ بیٹی بہن سے ازدواج کو جائز و مباح سمجھ لینا۔

روما چرچ کے عیسائیوں کا صرف بُت پرستی میں مبتلا ہو کر اُس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج میں لاکھوں بندگان خدا کا خون پانی کی طرح بہانا۔

چین کا قبر پرستی۔ اور بھوت پریت کی عبادت میں محو ہو جانا اور پھر خود کو آسمانی فرزند کہلانے کا مستحق قرار دینا۔

ہند کا فسق و فجور میں پڑ کر زنا و شراب کو بہترین افعال انسانی قرار دینا۔ مرد و عورت کی برہنگی کے اعضاء کی تمثالوں کو سب شیوالوں میں قائم کرنا۔ دختر کشی اور قمار بازی کو شرافت کا نشان قرار دینا۔

عرب کا بعض صفات بالا میں اکثر ممالک سے بڑھ جانا۔

الغرض تمام معمورۂ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور ان ضلالتوں کے دور کرنے میں وہ کتابیں جو دنیا میں پہلے سے نازل شدہ تھیں ناکافی ثابت ہو چکی تھیں۔

اُن کا تمام عالم کے بگڑے ہوئے آٹے پر تو کیا اثر ہوتا۔ کہ خود اُسی کی قوم (جس میں اُس کتاب کا نزول ہوا) دائرہ انسانیت سے خارج ہی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی ایک ایسی بہترین کتاب کی جس میں تمام عالم کی اصلاح کی طاقت اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے کی قابلیت اور

بلحاظ اپنی مجموعی شان کے دیگر اوراقِ پریشان سے دنیا بھر کو مستغنی کر دیتی ۔

ہاں جسطرح سخت گرمی اور حبس کے بعد بارانِ رحمت کا نزول ہوتاہے جسطرح رات کی سخت تاریکی کے بعد خورشید عالم افروز طلوع فرماتا ہے ۔

اسیطرح تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ظلمت مُطلمہ ہی نے قرآن مجید کے نور مبین کیضرورت کو افرادِ عالم کے دل و دماغ میں ثابت و محسوس کرا دیا تھا۔

لہذا اُسی رحمت ربانیہ نے جو انسان کو عدم سے وجود میں لانے اور نطفہ سے انسانِ کامل بنانے میں کار فرماہے ہماری روحانی ضرورت کیلئے اس نور و ہدایت کو نازل فرمایا۔

بدبختی سے ہند میں ایسا فرقہ بھی پیدا ہوگیا ہے۔ جو رب کریم کو ارحم الراحمین تو مانتا ہے مگر پھر بھی اُسے کلام خدا کے دنیا میں نازل ہونے کیضرورت سے انکار ہے۔

یہ کور سواد تسلیم کرتے ہیں کہ اُس نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے اگر آنکھ کو بینائی دی ہے تو دیکھنے کے لئے ان گنت رنگتیں بھی بنائی ہیں۔

اگر کان کو شنوائی ملی ہے۔ تو سننے کیلئے بھانت بھانت کی آوازیں بھی پیدا کی ہیں۔ پاؤں چل سکتا ہے۔ تو اُسکی جولانی کیلئے فرشِ زمین کی ہموار و ناہموار راہیں بھی نکال دی ہیں۔ منہ کھا سکتا تو ذائقہ کے واسطے ۔ میٹھے۔ سلونے کھٹے پھیکے کھانے بھی مہیا کئے ہیں یعنی جسقدر حواس ظاہری اور قوای باطنی جسم انسان میں پائے جاتے ہیں۔ اُن کے متعلق ایک ایک جداگانہ عالم بھی پیدا کیا گیا ہے۔

مگر ان کو اب بھی سخت انکار ہے کہ روح انسانی کیلئے (جو فطرت انسانی کی خزینہ دار اور اُسکی مملکت کی حکمران ہے) کوئی جداگانہ عالم موجود ہو۔ اگر یہ لوگ روح کا انکار کر دیتے تو انکی حالت پر اتنا افسوس نہ ہوتا۔ لیکن روح کا اقرار اور رحمت الٰہیہ کی جانب سے اُسکی لئے عالم خاص کا انکار قطعًا اسرار قدرت سے عدم آگاہی پر مبنی ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

ضرورت قرآن حمید کے ثبوت میں ہم دنیا کے سامنے دنیا کی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔

نیز اُن تمام ترقیات کو جو دنیا کے ہر ایک مذہب نے نزول قرآن مجید اور اشاعت کتاب حمید کے بعد اپنے اپنے عقائد اور اصول میں کی ہیں اور اُن تمام اصلاحات کو بھی اپنی

دلیل میں پیش کرتے ہیں جو غیر مسلم اقوام نے اس ۱۳۵۳ سال کی مدت رسالت محمدیہ میں تعلیم قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے مذہب اور مسلک میں داخل کر لی ہیں۔

ان ترقیات و اصلاحات کے ازمنہ ارتقا کی تاریخ معلوم کرنیکے بعد امید قوی ہے کہ ہر ایک منصف کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ فی الواقع معمورۂ عالم کو قرآن مجید کے نزول کی سخت ضرورت و احتیاج تھی۔

فصاحت و بلاغت قرآن

اگر کسی نے فصاحت و بلاغت قرآنی کا اندازہ کرنا ہو۔ تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کام کیلئے زبان دانی کامل کیضرورت ہے

اور علم معانی و بیان و بدیع میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا ہونا لازمی ہے۔

اور پھر فہم سلیم و طبع ہموار کی شرط لابدی ہے۔

اگر یہ آنکھیں۔ یہ عینک۔ یہ دوربین کسی کو مل جائے۔ تو وہ بے اختیار بول اٹھیگا۔ کہ قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت طاقت بشری سے بالاتر ہے۔

جہلائے عرب شیدائی زبان اور فدائی حسن بیان تھے۔ اور اسیوجہ سے وہ اسالیب غریب و قصائد عجیب کے مالک۔ رجز فاخرہ و اسجاع موجزہ اور خطب بلیغہ کے انشاد پر قادر تھے۔

صرف اسی قابلیت کے وجود نے بڑے بڑے زبان آوروں۔ خطیبوں اور شاعروں سے منوا دیا تھا۔ کہ قرآن کلام بشر نہیں۔

ذرا غور کرو۔ دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے۔ کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو۔ جو دنیا بھر سے نرالا اور فائق تر ہو۔ (جیسے خاتم النبیین۔ رسول کافۃ الناس رحمۃ للعالمین مطاع عالم کے اعلام سے نمایاں ہے) اور ثبوت دعویٰ میں ایک تصنیف کو پیش کر دیا ہو۔ اور اسی کو اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا ہو۔ اور اس دعویٰ کے انکار کرنے والوں کو ضلالت و غوایت۔ اور خلود نار وغیرہ کی ذلتوں کے مواعید سے جوش بھی دلایا ہو۔

پھر ایسی حالت میں بھی اسی کے ملک کے رہنے والے۔ اسی کی زبان کے بولنے والے اسی زبان کے

قادر الکلام۔ اور سحرالبیان لوگ اُسکے سامنے ساکت خاموش اور متحیر و مدہوش رہ گئے ہوں۔

ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قرآنمجید کے پیش کرنے والے (فداہ امی وابی) نے معارضہ کی چھ قسمیں بتلائیں اور ہر ایک قسم کے مقابلہ میں سب کو عاجز و درماندہ ثابت کرکے اپنی صداقت کو آفتاب روشن کیطرح آشکارا کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآنمجید گو عربی مبین ہے مگر اُسکی فصاحت وبلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کتب سے بالاتر ہے۔

(ب) اب یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے کہ فردوسی وہومر سعدی وشیکسپیر والمیک وملٹن سحبان وبیکن۔ نابغہ وکسرو۔ امرؤالقیس وخسرو وغیرہ وغیرہ جن کی فصاحت وبلاغت کی بڑی بڑی تعریفیں مختلف السنہ کے متعلق مختلف اقوام نے کی ہیں اُن سب کا جوش وخروش ایسی کتابوں میں نکلا ہے جنکی بنیاد تخیلات وتصورات پر رکھی گئی ہے جن میں ہر قسم کی تشبیہات واستعارات کے استعمال کی مصنف کو آزادی حاصل تھی۔ جن میں ترک غلو یا پابندی صداقت کی کوئی بندش نہ تھی۔

اگر الٰہی زبان آوران پر کلام کو کوئی قانون کوئی ضابطہ لکھنا پڑتا۔ اگر حقائق الٰہیات اور رموز فطرت یا اسرار آفرینش پر اُن کو چند سطور بھی تحریر کرنی ہوتیں۔ تو دنیا دیکھ لیتی۔ کہ عبارت کتنی پھیکی۔ بندش کتنی سُست۔ الفاظ کیسے ڈھیلے طرز ادا کتنا مبتذل ہوتا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے کہ وہ احکام وشریعت اور مواعظ وامثال اخبار وانذار میں زمانہ ماضی کی سرگزشت اور عہد مستقبل کی حالت پر آیات کا انفاذ فرما رہا ہے۔ اور باایں ہمہ کلام کسی جگہ بھی نہ صداقت وروحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت وبلاغت کے مرکز سے متنزل ہوا ہے۔

(ج) اندازہ فصاحت وبلاغت کیوقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ساری دنیا کے مسلّمہ مقتدر فصحاء کے میدان کلام اور وادی سخن بھی خاص خاص ہوتے ہیں۔ سعدی کی نصیحت فقر قناعت میں جگہ پالیتی ہے لیکن بزم ونشاط کی بساط کا بچھانا اور ناز واختلاط کے کواڑ کھول دینا اُنکی طاقت سے باہر ہے۔

فردوسی کے بیان جنگ کو پڑھنے والا سمجھتا ہے۔ کہ وہ کوئی سینما دیکھ رہا ہے لیکن مواعظ و

اخلاق کی سڑک پر اُسکا خنگ قلم لنگڑاتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

عرب کے امرأالقیس و عنترہ۔ ابو نواس و ابو العتاہیہ کا بھی یہی حال ہے۔

جرمنی و فرانس۔ اٹلی و انگلستان کے اہل قلم (شاعروں۔ ناول نویسوں۔ اڈیٹروں) یا زبان آوروں (پروفیسروں لیکچراروں) میں بھی یہی تفاوت درجات موجود ہے

میکالے کبھی گبن نہیں بن سکتا۔ اور کارلائل کبھی شیکسپیر کا روپ نہیں دھار سکتا۔ ہربرٹ سپنسر اور نارتھ بروک کی زبان کبھی ایک نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم کو پڑھو۔ اُسے موجودات و ماہیات و کیفیات کے متعلق کسقدر دلائل ساطعہ و براہین بیّنہ سے کام لینا پڑا۔

اُسے اقوام ماضیہ کے عروج و زوال اور اُسکے لوازم و اسباب پر کیا کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اُس نے مذاہب و ادیان اور عقائد و مسلمات انسان پر کتنی تیز روشنی ڈالی اُس نے روح و مادہ اور اعمال کی بابت کسقدر اسرار آشکار کئے۔

اُس نے تدبیر منزل و سیاست مدن حقوق افراد و وجوب قوم کی نسبت کتنے قوانین و ضوابط ایجاد کئے۔

اور ان سب کی تبیین و وضوح کے سلسلہ میں اُسے کسقدر اقسام سخن اور اسالیب کلام پر تکلم کی ضرورت ہوئی لیکن ہر جگہ کلام کی شان الفاظ کی شوکت معانی کا حُسن اُسی خصوصیت کے ساتھ ساتھ جلوہ گستر و نور افزا ہے جیسا کہ اثبات توحید و رد شرک و ابطال باطل و حقائق حق کی فضا میں عطر بیز و روح پرور تھا۔ یہ وہ دقائق کلام ہیں جن کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اپنی لمبی لمبی عمروں کو اسی شوق فہم و ذوق وجدان میں پورا کر دیا ہے۔

(د) فصاحت و بلاغت کا تعلق جزالت الفاظ سے بھی ہے اور اشاقت معنی سے بھی ہم اس جگہ چند آیات کا اقتباس کرتے ہیں اُنکے ہمہ گیر معانی پر غور کرو اور خوب غور سے دیکھو کہ تہذیب اخلاق۔ تہذیب نفس۔ تدبیر منزل۔ حمایت قوم اور سیاست مدن کا کونسا ضروری مسئلہ ہے جو ان چند آیات سے باہر رہ گیا ہے۔ اسی سے قرآن مجید کی ۔۔۔ آیات شریفہ کو ملاحظہ کرو۔ ۔۔۔ صادق کا تخمینہ لگاؤ جو ان آیات میں ملحوظ رکھا گیا ہے

ان آیات کے پیش کرنے سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم صرف اتنی ہی آیات کو پیش کر سکتے تھے۔ یا یہی چند آیات نمونہ بنائے جانے کی اہلیت رکھتی ہیں لا واللہ۔

اسوقت ہماری مثال اس گلچین کی سی ہے جو ایک گلستان تازہ بہار کی سیر کو نکلتا اور واپسی کے وقت وہاں سے چند گل شاداب کو زیب سر وسینہ بنا لیتا ہے کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس گلچین کے بعد باغ میں پھول باقی ہی نہیں رہے۔ یا جو باقی ہیں وہ سب آب و رنگ میں یا زہت و نزاکت میں گلہائے چیدہ سے کم ہیں ظاہر ہے کہ اس کا جواب یقیناً منفی ہوگا۔

(۱) اصول عبادت

وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف ہم تم سبنے لوٹ کر جانا ہے۔

(۲) شرف انسانیت

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا (بنی اسرائیل) ہمنے فرزندان آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں انکے لئے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں اُن کو کھلائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اُن کو برتری فضیلت عطا کی۔

(۳) اوامر یعنی کرنے کے کام

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو۔ اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔

(۴) نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ۔ اللہ تعالےٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تمکو منع کرتا ہے۔

(۵) محرمات

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ

تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا و ان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون۔ میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔

(ا) بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں۔ یا چھپی ہوں۔

(ب) گناہ۔

(ج) بغاوت ناحق۔

(د) شرکت با خدا جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

(ہ) اللہ تعالےٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

(۶) تعاون

تعاونوا علی البر والتقوی۔ نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔

(۷) عدم تعاون

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔

(۸) جملہ اعضاء انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ شنوائی۔ بینائی اور دل ان سب سے سوال کیا جائیگا۔

(۹) وزن اعمال

من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرتا ہے وہ اُسے دیکھ لیگا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر بھی بدی کرتا ہے وہ اُسے دیکھ لیگا۔

(۱۰) عدل و رحم

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ (شوریٰ) بدی کا بدلہ تو بالکل ویسا ہی ہے بعد ازیں جس کسی نے معافی دی اور بھلائی کی تو اسکا اجر اللہ تعالےٰ خود دیگا۔

(۱۱) عدل و رحم و معافی۔

ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیہم من سبیل (شوریٰ) انما السبیل

عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (شوریٰ)

الف۔ جو کوئی ظلم سہنے کے بعد اپنا چارہ کار کرتا ہے اس پر کوئی اخذ نہیں۔

ب۔ اخذ تو اُن لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے اور ملک میں بغاوت ناحق پھیلاتے ہیں۔

ج۔ جو لوگ ظلم و زیادتی پر صبر کرتے۔ اور معافی دیتے ہیں۔ تو یہ کام بڑے شاندار کاموں میں سے ہے

(۱۲) عفو عام

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (نور) لازم ہے کہ معاف کیا کرو۔ لازم ہے کہ درگذر کیا کرو۔ کیا تم خود پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمکو بخشدیا کرے

(۱۳) دشمن کو دوست بنانے کی ترکیب

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (حم سجدہ) تم بدی کی مدافعت نیکی اور سلوک کے ساتھ کیا کرو۔ پھر تو عداوت والا شخص تمکو گرمجوش دوست نظر آئیگا۔

(۱۴) حریت دین

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ) دین کے معاملہ میں کسی شخص پر کوئی دباؤ نہیں۔ نیک رفتاری۔ اور کجروی کو الگ الگ کرکے دکھلایا گیا ہے۔

(۱۵) قول بلا عمل

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف) جب قول ہو۔ اور فعل اُسکے ساتھ نہ ہو تو خدا کے ہاں یہ بہت بیزاری کی بات ہے۔

(۱۶) اپنے اعمال کی پوری ذمہ داری

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ کوئی بوجھ اٹھانیوالا (انسان) دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائیگا

(۱۷) بُرائی کی اشاعت کی بُرائی ہے

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (نساء) بُرائی کا اعلان کرنا اللہ کو پسند نہیں۔ ہاں

مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۱۸) حلم و تواضع کی تعلیم

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (فرقان) رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر خاکساری سے چلتے ہیں۔ اور جاہلوں کے ساتھ بات چیت کے وقت وہ جاہلوں کو سلام کہتے ہیں۔

(۱۹) ناپسندیدہ عادتیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان) مکّار اور جھوٹے فخر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا

(۲۰) چغلی سے نفرت دلانے والی مثال۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا (حجرات) تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی چغلی نہ کرے۔ کیا تم مردہ بھائی کی لاش کا گوشت کھانا پسند کر سکتے ہو۔ (چغلی کی یہی مثال ہے)

(۲۱) نفع رسانی کی ضرورت اور فضیلت

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران) تم اصل نیکی کو اسوقت تک حاصل نہیں کر سکتے۔ جبتک اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے۔

(۲۲) اخوت عامہ کی تعلیم

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات) سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں یہی سچی بات ہے۔

(۲۳) عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ) دستور کے مطابق جیسے حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں۔ ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔

(۲۴) زن و شوہر کا اتحاد

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ) عورتیں مردوں کے لئے لباس ہیں۔ اور مرد عورتوں کے لئے لباس ہیں۔

(۲۵) عورت کو جدا نہ کرنے کی نصیحت

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (احزاب) اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے۔ اور اللہ سے ڈرا کر۔

(۲۶) شکر کا حکم اور فائدہ۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراھیم) اگر تم شکر کروگے تو میں تمکو بڑھاتا رہونگا۔

(۲۷) امتحان الٰہی کی چیزیں

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تغابن) مال و دولت اور اولاد میں بندوں کا امتحان ہے

(۲۸) کسر نفسی کی تعلیم

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف) میں نفس کو بری نہیں ٹھراتا نفس تو برائی کیطرف بہت اکسایا کرتا ہے۔

(۲۹) جنگ سے بچنے کی تدبیر

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال) تم دشمنوں کیلئے اپنی پوری قوت سے تیار رہو۔ اور سرحدات پر پوری فوجی تیاری رکھو۔ اس تدبیر سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو روکے رکھو گے۔

(۳۰) جملہ محامد عالیہ کا مالک ہمارا پروردگار ہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (فاتحہ) اللہ جو تمام تر مخلوقات کا پالنے والا ہے۔ وہی سب خوبیوں کا مالک ہے۔

(۳۱) دین الٰہی کی تعریف

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ وہ سرشت الٰہی جس پر سب انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں۔ یہی تو محکم و استوار دین ہے۔

(۳۲) دین صحیحہ کا مقصد کیا ہے اور کیا نہیں۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تمپر کوئی دشواری ڈالے۔ اُسکا تو ارادہ یہ ہے کہ تمکو پاک مطہر بنائے۔ اور اپنی نعمت تمپر تمام کرے۔ کہ تم شکر گذار ہو۔

(۳۳) رب العزت کا تعلق اہل ایمان کے ساتھ رحمت و محبت کا ہے۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام ۶۲) تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ رکھا ہے (جمع کر رکھا ہے)

ب وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ۔ (بروج) وہ تو بہت بخشنے والا۔ اور بہت محبت کرنے والا ہے

ج۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (بقرہ) اللہ تو ایمان والوں سے محبت کرنے والا ہے۔ اور اُنکا کارساز ہے۔ اُن کو سب تاریکیوں سے نکالتا اور نور میں لاتا ہے

(۳۴) انسان واحد کی جان کی قیمت

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ) اگر کسی نے ایک انسان کو بھی مارا (قصاص یا بلوہ کی سزا کو مستثنٰے سمجھو) تو گویا اُس نے تمام نوع انسانی کو قتل کر ڈالا۔ اور جس کسی نے ایک انسان کو بھی ہلاکت سے بچالیا گویا اُس نے تمام انسانوں کی زندگی کو بچالیا۔

(۳۵) امن سکنی عامہ کی ممانعت

فَاذْكُرُوْا اٰلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (اعراف ع) اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور ملک میں فساد پھیلانے سے باز آجاؤ۔

(۳۶) اصول مصارف

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان ع) رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تب اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان حالتوں کی درمیانی حالت پر چلا کرتے ہیں۔

(۳۷) مال و منال دنیا سے آرام و آسائش بھی اُٹھاؤ۔ اور آخرت بھی کماؤ۔

وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (القصص ع) جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے۔ اُس میں آخرت کا گھر طلب کر

اور اپنا دنیوی حصہ بھی مت بھول جا۔ اور بھلائی کیا کر جیسا کہ اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے

(۳۸) امداد غربا و مساکین

فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الروم) قرابت والے۔ اور مسکین۔ اور مسافر کا حق ادا کیا کر۔ یہ باتیں ان لوگوں کیلئے بہتر ہیں۔ جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے۔

(۳۹) سوگند کھانے والا انسان بے اعتماد بن جاتا ہے

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ۔ جو کوئی شخص بہت سوگندیں کھاتا۔ اور ذلیل بنتا ہے۔ اُسکا اعتبار نہ کرو۔

(۴۰) خدا سے دعا مانگا کرو۔

وَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ اللہ ہی سے دعا مانگا کرو۔ خالص اُسی کے ہوکر اور اُسی کے فرمانبردار بنکر رہو۔

(۴۱) حمد خالق و مدح مخلوق

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ۔ حمد کا مالک اللہ ہے۔ اور اللہ کے بندوں کیلئے سلام (سورۂ نمل) ہے۔

اس مختصر سے جملہ پر اور تقسیم مدارج پر جتنا زیادہ غور کیا جائیگا۔ اُسیقدر زیادہ حقائق معلوم ہونگے۔ اسی میں توحید ہے۔ اسی میں رد شرک۔ اسی میں برگزیدہ بندگان الٰہ کے مدارج علیا کا بیان۔

(۴۲) نظم عالم۔ اور تناسب اجزاء عالم کا بیان

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ (تبارک) تو رحمٰن کی پیدا کردہ اشیاء میں کچھ فرق نہ دیکھیگا۔ کیا تجھے کوئی نقص بھی نظر آیا۔

(۴۳) قرآن مجید۔ اور بیت العنکبوت کی مثال۔

إِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (عنکبوت) سب گھروں

ہیں کمزور عنکبوت کا گھر ہوتا ہے۔ اگر لوگوں کو علم ہو۔

علم کو بیت العنکبوت سے متعلق فرمایا۔ اس لئے عنکبوت کے گھر میں اہل علم کیلئے بڑے بڑے عجائب ہیں جرمن پروفیسر ونکا قول ہے کہ مکڑی کے جالے کا ہر ایک تار چار تاروں سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور ان چار تاروں میں کا ہر ایک تار ایک ہزار تار سے بٹا ہوا ہوتا ہے یعنی ایک ایک تار میں چار ہزار تاگے ہوتے ہیں۔ اہل علم غور کریں کہ اس اوہن البیوت بنانے والی مکڑی کو اللہ تعالے نے کسقدر فہم وفراست اور باریک نسج وخیاطت کی صنعت عطا فرمائی ہے۔

(۴۴) قرآنمجید اور نحل کی مثال۔

وَاَوْحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ۔ تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی۔

شہد کے چھتے کے اندر نظام قومی کا مستحکم آئین۔ فوج اور اہل صنعت کی جداگانہ تقسیم جداگانہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ محلے۔ بچہ دینے والی رانی کی حکومت۔ بچوں کی پرورش اور تربیت کی خدمات کو سرانجام دینے والا عملہ۔ شہد کے ذخیرے۔ ذخیروں کی حفاظت کے طریقے۔ شہد بنانے کے لئے ہزارہا اقسام کے پھولوں میں سے چاشنی کا نکال کر لانا چھتے کے سب گھروں کا مسدس۔ اور یکساں رقبہ ہونا۔ یہ جملہ امور اس نتیجے کے مؤید ہیں کہ جب وحی ربانی کسی ذی روح کی تکمیل کیجانب متوجہ ہوتی ہے۔ تو اُسے کیا کچھ بنا دیتی ہے اور جب قرآن جیسی وحی انسان جیسے ذی عقل وفہم۔ اور ذی نطق وتدبر کے ارتقاء مدنی وروحی کیطرف التفات فرما ہے۔ تو اسے کن کن منازل تک بلند فرماد ے گی۔

(۴۵) قرآنمجید اور نمل کی تمثیل۔

قَالَتْ نَمْلَۃٌ یّٰاَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ (نمل) چیونٹیوں کی رانی نے کہا۔ اے چیونٹیو تم اپنی آرامگاہوں میں داخل ہوجاؤ۔ کہیں تمکو سلیمان اور اُسکے لشکر ریزہ ریزہ نہ کردیں۔ اور اُن کو اسکی خبر بھی نہ ہو۔

اللہ اللہ چیونٹیونکے پاس ایسے مسکن موجود ہیں۔ کہ جب وہ اُن میں داخل ہو جائیں۔ تو

حضرت سلیمان کا لشکر بھی اُن کو نہ بگاڑ سکے۔

یہ آیت ہر ایک ضعیف قوم کو قوی تر قوم کے سامنے زندہ رہنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے وسائل کی تعلیم دیتی ہے۔ جن میں سے پہلا سبق وہ اتحاد و اتفاق ہے کہ اپنے سردار کی رائے پر جملہ افراد قائم و عامل ہوں۔

دوسرا سبق۔ ذاتی حفاظت کا سامان ہر وقت مکمل رکھنا ہے۔

اور تیسرا سبق۔ کسی بالاتر طاقت کے ساتھ مقابلہ آرائی کا نہ کرنا ہے۔

چوتھا سبق۔ نقصان رسیدہ ہو جانے کی حالت میں بھی اُس شخص کو الزام نہ دینا ہے جسکی نیت اور علم میں نقصان رسانی شامل نہ تھی۔

پانچواں سبق۔ جب مسلمانوں کی اجتماعی حالت چیونٹیوں کی سی ہو جائے تو اُن کو قرآن پاک کی حفاظت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔

چھٹا سبق۔ آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا امیر قوم کا فرض ہے۔

ساتواں سبق۔ چیونٹی کی مانند ضعیف ترین جنس بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ اگر وہ بقائے حیات کا عزم رکھتی ہے اس لئے کسی قوم کا ضعف اسکے فنا کی دلیل نہیں۔

(۷۶) قرآنمجید اور ارض و سما کی اشیاء پر نظر اعتبار کا حکم

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (سورہ یونس) آسمانوں اور زمین کے اندر کی سب چیزوں کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں۔

یہی آیت ہے۔ جو جملہ انکشافات کی جڑ ہے۔ قدرت کی پیدا کردہ ہر شے کو نظر اعتبار سے دیکھنا۔ اُسکے خواص اور ماہیت کا معلوم کرنا انسان کو بلند ترین ارتقاء پر پہنچانے والا ہے افسوس ہم لوگ ایسے احکام کی تعمیل سے کسقدر لاپرواہ۔ قاصر اور غافل ہیں۔

(۷۷) قرآنمجید اور فوائد بحر

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل)

اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے فوائد کیلئے مسخر کر دیا ہے۔ وہ فوائد یہ ہیں۔

(۱) تازہ بتازہ گوشت۔ سمندر کی تجارت ماہی گیری کا حال اگر کوئی پڑھے تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ آج دنیا میں کروڑوں پونڈ اسی تجارت سے اقوام عالم کمارہی ہیں اور مسلمان جو آیت کریمہ کے مخاطب خاص تھے اس سے قطعاً محروم اور بے خبر ہیں۔

(۲) درّ و گوہر۔ جو انسان کی زینت اور لباس کی چیز ہے۔ اسکی تجارت بھی کروڑوں پونڈ کی ہے۔ عہد نبوی اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بحرین پر اسلامی قبضہ تھا جسے ہم لکھ بیٹھے ہیں

(۳) جہازرانی۔ دنیا پر شہنشاہی کے لئے اولین شرط ہے۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیڑہ قائم کیا۔ اور بحری جزائر۔ کریت۔ مالٹا۔ طرابلس وغیرہ فتح ہوئے۔ موسیٰ بن نصیر اور جنرل طارق نے سپین کو فتح کیا۔ خیرالدین باربروسا نے ترکی سلطنت کا اقتدار سارے یوروپ سے منوایا۔ بالآخر اس کو مسلمانوں نے ہیچ سمجھا۔ اور وہ دنیا کی شہنشاہیت سے محروم کر دیئے گئے۔

(۴) بحری تجارت جس میں بے شمار نفع ہے۔

(۵) مذکورہ بالا تموّل۔ اور افراط دولت۔ اور قوّت و حکومت کے بعد دینی فائدہ یعنی شکر نعمت الٰہی میں مصروفیت۔ اشاعت اسلام۔ دور و دراز ممالک میں تبلیغ اسی پر منحصر ہے عبدالملک اموی کے عہد میں عرب سوداگروں ہی نے اسلام کو ہندوستان کے جنوبی سواحل پر پہنچایا۔ اُنہوں نے آسام۔ برھما۔ اور مشرقی بنگال کو مسلمان بنایا جب کہ شمال مغربی سرحد سے کوئی حملہ آور (محمود وغیرہ) ہندوستان سے بالکل لاپرواہ تھے۔

فصل دوم

معانیٔ عالیہ و مضامین نادرہ

مضامین میں ہمیشہ دو اعتبار ملحوظ ہوتے ہیں۔

الف۔ وسعت۔

وسعت کی بابت قرآن مجید کا خود دعویٰ ہے لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ اسی دعویٰ کے اعتماد پر ایک ذی علم مسلمان کل دنیا کو مخاطب بنا کر یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق۔ تہذیب نفس تزکیہ روح۔ صفائی قلب۔ اور حصول نجات سے ہو۔ خواہ اسکی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو۔ یا قدیم و جدید انکشافات و تجربہ پر ہو۔ خواہ وہ اشراقیین کی الٰہیات سے لیا گیا ہو۔ یا الٰہیین کے شوارقات سے کوئی شخص ہمارے روبرو پیش کرے۔

انشاءاللہ اسی مسئلہ کو وضوح تام اور صحت کامل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان شدہ دکھلا دیا جائیگا۔ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۲۵/۳۴ یاد رکھو کہ کوئی علمی صداقت قرآن مجید پر مبادرت نہیں کر سکتی۔

ب۔ علوگی۔

دنیا میں ہستی باریتعالیٰ کا یقین رکھنے والی جسقدر اقوام ہیں۔ وہ علمی طور پر مسئلہ توحید کی ضرور قائل ہیں۔

ایک بت پرست و تثلیث پرست کو بھی اس امر میں ساعی دیکھا جائیگا کہ کثرت میں وحدت کو ثابت کرے۔

اب دیکھو کہ یہ مسئلہ (جسکی خوبی پر تمام عالم متفق ہے۔ اور جسکو اپنی اپنی کتابوں کے اندر ثابت کرنے کی ہر مذہب سعی کر رہا ہے) قرآن مجید سے بڑھ کر اور کسی جگہ نہ ملیگا۔

دیگر بیانات کو بیان قرآن کے سامنے وہی نسبت ہوگی جو مٹی میں ملے ہوئے پانی کو آب زلال

کے ساتھ ہوتی ہے۔

اگر کسی کے دل میں اس واقعہ صحیحہ کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ اپنی کتاب کو پیش کرے۔ جہاں سے ہم چاہیں۔ اسکی کتاب کو۔ اور جہاں سے وہ چاہے قرآنمجید کو کھول لے اس مقام سے آگے ایک ایک جزو کا ترجمہ کیا جائے۔ اور وہ ترجمے تیسرے مذہب والے کے پاس بھیجدیئے جائیں۔ فیصلہ طلب امر یہ ہوگا کہ توحید کا کامل تر اور واضح تر بیان کس کتاب میں ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لَا یَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (قرآن جیسا کلام نہیں بنا سکتے) کے مفہوم میں اگرچہ اسکی طرز بدیع۔ اور الفاظ عالی۔ اور بے مثل ترتیب۔ اور لاثانی اسلوب اور فصاحت و بلاغت کی وہ معجز اور اجتماعی شان بھی شامل و داخل ہے۔ جو اسکی عبارت میں نمایاں و درخشاں ہے لیکن ان سے بھی بڑھ کر قرآن پاک کے وہ معانی پاک ہیں جو ان گراں ارز الفاظ کی تہہ میں ایسے ہی موجود ہیں جیسے حقۂ زرین میں لولوی شاہوار ہوتے ہیں۔

قرآن کریم جن مضامین عالیہ پر مشتمل ہے۔ اور جو اسکی خصوصیت خاصہ ہیں یہ وہ بصائر ہیں جو دیدۂ کوتاہ بین کے حجاب اٹھا دیتی۔ اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ أَفَلَا يَنْظُرُوْنَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ۔ قرآن کریم یہاں اونٹ آسمان۔ پہاڑ۔ زمین کے نام لیتا ہے۔ کیا یہ وہی چیزیں نہیں جنکو ہر ایک بادیہ نشین بدوی ہر وقت دیکھا کرتا تھا۔ جو ہر ایک اعرابی کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کی نظر خلقت و رفعت اور نصبت و سطحت کی کیفیت دریافت کرنے کی جانب کبھی نہیں اٹھتی تھی۔ قرآنمجید نے آنکھیں کھول دیں۔ تو اب ان معانی کی کیفیت بھی معلوم ہونے لگی۔ اور ہر ایک چیز سے خلاق مطلق کی قدرت خالقیت اور رفیع الدرجات ذوالعرش کی فوقیت سکون و حرکت کی آفرینش میں عزیز الحکیم کا غلبہ اور حکمت بلینت و صلابت اجسام میں گوناگوں فوائد کی فراوانی و کثرت بھی نظر آنے لگی۔

عرب کے غمکدہ بھیانک صحرا و وادی جن کو آنکھ بھر کر دیکھنا ناگوار تھا۔ اب صحیفۂ فطرت کے طالبان علم کیلئے ورق دانش بن گئے۔

ہاں قرآن پاک اپنے مضامین کے لحاظ سے علم ہے (وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ) وہ شنوائی وبینائی اور دانش کیلئے گنجینۂ خرد ہے۔ وہ قوائے مدرکہ۔ اور حواس جارحہ کا رہبر ہے
وہ حیات قلب ہے۔ اور نور روح۔ وہ راحت عاشقین ہے۔ اور ہدایت طالبین۔
اقبال ودولت تمکنت فی الارض اور حکومت اُسکی خدام ہیں۔ آرام دل اور اُنس جان قرۃ العین اور ضیاء بصیرت اُسکی توابع ہیں۔
علم وحقیقت اور ہدایت وصداقت اسکے علم بردار ہیں۔ قرب وانشراح۔ رفاہ وصلاح اُسکے حاشیہ بوس ہیں۔ نجات اُخروی۔ فوز روحی۔ رضوان الٰہی وہ خلعت ہائے شرف ہیں جو اسی بارگاہ علیا سے عطا ہوتی ہیں
کاش آنکھوں والے آنکھیں کھولیں۔ اور سُننے والے اسکی آواز پر کان لگائیں۔ صاحب دل دلوں کے غلاف اُتار اُتار کر اور بصیرت سے قفل کھول کھولکر کام لیں۔ کہ حُسن قرآن کی عالم افروزی وملکوت نوازی اُن پر روشن ومبرھن ہو جائے۔

فصل سوم

تاثیر قرآن

عمر جیسا شخص جسے آج بھی یوروپ جنرل عمر کے نام سے یاد کرتا ہے. گھر سے مسلح ہوکر نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دے لیکن قرآن کی چند آیات سنکر شمشیر اُسکے ہاتھ سے گر پڑتی ہے۔ اور اپنی ہمشیرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ذلیل و منکسر ہوکر سرور کائنات کے حضور میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اور فاروق کے خطاب سے عزت پاتا ہے رضی اللہ عنہ۔

اسعد بن ازارہ مدینہ کا مشہور سردار گھر سے مسلح ہوکر نکلتا ہے۔ کہ اسلام کے مبلغ اول مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو آبادی شہر سے باہر نکال دے۔ وہ چند آیات سن پاتا ہے اور مصعب کے ہاتھ پر بیعت اسلام کرکے اُٹھتا ہے۔

ثمامہ بن اثال کے نزدیک آنحضرت صلعم سے بڑھکر کوئی شخص۔ اور مدینۃ النبی سے بڑھ کر کوئی جگہ قابل نفرت نہ تھی۔ اُسے صرف دو یوم تک قرآن پاک کے استماع کا موقع ملتا ہے۔ رُشد و ہدایت کی آواز کان سے ہوکر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ جب اُسے بلا شرط آزادی مل جاتی ہے تو خود بخود حاضر ہوتا ہے۔ اسلام لاتا اور دل و جان کو محقر ہدیہ کیطرح حضور میں پیش کر دیتا ہے۔

خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ قرآن مبین سن پاتا ہے تو ششدر رہجاتا ہے اور جب اس حالت وارفتگی سے سنبھالا لیتا ہے تو بول اُٹھتا ہے۔

وَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً	بخدا اس میں عجیب شیرینی ہے۔
وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَۃً	اس میں عجیب تروتازگی ہے۔
وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدِقٌ	اسکی جڑیں سیراب ہیں۔
وَاِنَّ اَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ	اور اسکی شاخیں پھل سے لدی ہوئی ہیں۔
وَمَا یَقُوْلُ ھٰذَا بَشَرٌ	بشر تو ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔

ولید بن مغیرہ قریش میں بڑا خرانٹ تھا۔ اُسے اسلام سے سخت عداوت تھی۔ قرآن مجید کے متعلق اُسکی رائے یہ ہے کہ اس کلام میں عجیب رس ہے۔ یہ تو نور میں حلاوت ہے۔

ذو البجادین رضی اللہ عنہ چرواہا تھا۔ آتے جاتے مسلمان مسافروں سے آیات قرآنی یاد کر لیا کرتا۔ آخر گھر بار۔ خویش و تبار۔ مال و مویشی عمّ و مادر کو چھوڑ کر حضور میں حاضر ہو گیا رضی اللہ عنہ

قرآن مجید کا اثر معلوم کرنا ہو تو اُن لوگوں کے واقعات پر زیادہ نگاہ ڈالو۔ جو قرآن پاک کو سمجھ سکتے تھے۔

جو لوگ ایک پیسہ پر قتل عمد کو معمولی کھیل سمجھتے تھے۔ وہی دین حقہ کی محبت میں گھر بار سے قطع تعلق کرنے لگے تھے۔

جو لوگ تا العمر ۳۶۰ بتوں کے پجاری رہے تھے۔ وہ خود توحید کے واعظ بن گئے تھے۔

جن کا کام لاوارث بچوں کا مال اُڑانا۔ رانڈوں کو دکھ دینا تھا۔ وہی اعانت یتامیٰ اور ہمدردی ایامیٰ کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔

وہ خود سر قبائل جنہوں نے کبھی کسی قانون یا شخص کی اطاعت نہ کی تھی۔

وہ اب ایسے مطیع و منقاد اور پابند شرع الٰہیہ ہو گئے تھے۔ کہ مقدمات قتل کا قصاص مقدمات زنا میں رجم۔ مقدمات سرقہ میں قطع ید۔ مقدمات خمر میں اجرائے حد شرعیہ کیلئے خود اپنے آپ کو پیش کیا کرتے تھے۔ کیا ایسے نظائر کسی متمدن ملک میں موجود ہیں۔ اور کسی جگہ کے مجرم قانون کا اتنا احترام کرنے والے دیکھے گئے ہیں۔

قرائت و تلاوت کلام اللہ کا یہ اثر ہوا تھا۔ کہ زبان آوروں کی گرمی بازار ٹھنڈی ہو گئی تھی الفاظ کا منڈا بگڑ گیا تھا۔ اور یہ عالم ہو گیا۔ کہ اگر نشاط طبع منظور ہے تو اس نور مبین کا ورد ہے اور اگر حصول برکت و یُمن مقصود ہے۔ تب کتاب عزیز کا سماع ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اثر انسان کے دل و زبان۔ طبع و دماغ اور جملہ حواس و قویٰ پر نہایت مستحکم ہے اور جو اثر اُسکا ایک شخص پر ہے۔ وہی تمام ملک پر بھی ہے۔

فصل چہارم

نمونہ تعلیم

قرآنمجید کی تعلیم وتاثیر کا نمونہ جو شخص انسانی ہستیوں پر دیکھنا چاہے۔ وہ صحابہ وتابعین۔ اور ائمہ دین کے حالات پر غور کرے۔

ان کے صبر بر مصائب تحمل بر نوائب اور ادائے شکر واحسان کے واقعات کو معلوم کرے

کافہ اہل اسلام کی تواضع خشیت من اللہ۔ ہمدردی عامہ۔ اخوت۔ نفع رسانی خلائق پاکیزگی والاہمتی مہمان نوازی کو دیکھے۔

مسلمانوں کے اصول منزل۔ اصول تمدن۔ اصول حکومت کا مطالعہ کرے۔ یہ سب نمونے قرآنمجید کے تیار کردہ ہیں۔

آیزک ٹیلر نے جو کیپٹن کا درجہ رکھتا تھا اپنی ۱۲ مئی ۱۸۸۷ء والی تقریر میں جو وہ لور ہیمپٹن میں چرچ کانگرس کے سامنے دی تھی صاف طور پر کہا تھا۔

کہ افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا۔ وہاں سے زنا۔ قمار بازی۔ دختر کشی ہندکشی قتل وغارتگری۔ وہم پرستی۔ شراب خوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ کیلئے جاتی رہیں۔

مگر جب اسی ملک کے دوسرے حصہ پر کسی غیر اسلام مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو رزائل بالائیں اور زیادہ راسخ کر دیا لہ

قرآن مجید اپنے نمونہ کی بابت خود فرماتا ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اے ایمان والو تم بہترین گروہ ہو جو انسانوں کی نفع رسانی کیلئے بنائے گئے ہو۔

صہیب رضی اللہ عنہ کا حال پڑھو۔ جو آ رہے تھے قریش نے انہیں ہجرت مدینہ سے روک دیا وہ اپنا تمام اندوختہ ان ظالموں کو دیکر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں تبلاؤ کہ یہ ایثار انکو کس نے سکھلایا۔

لہ [illegible] ۱۸۸۷ء

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سنت پر غور کرو۔ یہ شوہر سے جدا کی گئیں۔ اور گود کا بچہ ان سے چھین لیا گیا مگر وہ بچہ و تنہا خدا کی راہ میں تین سو میل کا لمبا سفر اختیار کرتے ہوئے ذرا نہ ہچکچائیں۔ اور رسول اللہ کے شہر کیطرف اکیلی چل دیں۔ یہ جرأت یہ قربانی یہ جذبہ اُن میں کہاں سے پیدا ہوا۔ خطاب کا بیٹا عمر فاروق جو باپ کے اونٹ چرایا کرتا۔ اور پھر بھی باپ کی سخت و درشت خوئی سے سہما رہتا تھا۔ اپنی خلافت کے ایام میں بائیس لاکھ مربع میل پر حکومت کرتا تھا۔ اُسکی معدلت گستری اور عدل پروری اور رعایا نوازی اور دینداری کا درجہ ہمیشہ ہر ایک کے لئے موجب غبطہ رہا۔

غور کرو۔ کہ حکمرانی کی یہ قابلیت اور کشور کشائی کی یہ اہلیت کہ دنیا کے تین بڑے براعظم اُسکے زیر نگیں تھے۔ اسی قرآن پاک کی تعلیم پر عمل کا نتیجہ تھی۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ میں اپنے سے پچاس گنی فوج کو جو سلطنت روما کی قواعد دان اور آئینی فوج تھی۔ اپنے رضا کاروں کی معیت و معاونت سے شکست دے دی تھی۔ سوچو۔ کہ ان لوگوں میں یہ عزیمت یہ ہمت یہ استقلال۔ یہ ثبات۔ یہ پامردی۔ یہ شجاعت۔ یہ قربانی یہ جانبازی کیونکر پیدا ہو گئی تھی۔ اگر فکر صحیح تلاش صادق سے تجسس کیا جائے۔ تو ان سب ترقیات کا سبب اولی قرآن کریم ہی نکلے گا۔ جو رسول کریم کی طفیل ان شیدائیان ایمان کو حاصل ہوا تھا۔

۵

قبولیت قرآن

قبولیت میں تداول بین الناس اور کثرت اشاعت بھی شامل ہے۔

ذرا غور کرو۔ کہ اسوقت روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب نہیں۔ جسے دن میں پانچ مرتبہ چالیس کروڑ بنی آدم پڑھ لیتے اور سن لیتے ہوں۔

یہ درست ہے کہ یورپ کے تموّل نے مطبوعہ انجیلوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھا دی ہے لیکن صرف اسی امر کو تداول و اشاعت نہیں کہا جا سکتا۔

کیا پنساریوں اور عطاروں کی دوکان پر ان کتابوں کو نہیں دیکھا گیا۔

تداول کے معنے ہیں کہ جس مقصد کیلئے تیار کیگئی ہو۔ اُسی میں اس کا استعمال بھی ہوا ہو۔ اور یہ صفت قرآن مجید ہی پر صادق آتی ہے۔

قبولیت کے معنی ہیں وہ عظمت و احترام بھی شامل ہے۔ جو کتاب کی نسبت دلوں میں مستحکم ہو گیا۔ اَصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ ابھی عیسائی تھا۔ کہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اُسے سورہ مریم سنائی اَصحمہ اُسوقت دربار میں بالائے تخت جلوس فرما تھا۔ لیکن وہ بے اختیار رو رہا تھا اور آنسو بہا بہا کر اپنے گلزارِ جنت کی آبیاری کر رہا تھا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ایام میں ایک دفعہ مسجد کو آتے آتے بیمار ہو گئے اور ایسے نڈھال ہو گئے کہ راہ ہی میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اور پھر گھر پہنچائے گئے لوگ عیادت کرنے آتے تھے۔ دریافت سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ آیت عذاب سُنکر حالت اتنی متغیر ہو گئی۔

لبید عامری وہ زبردست شاعر تھا جس کے اشعار کی نسبت یہ ضرب المثل جاری و ساری تھی اُکْتُبُوْهَا عَلَى الْحَنَاجِرِ وَلَوْ بِالْخَنَاجِرِ۔ ان شعروں کو اپنی اپنی گردنوں پر لکھ لو۔ خواہ خنجروں کی نوک ہی سے لکھنا پڑے۔

عمر فاروق سے وہ ایک بار ملنے کو آئے تو خلیفہ نے مہمان کی دلجوئی کے طور پر فرمایا۔ کچھ اپنے اشعار سناؤ اُنہوں نے کہا۔ امیر المومنین جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن عطا فرمایا ہے تب سے مجھے اشعار میں کچھ مزا نہیں آتا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر اُنکے وظیفہ میں پانسو روپیہ سالانہ کی بیشی کر دی۔

ابوطلحہ انصاری نے قرآن مجید کی یہ آیت سُنی لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ نیکی کا اصل درجہ نہیں مل سکتا جب تک کہ اللہ کی راہ میں وہ شے صرف نہ کر دو۔ جو تمہیں بہت پیاری ہے اُنکے پاس ایک باغ تھا۔ پچاس ہزار سالانہ کی آمدنی کا۔ اُسیوقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کر دیا کہ یہ باغ اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔

ایسے نظائر جمع کرنے سے صدہا لکھے جا سکتے ہیں۔

بڑے بڑے بادشاہوں محمود۔ صلاح الدین یوسف۔ اور عبدالرحمن الداخل۔ اور منصور عباسی جیسے باجبروت تاجوروں کو ان کی خشمگین حالت۔ یا انتقامی صورت سے اگر کوئی چیز روکنے والی ہوتی تھی۔ تو قرآن کی ایک آیت جسے اہل دربار میں سے کوئی ایک شخص کسی گوشہ سے پڑھ دیتا تھا۔ اور بادشاہ کی حالت یہ ہو جاتی تھی۔ گویا آگ کی چنگاری پر منوں پانی آپڑا۔ یہی وہ واقعات ہیں جو قبولیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی وہ واقعات ہیں جو ظاہر کرتے ہیں۔ کہ کتاب مجید کی عظمت اور فرقان حمید کی عزت دلوں پر کیسی فرماں روا رہی ہے۔

خصوصیات قرآن حمید

ایسی خصوصیات جو اس امام مبین کو صحف سابقہ سے متمیز و بالاتر ثابت کرتی ہیں بہت ہیں اس جگہ انمیں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) تعلیم قرآن پاک کا کل عالم کے لئے وسیع اور عام ہونا۔

یہ ایسی خصوصیت ہے۔ جو قرآن مجید ہی کو بالخصوص حاصل ہے۔

جو کوئی شخص توراۃ میں سینکڑوں مقامات پر الفاظ "بنی اسرائیل کا خدا" پڑھے گا اور قرآن مجید میں الفاظ "رب العالمین" دیکھے گا۔ اسے توراۃ کے مقابلہ میں قرآن پاک کی فضیلت بخوبی آشکارا ہو جائے گی۔

اپنی اس خصوصیت کو قرآن پاک خود ظاہر فرماتا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا۔ (یٰس)	یہ کتاب تو ذکر ہے اور قرآن مبین ہے تاکہ ہر ایک اس شخص کو جو زندہ ہے اسکے بُرے انجام سے باخبر کر دے۔

عربی میں مَنْ ذوی العقول کیلئے آتا ہے۔ اس لئے مَنْ نے ہر ایک انسانی فرد کو اپنے اندر گھیر لیا ہے اسکے ساتھ کَانَ حَیًّا کی صفت لگی ہوئی ہے۔ آیت کی قوت اور وسعت کا خود ہی اندازہ کر لو۔

ہر ایک وہ شخص جو ذوی العقول کی فہرست میں آسکتا ہے۔ ہر ایک وہ شخص جو زندہ کہلاتا ہے۔ یا کہلا سکتا ہے
قرآن مجید اُسے یاد آلہی دلاتے۔ قرب سبحانی تک پہنچاتے۔ اُسکے عواقب امور سے آگاہ کرنے کا کفیل
ہے۔ کیا ان الفاظ میں کسی اور کتاب نے بھی دعویٰ کیا ہے۔

بقول متی مسیح نے اپنی بشارت وانجیل کو روٹی اور بنی اسرائیل کو بیٹا اور دیگر اقوام کو کُتے
بتلایا۔ اور یوں فرمایا ہے مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو پھینک دیویں۔ (متی ۱۵ باب
۲۱ تا ۲۷ درس)

(۲) قرآن مبین کی تعلیم کا جامع ہونا۔

بیشتے تورات و زبور وانجیل نیز دیگر انبیاء کی کتب کو جو مجموعہ بائبل میں داخل ہیں پڑھا ہے
وید کا کچھ ترجمہ (ترجمہ یجر وسام) دیکھا ہے۔ اسکی تاریخ ترتیب و تالیف کو معلوم کیا ہے۔ کنفیوشس
مقتدائے چین۔ اور بودھا۔ بانی بودھ مت کے اصول و تعلیم کو مختلف کتابوں سے اخذ کیا ہے
زرتشت و جاماسپ کے احکام کو دیکھا ہے یہ سب اپنے اپنے رنگ میں یک فنی ہیں۔

آسانی کیلئے صرف بائبل پر نظر ڈالو۔ اور دیکھ لو۔ توراۃ میں اخبار و احکام ہیں۔ زبور مجموعہ
مناجات ہے۔ انجیل میں امثال و مواعظ ہیں۔

اب قرآن مبین کو پڑھو۔

کہ مواعظ و احکام۔ اخبار و امثال۔ انذار و بشارت کا مجموعہ ہے۔ اس میں صفات آلہیہ کا بیان
ذات باری کا ثبوت۔ حصول تقرب کا طریق۔ توحید۔ توکل و تفویض کا مذکور۔ ایام اللہ کی تفصیل
حیات و ممات انسان اور عدم و وجود عالم کا بیان۔ فطرۃ انسانی کی ساخت و شناخت۔ افعال
رحمانی کے اسرار۔ قدرۃ ربانی کے نمونے۔ سطوت قہاری کے نتیجے۔ نصرت آلہیہ کے کارنامے
ایسے اسلوب سے بیان ہوئے ہیں کہ

نفس فرومایہ کو رزائل بشریہ سے پاک و صاف اور حیات مادی کے تاثرات سے مبرا رکھنے
ملک وخالق کے سامنے خاضع وخاشع بنانے۔ نور یقین کے حصول اور تجرید علائق دنیوی اور
تشبک صفات ملکی کے لئے اس سے بہتر دیا لا ترکچھ متصور نہیں ہوسکتا۔

(۳) آسمانی کتابوں میں سے یہ خصوصیت قرآن مجید ہی کی خاص ہے کہ علوم اُخروی و علوم عقلی

کے دو دریائے ذخار پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔
معہٰذا یہ معانئے عالیہ ایسے ایسے اسلوب بدیعہ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اُس سے برابر متمتع ہوتا ہے۔

وہی ایک آیت ہے جو اسحٰق حنین جیسے یہودی فلسفی کو غرقاب حیرت بنا دیتی ہے۔ اور وہی آیت افریقہ کے حبشی کی جیب دل کو گوہر مقصود سے بھر دیتی ہے جس ایک آیت کی تفسیر کرتے کرتے رازی وغزالی نے اعتراف عجز وقصور فہم کیا ہے۔

اُسی سے تہامہ کا بدوی اپنی مشکلات کی کشائش کی راہ پا رہا ہے۔

الحق قرآن حکیم سمندر کیطرح عمیق۔ گوہر ریز۔ ونفع رساں ہے اور خس و خاشاک شبہات کو اپنی مواج لہروں سے ساحل پر پھینک دینے والا ہے۔

اُسکے باوقار الفاظ زبان کو اُسکے پُر اسرار معانی دل کو اپنا کئے بغیر نہیں رہنے دیتے۔
کیا کبھی کسی اور نثر کتاب کی بھی یہ صفت سُنی ہے۔ جو اول سے آخر تک پڑھنے والیکے ورد زبان اور نقش دل ہو۔ اور شبا روزی تلاوت پر بھی پڑھنے والیکی طبیعت سیر ہوتی ہیں اور اسرار کتاب ختم ہوتے نہیں نہ آئیں گے واللہ۔

(۴) خصوصیات قرآن قیم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جسطرح مشرق سے مغرب تک کیلئے ہدایت نامہ دین و دیانت ہے اسیطرح وہ شمال سے جنوب تک کیلئے ملکی قانون بھی ہے۔

اسکی تعلیم کسی قوم اور کسی ملک کی زبان کیلئے محدود نہیں۔

اُسکے ارشادات انسانی فطرت صحیحہ کے مخالف نہیں۔

وہ یہودیت کیطرح جنت کو نسل واحد کی جاگیر نہیں بناتا۔

وہ تقرب الی اللہ کیلئے کل دنیا کو واحد خاندان کا دست نگر نہیں ٹھہراتا۔

وہ عیسائیت کیطرح انسان کو فوق از جبلت احکام کی تعلیم نہیں دیتا۔

وہ ناقابل تعمیل احکام کا خود کو مجموعہ نہیں بناتا۔

وہ دولتمندوں کو آسمانی بادشاہت سے خارج نہیں کرتا۔

وہ پرستاران مالک کے لئے تزویج و تاہل کو قابل نفرت و مذموم نہیں بتاتا۔

اگر کسی کتاب نے روئے زمین کے شاداب تر حصوں پر بطور آئین سلطنت کبھی حکومت کامیاب کی ہو۔ اگر کسی کتاب نے جمیع بنی آدم کو رنگت اور قومیت نسل اور ملک کے امتیازات سے بالاتر رکھ کر سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنایا ہو۔ جیسا کہ اس کتاب قیّم نے کیا تو اس کا نام لینا چاہیئے۔

(۵) قرآن ذی الذکر کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر ایک پاک مذہب اور اُسکے مقدس ہادیان و داعیان مذہب اور اُنکی تعلیمات صحیحہ کی ستائش کرتا ہے۔

وہ کسی صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔

اس خصوصیت عجیبہ میں کیسی سلامت روی' امن پسندی' معدلت گستری۔ و صداقت پروری آشکار ہے۔

قرآن تو اپنا نام مُصَدِّقٌ لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ رکھتا ہے۔ اور راست بازوں کی تصدیق کرنا ہی اپنا مقصد اوّلین بتلاتا ہے۔

(۶) خصائص قرآنیہ میں سے ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ قَوْلٌ فَصْلٌ ہے اور اُن تمام پیچیدہ مسائل میں جنکو ادراک انسانی حل نہ کر سکتے تھے یا جنکو کتب سماویہ نے ملتوی چھوڑ دیا تھا۔ اپنا قطعی فیصلہ سناتا ہے۔

ایسے مسائل بہت ہیں مثلاً

مسئلہ عرفان صمدانی۔ مسئلہ صفات ربانی۔ — مسئلہ وجود و شہود

مسئلہ بقائے روح۔ و ارتقائے روح۔ — ماہیت نجات۔ کیفیت رضوان۔

امتیاز خالق و مخلوق۔ — رزق رازق و مرزوق۔

مسئلہ شفاعت و اعمال۔ — مسئلہ سزا و جزا۔

مدارج صبر و شکر۔ — منازل توکل و تفویض۔

ماہیت عبادت و استعانت۔ — روحانیت انس و محبت۔

حقیقت نصرت آلہیہ و معیت ربانیہ — مسئلہ گناہ و حقیقت توبہ۔

مراتب دعا و قبولیت — رہبانیت و تاہل۔

طلاق و وراثت ۔ حقوق والدین ۔ حقوق زوجین ۔
حقوق اولاد ۔ حقوق جار ۔ حقوق جسم ۔ حقوق انسانیت
حقوق عمران ۔ فرائض ۔ محارم ۔ شفعہ
حقوق قوم ۔ حکومت شخصی و جمہوری ۔ شورٰی و امارت ۔
ماہیت فساد و فیوض امن ۔ تمکنت ارضی اور تمکن دینی ۔
حدود و عدل ۔ اور وسعت رحم ۔ راعی و رعیت
آئین و استبداد ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

قرآن پاک نے ان مسائل میں یا ان کے اشباہ و امائل میں جو فیصلے دیئے ہیں اُن کا لطف اُسوقت آتا ہے اور اُن کی اعلیٰ شان اُسوقت نظر آتی ہے جب فیصلے سے پیشتر متخاصمین کے بیانات کو بھی سُن لیا جائے ۔

اللہ اکبر کیسی کیسی افراط میں نکلی ہوئی ۔ اور کیسی کیسی تفریط پر گری ہوئی حالتوں کو جادۂ اعتدال پر لایا گیا ہے ۔ اور کیسی کیسی سنگلاخ وادیوں اور کج و پُر پیچ گھاٹیوں میں سے صراط مستقیم کی شاہراہ تیار کر دی ہے ۔

بیشک یہ اُسی قادر مطلق اور حکیم برحق کا کام ہے جس کا علم ماضی و حال و استقبال پر حاوی ہے اور جسکو انسان کی فطرت کا علم کامل اور تربیت پر کُلی اقتدار حاصل ہے ۔

(۷) اس کتاب کا دیبٹ فینیہ کی ممتاز خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اُس کا پیش کرنے والا شخص واحد ہے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔

وید کو دیکھو ۔ اُسکی ہر ایک شرتی کے ساتھ بہت نام ضرور لکھے ہوتے ہیں ۔ آریوں کی حالیہ تحقیقات یہ ہے کہ ان میں سے ایک مذکر نام اُس رشی کا ہوتا ہے ۔ جسے یہ شرتی آکاس سے ملی ۔ اسلامی الفاظ میں یہ مطلب ہوا ۔ کہ یہ وہ شخص ہوتا ہے جسپر کلام اُترا ۔

اگر ان ناموں کا شمار کیا جائے تو اُن کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ جاتی ہے ۔ اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وید کو پیش کرنے والے سینکڑوں رشی ہیں جن میں بلحاظ زمانہ بھی صدہا سال کا تفاوت ہے ۔

بائبل کو دیکھو کہ یہ موسیٰ علیہ السلام۔ یشوع مصنف قاضیون۔ سموایل مصنف سلاطین مصنف تواریخ عزرا۔ نحمیاہ مصنف کتاب روت مصنف کتاب آستر۔ ایوب۔ داؤد صاحب زبور سلیمان صاحب امثال وغزل الغزلات۔ واعظ۔ یسعیاہ۔ یرمیاہ۔ حزقی ایل۔ دانی ایل۔ ہوسیع یوایل۔ عاموس۔ عبدیاہ۔ یونہ۔ میکہ۔ نحوم۔ حبقوق۔ صفنیاہ۔ حجی۔ زکریاہ۔ ملاکی کے الہامات یا تصنیفات کا مجموعہ ہے۔

علیٰ ہذا انجیلوں کو دیکھو کہ متی۔ مرقس۔ لوقا معہ اعمال۔ یوحنا۔ پولوس۔ یعقوب۔ پطرس۔ یوحنا شاگردان مسیح کے علمی کارنامے ہیں۔

مگر قرآن مجید کا مبلغ اول اور معلم نخستین صرف ایک ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس صحیفہ کا خود اُسی کے ذریعہ آغاز۔ اور اُسی کے ذریعہ سے اختتام ہوجاتا ہے۔ اور با ایں ہمہ یہ مصحف مقدس اپنے مضامین میں مکمل اپنی تبلیغ میں کامل۔ دعوت الی اللہ میں یگانہ۔ رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے۔ اور اپنے موضوع و مفہوم کے اتمام میں دوسری کتاب کا احتیاج مند نہیں حالانکہ رگ وید یجروید کا۔ اور یجر وید سام وید کا۔ اور اتھروَن وید ان تینوں کا محتاج ہے۔ نئے عہدنامہ کی تکمیل پرانے عہدنامہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ اور کتاب الاعمال کے بغیر اناجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہجاتے ہیں۔ حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ خود اناجیل۔ اس سے قرآن پاک کی برتری و فوقیت اور جامعیت وکاملیت کا اندازہ فہم میں آسکتا ہے۔ اگرچہ صحیح اندازہ کے لئے ضروری ہے کہ مضامین پر عبور تام بھی ہو۔

(۲) خصوصیات قرآن مبارک میں سے یہ بھی ہے کہ اُسکا اسلوب کلام نہایت شستہ و مہذب ہے۔ وہ کبھی کوئی فحش لفظ یا حیا سوز فقرہ کا استعمال ہی نہیں کرتا۔

کتاب حزقی ایل کو پڑھو جس میں خدا نے بندوں کو اپنی دو جوروں اهولا۔ اور اهولیبا کا قصہ سنایا ہے۔ اُمید ہے کہ عیسائی فاضل بھی اس قصہ کو ایک تمثیلی بیان ہی خیال کرتے ہونگے مگر غور کرو۔ کہ یہ تمثیلی بیان کیا کسی مرد کو اسکی عورت کیطرف سے حسن ظن باقی رہنے دیتا ہے کیا انسانی کنبہ اس نورانی جوڑہ سے بڑھ کر کسی اور نمونہ کی تمنا کرسکتا ہے۔

ہاں ذرا لفظوں کو دیکھو کتنے گرے ہوئے ہیں۔

غزل الغزلات میں ایک نوجوان چھوکری اپنے محبوب پر۔ اور کوئی نوجوان لڑکا اپنی محبوبہ پر اظہار محبت کرتا ہے۔

(ب) عیسائیوں نے اچھا کیا کہ محبوبہ یروشلم کو بتلا دیا۔ اور محبوب مسیح کو اگرچہ اسکے کسی لفظ میں اس تاویل کا اشارہ تک نہ تھا اس بیان میں۔ مرد اپنی محبوبہ کو "اے میری بہن اے میری زوجہ" کہکر مخاطب کرتا ہے۔ (غزل الغزلات ۴ باب ۹و۱۰)

کیا اس اسلوب کلام کو زمانہ حال پسند کرتا ہے۔ یا زمانہ گذشتہ میں یہود میں باہمی خطاب کا یہ طریق جاری تھا۔

(ج) بائیبل کی تمام کتابوں میں یہودیوں کی بدکاری کو یروشلم کی بدکاری بتلایا گیا ہے۔ پھر یروشلم کو عورت فرض کرکے اسکی برہنگی کے متعلق ایسے ایسے سخت و درشت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جنکی بابت مجھے امید ہے کہ وہ کسی گرجا کی محراب میں لیڈیز جنٹلمین کے سامنے بطور وعظ کبھی بھی نہیں پڑھے گئے ہونگے۔

(د) حزقی ایل ۲۳ باب کا ۲۰ درس پڑھو بہن بھائی ماں۔ بیٹا۔ باپ۔ بیٹی کا ذکر نہیں۔ بلکہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی شریف میڈم اپنے شوہر کے سامنے اور کوئی نوبلمین اپنی لیڈی کے سامنے ان الفاظ کو پڑھ سکتا۔ اور لفظوں کا مطلب بتا سکتا ہے۔

یجر وید میں ادھیا ۱۹۔ منتر ۷۶ (الف) ادھیا ۱۹ منتر ۸۸۔ (ب)

ادھیا ۲۰ منتر ۹ (ج) ادھیا ۲۵ منتر ۷ (د)

کو کیا کوئی گورو اپنی شاگرد لڑکی کو بپابندی شرم و حیا پڑھا سکتا۔ اور انکا مطلب بتا سکتا ہے۔

قرآن مجید تو الفاظ کا استعمال ایسی اعلیٰ لطافت سے فرماتا ہے کہ یہ اسی کا حصہ ہے۔ حاجت ضروری سے فارغ ہونیکا ذکر کرتا تھا۔ تو فرمایا اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ غائط اس نشیبی زمین کو کہتے ہیں۔ جہاں ایسی رفع حاجت کیلئے انسان اوجھل ہوا کرتا ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اس بارہ میں درجہ بہت بلند۔ اور بہت روشن ہے۔

فصل پنجم

قرآن مجید کا مُصنِّف

ایک مثل مشہور ہے "سخن شاہ بادشاہِ سخن" عربی میں ہے "کلام الملک ملک الکلام" قرآن مجید اُس شہنشاہِ حقیقی اور ملک الملکوت عالم کا کلام ہے۔ جس نے کلام کو پیدا کیا۔ اور گوشت کے ٹکڑے کو بولنا۔ ہڈی کو آواز کا سُننا۔ اور عصبات کو اُن کا سمجھنا سکھلایا۔ وہ جس کے حکم سے ایک ماں باپ کی اولاد میں اسقدر اختلافِ السنہ اور تباین لغات پیدا ہوا۔

بعض عیسائی مصنف جو تحقیق کے پردہ میں تعصب کو چھپائے رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی خوبیوں کو تسلیم کر لینے کے بعد قرآن پاک کو کلام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم) بتایا کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ

(۱) کیا قرآن جیسی کتاب کا مصنف کہلانا بجائے خود ایک اعلیٰ عزت نہیں ہے۔ پھر کیا وجہ۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی اعلیٰ تصنیف کے مصنف ہونے کی عزّت سے خود کو محروم رکھا۔

(۲) کیا قرآن پاک جیسی تصنیف کا مصنف جھوٹ جیسی رذیل صفت سے آلودہ ہوسکتا ہے؟ کیا وہ کتاب جس نے لاکھوں کو صداقت سکھلائی اور جس نے گنتی کے سالوں میں عرب کی کایا پلٹ دی۔

اور وہ کتاب جس نے زندہ۔ حی القیوم خدا کی ہستی کا اعتقاد دلوں میں قائم کرکے کروڑہا بنی آدم کو حیات جاوید سے بہرہ اندوز کردیا؟

کیا ایسے دل۔ ایسی زبان سے نکل سکتی ہے جو خود صادق نہ ہو۔

ان دونوں امور پر غور کرو تو دنیا جہان کے مصنفین کا رویہ ہماری تائید میں ہے۔ اور فلسفہ فطرت انسانیہ اس صداقت کا مصدق ہے۔

اب ہم خود عیسائیوں کی دی ہوئی بائیبل پر توجہ کرتے ہیں۔
بائیبل سے اس حقیقت کا انکشاف ہو جائیگا کہ دنیا میں کلام اللہ بھیجے جانے کی خبر ہزاروں سال پیشتر سے دیگئی تھی۔
(۱) موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس احکام عشرہ کی الواح لاتے ہیں۔ قوم اُن الواح پر شک کرتی ہے
(۲) قوم کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل کا خدا خود اُن کی موجودگی میں موسیٰ سے کلام فرمائے۔
(۳) موسیٰ علیہ السلام برگزیدگان قوم کو طور پہ لے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تاریکی چھا جاتی ہے۔ بادل سب کو گھیر لیتے ہیں۔ ہوائیں تندی و تیزی سے چلنے لگتی ہیں۔ بجلیاں کوندتی ہیں۔ گرج پر گرج کی صدائیں دلوں کو ہلا دیتی ہیں۔ بھونچال آتا ہے۔ پہاڑ کانپ رہا ہے۔
(۴) ان حالات کو دیکھکر بنی اسرائیل چلا اُٹھتے ہیں۔ اور موسےٰ سے کہتے ہیں۔
"اے موسیٰ تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں لیکن خدا ہم سے نہ بولے کہیں ہم مر نہ جائیں
کتاب خروج ۲۰۔ ۱۹۔ کتاب استثنا ۱۸۔ ۱۶"
یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ اور سب لوگ طور سے اپنی اپنی جان بچا کر خیمہ گاہ میں پہنچ گئے۔
(۵) بنی اسرائیل کی اسکے بعد یہ درخواست ہوتی ہے کہ خدا اپنا کلام موسیٰ کے منہ میں رکھ دے اور وہ قوم کو سنا دیا کرے۔
(۶) اس درخواست کو اللہ تعالیٰ نامنظور فرماتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ خدا کا کلام ایک اور نبی کے مُنہ میں رکھا جائیگا۔ وہ نبی اللہ اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ وہ نبی جو کچھ خدا سے سنے گا وہ سب لوگوں سے کہیگا۔ اور ایسا ہوگا۔ کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ نبی میرا نام لے کے کہیگا نہ سنیگا۔ تو اُس کا حساب خدا لے گا۔ (استثناء باب ۱۸ و ۱۹ درس)
اب برائے مہربانی یہودی وعیسائی ان واقعات بالا کو خیال میں رکھیں۔ اور پھر ہمکو بتلادیں کہ سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور وہ کونسا نبی ہے۔ جسکے منہ میں خدا کا کلام رکھا گیا۔ وہ کونسا نبی ہے جس نے یہ بتلایا ہو۔ کہ اُسکے منہ میں خدا کا کلام ہے۔
ہم ان دونوں سے کہتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز کسی ایسے نبی کا نام نہیں بتلاسکیں گے جس نے زبان سے اتنا فقرہ استعمال کیا ہو۔ کہ اسکے منہ میں اللہ کا کلام ہے۔

کلام اللہ کا سنانا تو امر دیگر ہے۔

یہی بات وہ ہے جو حق پوش اہل کتاب پر رب العالمین کی سب سے بڑی حجت ہو گی۔ اور جب یوم الدین کو خدا کی عدالت قائم ہو گی۔

جواب دینے سے پیشتر یسعیاہ کا فقرہ بھی یاد رکھنا چاہیئے "دیکھو امی کو کتاب دی گئی" یہودیوں عیسائیوں کو بتلانا ہو گا کہ امی صاحب کتاب اور کون ہے۔

اے یہودیو۔ اے نصرانیو۔ وہ امی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کا علم ہمیشہ نبی الامی رہا۔ دنیا میں اور کسی نبی کا لقب یا علم نبی الامی کبھی نہیں ہوا۔ اللّٰھم صلِّ علٰی سیّدِنا محمّدِ النّبیِّ الاُمّیِّ وآلہٖ وبارِک وسلّم

فصل ششم

قرآن مجید کی پیشین گوئیاں

جو لوگ قرآن پاک کو تصنیف محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتلایا کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں۔ جو حضور کا نبی صادق ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

کیا ایسے اشخاص اس امر کی کوئی توجیہہ کر سکتے ہیں کہ انکی حالت مزعومہ کے ہوتے ہوئے قرآن مجید کیونکر آنے والی مغیبات کو بیان کرتا۔ اور زمان پیشین و مستقبل کے متعلق پیشگوئیوں کا اعلان فرماتا ہے۔

اتمام حجت منکرین۔ اور انشراح صدر مومنین کیلئے اُن پیشگوئیوں کا ذکر بطور تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جو قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ اور چودہ صدیوں کا عہد طویل شہادت دے گا۔ کہ نزول قرآن پاک کے بعد سے آجتک اُن میں سے کس طرح وہ پیشگوئیاں تمام دنیا کے سامنے حرف بحرف اور ہو بہو پوری ہوتی رہی ہیں۔

فصل قرآن عظیم کے متعلق سات پیشگوئیاں

اوّل۔ قرآن کریم کی نظیر کوئی نہ بنا سکیگا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ "اے رسول سب کہہ دیجئے۔ کہ اگر سب انسان اور تمام جن بھی مجتمع ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد و اعانت بھی کریں۔ اور پھر وہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب بنانا چاہیں۔ تو وہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کر سکینگے۔"

الفاظِ دعوٰی کی شوکت اور قوت غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے

عہدِ نبوت | قرآن پاک کو کلام محمدؐ کہنے والے ذرا غور کریں کہ زہیر و نابغہ۔ امرء القیس و عنترہ جیسے لوگوں کے لئے یہ دعوٰی کتنا ذلیل کُن ہے۔

وہ . . . . جو اپنے کلام کو ہرن کی جھلیوں پر آبِ زر سے لکھواتے۔ اور بایّام حج عام دیوار کعبہ پر آویزاں کیا کرتے تھے کیوں اس دعوٰی کے ابطال پر آمادہ نہ ہوئے۔

. . . . . وہ ابولہب۔ ابوجہل۔ کعب بن اشرف۔ سلام بن مشکم جیسے قریشی و یہودی جنہوں نے اسلام کو تباہ کرنے کی دُھن میں زر و مال اور نفوس و اولاد کو قربان کر دیا تھا۔ کیوں ایسی آسان تدبیر کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص جو ان ہی میں پلا اور بڑھا ہے۔ اور جو وہی زبان بولتا ہے جو ان سب کی ہے۔ اور پھر وہ ان سب کے پہلے مذہب اور مرغوب رسوم اور پسندکردہ عادات اور اُنکے برگزیدہ معبودوں کے خلاف جوش دلانے والے الفاظ کا استعمال کر رہا ہے۔ اور اپنی صداقت کی تائید میں ایک کلام کو جو اسی کے منہ سے نکلی ہے بطور دلیل پیش کر رہا ہے ان سب حالات کی موجودگی میں بھی کوئی شخص اس جیسی زبان نہیں بول سکتا۔ اور کوئی شخص بامثل کلام پیش کر کے اسکی تحدّی کو باطل نہیں ٹھہرا سکتا۔

عہدِ حاضرہ | اچھا اس وقت کا ذکر چھوڑو۔ اب زمانِ حاضرہ پر نگاہ ڈالو۔ شام۔ بیروت

دمشق و مصر اور فلسطین میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں۔ جنکی مادری زبان عربی ہے جو عربی زبان میں نثر و نظم لکھنے پر قادر ہیں۔ جنکی ادارت میں اخبار، جرائد، اور رسائل اشاعت پذیر ہیں۔ وہ آج کیوں اس دعوئ قرآن کے مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو جاتے؟ ان میں تو ایسے ایسے ادیب و ماہر زبان بھی موجود ہیں جنہوں نے لغات عربیہ پر قطر المحیط۔ المنجد۔ اقرب الموارد اور المحیط جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ وہ کیوں قرآن جیسی کتاب لکھنے کی سعی نہیں کرتے؟ وہ کیوں دس سورتوں کے برابر ہی نہیں لکھتے۔ وہ کیوں ایک ہی سورۃ کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے؟

حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی شخص جتنا زیادہ عربیت کا ماہر۔ اور ادب میں ید طولیٰ رکھنے والا ہے۔ اُس پر اُتنا ہی زیادہ رعب کلام قرآنی کا غالب آجاتا ہے۔

..... آج عیسائیت کی اشاعت میں کروڑوں، اربوں روپیہ پانی کیطرح بہایا جاتا ہے لیکن جس شئے کو قرآن حکیم نے تحدی بنایا۔ اُس پر کوئی بھی قلم اُٹھانے کا حوصلہ نہیں کرتا۔

..... معترض عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شاید یہ کہہ سکتا تھا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت کے مشہور مشہور زبان آوروں کی قابلیت کا اندازہ کر لینے کے بعد ایسا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

لیکن وہ اس ساڑھے تیرہ صدیوں کے زمانہ کی خموشی کی بابت کیا توجیہہ پیش کر سکتا ہے۔

دوسری پیشگوئی

کہ قرآن مجید ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

ہاں، ہم نے ہی اس قرآن کو اُتارا ہے۔ اور ہم ہی اسکی حفاظت بھی ضرور ضرور رکھیں گے

اس وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآنی کی عظمت۔

الف۔ اسوقت سمجھ میں آتی ہے۔ جب صحف سابقہ کا تھوڑا سا حال معلوم ہو جائے۔

(۱) توراۃ موسیٰ علیہ السلام کا جھبرایہ وہ دو الواح تھیں۔ جو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر لکھی لکھائی

دی گئی تھیں۔ ہر دو الواح اُسیوقت ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں جب موسیٰ علیہ السلام نے میدان میں آکر لشکر کو گوسالہ پرستی میں مصروف پایا تھا۔ کلیم اللہ غیرت ایمانیہ سے بیتاب ہوگئے لوحیں پھینک دیں اور بھائی کو جا پکڑا۔

اس واقعہ کے بعد یہ احکام عشرہ اور دیگر احکام شریعت موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں لکھے گئے۔ اور عہد کے صندوق میں رکھے گئے۔ (استثنا باب ۲۵) یہ ایک نسخہ تھا۔ جسکی بابت توقع کیجا سکتی ہے کہ داؤد علیہ السلام کے عہد تک خیمہ عبادت میں بحفاظت موجود رہا ہو لیکن سلاطین اول باب ۸ سے واضح ہے۔ کہ جب عہد کا صندوق خیمہ عبادت سے ہیکل سلیمانی میں لایا گیا۔ تو پتھر کی دو شکستہ لوحوں کے سوا صندوق میں اور کچھ نہ تھا۔

اب ہمکو بلا کسی سند کے فرض کر لینا چاہیئے کہ سلیمان علیہ السلام نے کسطرح توراۃ کی شریعت کو جمع کر لیا ہوگا۔ اور پھر عہد کے صندوق میں اُسے رکھوا دیا ہوگا۔ لیکن یہ مسلمہ ہے کہ ہیکل میں جو نسخہ بھی موجود تھا۔ اُسے بھی بخت نصر نے ہیکل کے ساتھ ہی جلا ڈالا تھا۔ یہ حادثہ ۵۸۶ سنہ ق م میں واقع ہوا۔

دارا شاہ ایران کے عہد میں زرو بابل وغیرہ سرداران بنی اسرائیل نے ہیکل کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ کتاب کی بھی تلاش ہوئی مگر نہ ملی (دیکھو کتاب عزیر) تب حضرت عزیر نے اپنی یادداشت اور حجی و زکریا کی امداد سے پھر کتاب کو تیار کیا جسے یہودی توراۃ کہتے ہیں (اُسی کا ترجمہ یونانی زبان میں ابن توکس کے حکم سے ہوا) یہ واقعہ ۳۰۰ سنہ ق م کا ہے۔ پھر ابن توکس چہارم کے وقت میں جب بادشاہ ملک مصر پر حملہ آور ہوا تھا۔ اُسکے سپہ سالار نے اُس نسخہ کو اور ہیکل کو جلا ڈالا۔ یہودیوں کی تمام کتابوں کی تلاش کی گئی اور سب کو سوخت کر دیا گیا۔ اور یہودیوں کو بت پرستی کا حکم دیا گیا یہ واقعہ ۱۶۶ سنہ ق م کا ہے۔ ایک بوڑھا کاہن اپنے تین فرزندوں کے ساتھ جان بچا کر اپنے وطن شہر مودن کو بھاگ گیا تھا۔ اُسکے فرزند مقابئس نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی جو اُسی کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہود کے چند فرقے اسی کو آسمانی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

واقعات بالا پر پورا پورا غور کرو۔ اصلی کتاب کے محفوظ رہنے کی کوئی بھی اصلیت نظر آتی ہے،

(۲) اب انجیل کی سرگذشت سنو۔ انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں۔ انجیل متی۔ انجیل مرقس۔ انجیل لوقا۔ انجیل یوحنا۔

متی کی انجیل سب سے پہلے عبرانی زبان اور شہر یہوذا (واقع شام) میں لکھی گئی۔ لیکن اس عبرانی نسخہ کا وجود دنیا سے ناپید ہے۔ اس کا ایک ترجمہ یونانی زبان کا ملتا ہے۔ لیکن کوئی عیسائی پادری نہیں بتا سکتا۔ کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا اور کس شخص نے کیا۔

موجودہ کتاب کا یہ حال ہے کہ اسکے باب اوّل و دوم کو شارح انجیل نورٹن صاحب نے بمقابلہ لوقا صحیح تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب اصل مصنف کے لکھے ہوئے نہیں (کتاب الاسناد ص۳۰ نسخہ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

لوقا مصنف انجیل پولوس کا شاگرد ہے۔ اس نے مسیح کو نہیں دیکھا۔ اور اسکے استاد نے بھی مسیح کی زندگی میں اسکی مخالفت ہی کی۔ لوقا نے اپنی انجیل انطاکیہ شہر میں بزبان یونانی لکھی تھی۔ لوقا نے اپنی انجیل کے شروع میں تحریر کیا ہے۔ کہ وہ واقعات کو صحت کے بعد تحریر کرتا ہے۔ بزرگوار لوقا کے اس اعلان کے بعد یہ امید کرنا بالکل درست تھا۔ کہ واقعات مندرجہ انجیل لوقا ضرور ہی صحیح ہونگے لیکن انجیل کا وہی شارح فاضل نورٹن لکھتا ہے۔

"جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے۔ ان میں جھوٹی روائتیں بھی شامل ہو گئی ہیں اور اسکے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغے سے اندراج کیا ہے۔ اور اس زمانہ میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے (کتاب الاسناد ص۶۱)

قابل غور یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ سے جھوٹ کا تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے وہ کہانتک محفوظ کہلانے کی مستحق ہے۔

مرقس شمعون پطرس کا شاگرد ہے۔ اس نے بھی انطاکیہ ہی میں اپنی کتاب کو یونانی زبان میں لکھا۔ مرقس اور لوقا کے مضامین میں بہت اختلاف ہے۔

یوحنا بن سپنڈائی کی انجیل غالباً بلحاظ سنہ تصنیف سب سے آخری ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب کو یونانی زبان ہی میں لکھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسیح کا شاگرد تھا لیکن اسکی تصنیف میں یونانیوں کے قدیم عقیدہ کا بہت اثر شامل ہے۔

تمام علمائے عیسائیوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں سے کوئی انجیل بھی مسیح پر منجانب اللہ نازل شدہ نہیں بلکہ یہ کتابیں انہی مصنفین کی تصنیف ہیں، جن کے نام سے یہ منسوب ہیں۔ اب ان کتابوں کا تقدس اس طرح قائم کیا جاتا ہے۔ کہ ان مصنفین نے ان کتابوں کو روح القدس کی مدد اور یاوری سے لکھا تھا۔ اگر یہ امر صحیح ہے۔ تو ان چاروں کے مضامین میں تناقض اور تضاد نہیں ہونا چاہئے لیکن انمیں اتنا تناقض موجود ہے۔ کہ تطبیق دینا سخت دشوار ہے۔ آدم کلارک۔ نورٹن۔ اور ہارن صاحب انجیل کے مشہور شارح ہیں۔ تینوں کا متفقہ قول ہے کہ تطبیق کی کوئی صورت موجود نہیں

پادری فرنچ کو اقرار ہے۔ کہ ان انجیلوں کی چار پانچ آیتوں میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ نیز وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے۔ کہ انمیں چھوٹی موٹی تیس ہزار غلطیاں موجود ہیں۔

چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو صفحے سے زیادہ نہیں۔ ایک سو صفحے کی تحریر میں جب تیس ہزار غلطیاں موجود ہوں تو کتابوں کے محفوظ رہنے کا خیال کرنا بھی عقل سے دور ہے اور اس سے زیادہ نتیجہ اخذ کرنا ہمارے اس مضمون کے موضوع سے زائد ہے۔

(۳) اب پارسیوں کی کتاب کا حال سنو۔ ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے۔ اُن کی کتابیں کبھی موجود ہونگی لیکن کتاب ژند[1] تو زراتشت کے عہد سے بھی پہلے نادرالوجود ہو چکی تھی

کہتے ہیں کہ کتاب ژند کے پچیس باب تھے۔ اور اب صرف انیسواں باب "وندیدار" پایا جاتا ہے ژند کے بعد اُسکا درجہ پاژند نے حاصل کر لیا لیکن سکندر مالڈونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی عنقا ہوگئی۔ سکندر کے بعد تین سو سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا۔ تب ژند و پاژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی۔ اور اُسی کو آسمانی کتاب کا درجہ دیا گیا۔ لیکن جب مانی نے اپنا مذہب پھیلایا تب دساتیر کو بھی تلف کر دیا گیا۔ مانی کے بعد مزدک نے اپنا مذہب ایجاد کیا۔ اور اُس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور نابود کر دیا یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں۔

---

[1] ژند کے معنے وہ سنگ چقماق ہے جس سے آگ نکلتی ہے۔ کتاب کا نام اس لئے ژند ہوا۔ کہ اُسکے اندر بھی روشنائی موجود ہے۔ اسکی شرح کا نام پاژند ہوا۔ پاژند وہ لوہے کی تیغ ہے۔ جو چقماق پر آگ نکالنے کیلئے ماری جاتی ہے۔ اسکی شرح کا نام اوستا ہوا۔ تمدن ایران صفحہ ۲۶ ۔

دساتیر کے متعلق اہل تحقیق کا بیان ہے۔ کہ وہ صرف دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ صبح وشام کو پڑھے جانے والی دعائیں اُس میں درج ہیں۔

اوستا کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ نزول قرآن کے بعد لکھی گئی۔ اور اسی کتاب کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ ثبت کیا گیا۔ "بنام ایزد۔ بخشایندہ۔ بخشائش گر مہربان دادگر" اسی فقرہ کا ترجمہ قدیم دری زبان میں کر دیا گیا۔ تاکہ اسکی قدامت، بہت قدیم ہو جائے" خرشید شمتائے ہرشندہ۔ ہرشنگر ز مہربان فرو بیدار"۔

مندرجہ بالا حالات سے پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ سکندر کی غارتگری کے بعد اس قوم کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا۔ جو آسمانی کہلانیکا مستحق ہو۔

(۴) ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب "وید" سمجھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناتن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔

اس اجمالی اقرار عظمت کے بعد آریہ اور سناتن دھرمیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ کا نام ہے۔

سناتن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے۔ برہمن بھاگ اپنے حجم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دو چند زیادہ ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو ⅔ حصہ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں۔ یا ⅔ حصہ حجم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں۔ اور بہر دو صورت کتاب مذکور کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں۔ کہ وید چار ہیں۔ مگر منوجی مہاراج کی سمرتی میں صرف تین ویدوں۔ رگ۔ یجر۔ سام کا نام آیا ہے۔ چوتھے وید اتھروید کا نام نہیں آیا۔

سنسکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں جن میں یہی تین نام پائے جاتے ہیں لیکن بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں قریباً ۳۲ کتابوں پر اسم وید کا استعمال کیا گیا ہے۔

. . . . . سب ہندو وید کو خدا ساز بتاتے ہیں۔ مگر نیائے درشن کا مصنف گوتم وید کو کلام انسان بتاتا ہے۔ گوتم اس درجہ کا شخص ہے کہ اُس کا شاستر چھ شاستروں میں سے ایک ہے۔ اور ان ہر شش شاستروں کو بطور مسلمہ آریہ و سناتنی سب تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب قدیم میں سے جین مت بھی ہے۔ جینی لوگ وید کے ایک حرف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ اور وید کا آکاس بانی ہونا بھی وہ قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنی قدامت کو وید و کے زمانہ سے ماقبل کی بتاتے ہیں اور اپنی کتابوں کو ویدسے قدیم تر ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے اِن مختصر فقرات سے ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ حفاظت آلہیہ نے مندرجہ بالا کتب میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ اور اسی لئے ہر ایک کتاب کے وجود یا اجزائے وجود پر خود اُسی مذہب کے اشخاص نے شک و گمان اور ظنون و اوہام کے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

قدرت آلہیہ نے نہ صرف یہی کیا۔ کہ کتابوں کی حفاظت نہیں کی۔ بلکہ اُس زبان اور لغت کی حفاظت بھی چھوڑ دی جن میں یہ کتابیں لکھی گئیں یا نازل کی گئی تھیں۔

ذرا غور کرو۔ عبرانی جو توراۃ کی زبان تھی۔ اور خالدی یا کالدی جو مسیح کی زبان تھی۔ اور دری جو ژند و پاژند کی زبان تھی۔ اور سنسکرت قدیم جو وید کی زبان تھی۔ اب دنیا کے کسی پردہ پر کسی بر اعظم یا کسی ملک۔ یا کسی ضلع یا کسی شہر میں بطور زبان مستعمل ہیں؟ قدرت نے ان السنہ کو ناپید کرنے سے اپنا فیصلہ قطعی صادر کر دیا ہے۔ کہ اب انسان کو اُن کتابوں کی بھی ضرورت نہیں رہی جو اِن زبانوں میں مروج کیگئی تھیں۔

دوم اُس حفاظت آلہیہ کا اندازہ کرو۔ جو قرآن مجید کے متعلق ہے کہ اُس کا زیر و زبر اور ہر حرف توالی و تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ ملک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اُسیطرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مکہ میں موجود ہے۔

اگر حفاظت آلہی خود کارفرما نہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہو جانا نہ صرف ممکن بلکہ ضروری تھا جس کا پیش کرنے والا وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ سے مخاطب ہو۔ (آپ تو اپنے دہنے ہاتھ سے خط کھینچنا بھی نہیں جانتے) بُرہان بالا حفاظت آلہی کے متعلق قطعی ہے۔

مناسبت مقام سے ہم قرآن مجید کے حروف کے متعلق ایک یادداشت پیش کرتے ہیں۔ حروف کا اندراج اس لئے کیا جاتا ہے کہ تعداد سُوَر و رکوعات و آیات وغیرہ کے متعلق اعداد و شمار عموماً ہر ایک مصحف پر درج ہوتے ہیں۔

نقشہ شمار حروف تہجی

جتنی بار ہر ایک حرف قرآن مجید میں آیا ہے۔

الف	۴۸۹۹۲	ط	۱۳۰۷
ب	۱۲۲۲۸	ظ	۷۸۲
ت	۲۴۰۴	ع	۹۲۷۴
ث	۳۱۰۵	غ	۹۲۱۱
ج	۴۲۳۲	ف	۴۴۱۸
ح	۴۱۲۰	ق	۶۶۱۲
خ	۲۱۰۵	ک	۱۰۶۲۸
د	۵۹۷۲	ل	۳۳۵۲۰
ذ	۴۷۳۹	م	۲۶۵۱۵
ر	۱۲۲۴۰	ن	۴۴۱۹۰
ز	۳۵۸۰	و	۲۵۵۸۹
س	۵۹۷۶	ہ	۱۶۰۷۰
ش	۲۱۱۵	ی	۲۵۹۰۹
ص	۲۰۰۸۳		لہ
ض	۶۸۲		

امیر المؤمنین عثمان اور حفاظت رسم الخط قرآن

اس برہان کے خاتمہ پر تکمیل مدعا کی غرض سے یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے کہ امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی حفاظت قرأت وکتابت قرآنی میں بہت بڑی خدمت کو انجام دیا۔ اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں سات قرآن مجید لکھوائے اور اُن کو سات نواحیاں سلطنت کے پاس بھیجے تھا اور مہر اسلامیہ سے مزین کر کے بھیجا یا اس سے بھی حفاظت

لہ منقول از دستور العلماء جلد دوم مصنفہ قاضی الفاضل عبد النبی احمد نگری ۱۲۔

قرآن پاک ہی مدعا تھا۔ تاکہ رسم الخط میں بھی آئندہ کوئی تفاوت پیدا نہ ہو سکے۔ کاتب وحی کے قلم اور خلیفہ راشد کے دستخط اور مہر رسالت سے مزین شدہ قرآن آئندہ زمانہ کے کاتبین کے واسطے صحت و نقل و مقابلہ کیلئے بے بہا گوہر تھا۔ آجکل تو وجادہ ہی پر نقول کا اعتبار

نقل اور طریق وجادہ چلتا ہے یعنی کسی کتاب کی صحت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ وہ اُس نسخہ کے مطابق ہو جس سے نقل کی گئی ہے لیکن یہ امر کہ منقول عنہ کی صحت کا ثبوت کیا ہے مفقود ہے خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ نے نقل و صحت میں شک و اختلاف مٹانے کیلئے اصل شئے قائم کر دی تاکہ بحالت ضرورت اسی کی جانب رجوع کیا جائے۔

یہ قرآن مجید ہی کی خصوصیات میں سے ہے دُنیا کی اور کسی مقدس کتاب کو یہ درجہ حاصل نہیں۔

اعتراض اور اُس کی اصلیت معترضین اسلام نے چاہا کہ اس واقعہ کیصورت بگاڑ کر کچھ فائدہ اُٹھائیں جھٹ کہہ دیا کہ عثمان نے قرآن میں تصرف کیا تھا۔ ان کوتاہ فہم لوگوں کو نہ اُس عہد کے اسلامی ممالک کی حالت معلوم ہے اور نہ قرآنی ترویج کی خبر ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ممالک اسلام کے باہمی تعلقات کا بھی اُن کو علم نہیں اگر ان سب باتوں کا علم ہوتا تو وہ یہ بات زبان پر نہ لاتے۔

نماز اور قراۃ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں ۵ نمازیں فرض ہیں جن میں سے تین میں قرآن مجید بآواز بلند پڑھا جاتا ہے اور چونکہ ہر شخص مجاز ہے کہ جہاں سے وہ چاہے جتنا چاہے قرأت کرے۔ اس لئے دنیا پر پھیلے ہوئے کروڑوں انسان صدہا مقامات پر مختلف اجزاء و سُور سے قرآن حمید کی قرأت روزانہ کیا کرتے ہیں ایک پڑھتا ہے اور بیسیوں سینکڑوں مُقتدی سنا کرتے ہیں۔ اقتدا کرنے والوں میں بھی بہت تعداد اُن لوگوں کی ہوتی ہے جن کو خود بھی وہ آیات جو امام نماز پڑھ رہا ہے یاد ہوتی ہیں۔ یہ سلسلہ عہد نبوی سے جاری تھا۔ اور ہر شہر ہر قصبہ ہر قریہ میں برابر اسی پر عملدر آمد رہا۔

نسخہ جات قرآنی کی اشاعت خلافت عثمانی سے پیشتر قرآن پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں پر پہنچ گئی تھی اور اُسکے نسخے اُلوف در اُلوف بلیوں میں موجود تھے۔ اس لئے

عثمان رضی اللہ عنہ کے حیطۂ اقتدار سے باہر تھا کہ وہ سب کی زبانوں سب کے دماغوں اور سب کی کتابوں پر قبضہ کر کے ایک بھی لفظ کی کمی و بیشی کر سکتے۔

حضرت عثمان اور ان سے مسائل فقہیہ میں اختلاف جمہور

ہاں ہمکو وہ مسائل فقہیہ بھی معلوم ہیں جن میں صحابہ کا اختلاف عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے تھا۔ مثلاً منیٰ میں پوری نماز پڑھنا اور قصر نہ کرنا۔ اور محرم کا کسی غیر محرم کے شکار کو استعمال کر سکنا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی بعض صحابہ نے اُن کا خلاف کیا۔ اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد فقہی پر محکم رہا تو پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے متعلق کوئی خود ساز تبدیلی کرتے اور صحابہ اُس پہ خاموش رہ جاتے۔

حضرت عثمان اور اہل مصر کی بغاوت

اس سے بھی بڑھکر ہم دیکھتے ہیں کہ اہل مصر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض افعال پر نکتہ چینی کی۔ اُن کو بیت المال کا اسراف سے خرچ کرنیوالا یا اپنی قوم کو بہت زیادہ عہدہ و مناصب دینے والا بتلایا ہے اور انہی امور پر اہل مصر نے ایسی بغاوت کی کہ اُسکا اختتام امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت پر ہوا۔ لیکن ہم کسی مصری اور اُس عہد کے کسی اور شدید البغض انسان کو بھی قرآن مجید کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک حرف کہتا ہوا بھی نہیں سنتے۔

خلافت مرتضوی اور مصحف عثمانی

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اُنکے بعد خلیفہ ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنی تمام خلافت کے زمانہ میں قرآن کی ترتیب عثمانی میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے۔ اور نہ اُس ترتیب کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالتے ہیں۔ بلکہ ہمیشہ نمازوں اور وعظوں میں اُسی قرآن کا ورد فرماتے ہیں۔

رفع مصحف کا واقعہ صفین میں

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ اور امیر معاویہ میں جنگ صفین ہوتی ہے اہل شام قرآن مجید کو بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن مجید حکم ہوگا۔ اُسوقت حضرت مرتضوی کا گروہ کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا۔ کہ اہل شام کے قرآن پر کیا اعتماد ہے؟ حالانکہ فریق برسر جنگ کو اگر ذرہ بھی گنجائش ایسے الفاظ کہنے کی ملجاتی تو وہ ضرور اس تدبیر کو کالعدم کر سکتا تھا لیکن شامیوں کے پیش کئے ہوئے قرآن

ہی کو قرآن ماننا پڑا۔ اور عارضی صلح منعقد ہوگئی۔

ان واقعات سے معلوم ہوجاتا ہے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظت قرآن کے متعلق ایسی خدمت ادا کی جس پر تمام عالم اسلام کا اتفاق تھا۔ جاہل و عالم۔ دانا و نادان دوست و دشمن ان کے اس فعل حمیدہ میں ذرا بھی شک نہ رکھتے تھے۔ اور یہ اتفاق کامل صرف قرآن مجید ہی کے متعلق حاصل ہے۔ اور یہ بھی ایک زبردست خصوصیت حفاظت کتاب حمید کی ہے۔

تیسری پیشگوئی

جمع قرأت قرآن مجید کی بابت

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ قرآن کا جمع کرنا اور قرأت کا درست رکھنا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ اے رسول جس قرأت سے قرآن پڑھا جائے آپ اس پر کاربند رہیں۔

قرآن مجید کے احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے تھے اس لئے اس کتاب کی ترتیب اور تدوین مشکل کام تھا لیکن اس کام کو بھی رب العالمین نے اپنے ہی ذمہ لیا۔ جیسا کہ دنیا میں بھی ہر ایک مصنف کتاب اپنی تصنیف کی ترتیب و تدوین کا کام خود سرانجام دیا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اب میں کسی ایک آیت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی۔ مشرق سے لیکر مغرب تک تمام دنیا ایک ہی ترتیب کے ساتھ قرآن مجید کی قرأت کر رہی ہے۔ اس پیشگوئی سے واضح ہو گیا کہ جمع و ترتیب کی جو صورت موجودہ دنیا میں پائی جاتی ہے وہ ٹھیک اسی ترتیب اور قرأت کے موافق ہے۔ جو علم الٰہی اور قرأت سماوی میں ہے۔

یہ وہم کہ افراد امت میں سے کسی ایک کا خیال اس میں کوئی تصرف کر سکا ہے بالکل غلط اور باطل ہے۔

چوتھی پیشگوئی

کہ قرآن مجید حفظ یاد رکھا جائیگا

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ

یہ قرآن تو وہ روشن آیتیں ہیں۔ جو علم والوں کے سینہ میں رہتی ہیں۔

ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال تھا کیونکہ قرآن مجید سے پیشتر دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی تھی۔ اس لئے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اسکے الہامی ہونے پر دلیل ہے اس پیشگوئی کے مطابق ہر ملک ہر صوبہ ہر ضلع ہر شہر میں حفاظ قرآن کی کافی تعداد پائی جاتی ہے۔ جو اس صحت اور اتقان اور یقین واثق کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں کہ انکی قرات سے مطبوعہ کتابت کی صحت کیجاتی ہے۔ مگر ان حفاظ کو مطبوعہ یا قلمی کتاب سے صحت کرنیکی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر کسی حافظ کو اپنے پڑھنے میں کہیں شبہ پڑیگا تو وہ اسکی صحت دوسرے حافظ ہی سے جاکر کریگا۔

یہ ایسی زبردست پیشگوئی ہے کہ تمام دنیا اسکی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ حفاظت کا ایسا انتظام بالکل لاثانی ہے اور محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔

پانچویں پیشگوئی

کہ قرآن مجید کا حفظ کرلینا آسان ہوگا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ۔ ہمنے قرآن کو یاد کیلئے آسان بنادیا ہے۔

پیشگوئی چہارم کے تحت میں تحریر کیا گیا تھا۔ کہ ساری کتاب کو حفظ کرنے کا خیال ہی بالکل اچھوتا تھا۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام اور ممالک کے سامنے قرآن مجید کو از بر سنانا شروع کیا تب دوسرونکو بھی امنگ آنی چاہیئے تھی دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے کیونکہ انکے سامنے یہ نظیر موجود تھی۔

مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا نہ یہودی نہ عیسائی۔ نہ پارسی نہ ہندو نہ اور نہ اور جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کر لیا ہو۔ اسکی وجہ خود قرآن پاک نے بتلا دی ہے

کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھدی ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

غور کرو رب العالمین نے اور کسی کلام کے اندر (خواہ کسی زمانے میں وہ کلام آسمان ہی سے زمین پر اُتارا گیا تھا) یہ خصوصیت یہ خاصیت یہ مابہ الامتیاز رکھا ہی نہیں۔ اس لئے کوئی دوسری کتاب کسی اور مذہب والیکو از بر یاد کیونکر ہو سکتی تھی۔ اور کیونکر کوئی شخص حفاظ قرآن کیطرح ایسی صحت ایسے تیقن کے ساتھ اپنی کتاب کو حافظے سے سنانے کی جرأت کر سکتا تھا۔

یہ ہے قدرت کی زبردست طاقت اور یہ ہے فطرت انسانی کی اصل منشا کا راز جسکے مقابلے سے دنیا عاجز ہے۔

چھٹی پیشگوئی

کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی۔ اور کتاب کی شکل میں اسکی اشاعت ترقی پر رہے گی

وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ قسم ہے کتاب کی جو لکھی گئی ہے۔ اور پاک صاف صحیفہ اشاعت پاتی ہے۔

رق اُس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کتابت کیلئے خاص طور پہ بنائی جاتی ہے اور باریک سفید پاکیزہ صحیفہ (بیاض) کو بھی جو لکھنے کیلئے تیار کی جائے۔ (المنجد)

اس آیت میں قرآن مجید کو کتاب بھی فرمایا۔ اور مسطور بھی۔ اور پھر اُسی کو منشور بھی بتایا۔ کون نہیں جانتا کہ نشر کے معنے میں بسط اور امتداد شامل ہیں اور اُسی کو آج ہم لفظ اشاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

ساتویں پیشگوئی

کہ کوئی باطل یا بطلان قرآن مجید کے نزول میں یا آئندہ کسی عہد میں اسکے سامنے نہ ٹھہر سکیگا۔

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حٰم سجدہ)

باطل اسکے آگے یا پیچھے سے نہ آئیگا یہ تو خدائے حکیم محمود کیطرف سے نازل کیا گیا ہے۔

فلسفۂ قدیم (باطل بین یدیہ) اور فلسفۂ جدید (باطل من خلفہ) نے بہت زور مارا مگر قرآن حکیم کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور اسکے کسی مضمون اور کسی ایک اصول کا بھی مقابلہ نہ کر سکا۔ فلسفۂ قدیم نے اس بارے میں کچھ گھٹایا نہ فلسفۂ جدید نے کچھ بڑھایا یہ ایسی مکمل کتاب ہے کہ اس میں اب کسی دخل کی گنجائش ہی نہیں

اسلام کے متعلق چار پیشگوئیاں

پہلی پیشگوئی | منکروں کی نفرت و کراہت کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کی ہدایت وحقانیت غالب ہوتی رہے گی۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ اگرچہ مشرک لوگ کیسا ہی برا مانتے رہیں۔

جنوبی عرب اور عیسائیت | بعثت نبوی کے وقت عرب کی پولٹیکل حالت یہ تھی کہ اسکے جنوب پر سلطنت حبشہ کی حکومت تھی اور شمالی قطاع پر روما کی سلطنت کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں عیسائی سلطنتیں تھیں عیسائیت اگرچہ عرب میں ۲۳ئد میں داخل ہوگئی تھی۔ اور بنو غسان عیسائی بنگئے تھے مگر رفتہ رفتہ عراق عرب۔ بحرین۔ صحرائے فاران۔ اور دومۃ الجندل پر بھی یہی مذہب حکمران ہوگیا تھا۔ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے کہ ۳۹۵ء سے ۵۱۳ء تک عرب میں اشاعت عیسویت پر بہت ہی زور لگایا گیا تھا۔

لیکن اسلام نے چند ہی سالوں میں اسپر غلبہ حاصل کرلیا۔ اور یہ جملہ ممالک دین حقہ میں داخل ہوگئے۔

عرب اور یہودیت | یہودی عرب میں اسوقت آئے۔ جب یونانیوں اور سریانیوں نے ان کو اپنے ممالک سے نکال دیا تھا۔ انکا مذہب حجاز اور نواحی خیبر اور مدینہ میں پھیل گیا تھا۔ اور اُس نے استحکام بھی حاصل کرلیا تھا۔

اسلام کے آتے ہی اسکا بھی چار صد سالہ قبضہ عرب سے بالکل اُٹھ گیا۔

شرقی عرب اور مجوسیت | عرب کے مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اثر تھا۔ اور اس حصہ کا گورنر شاہ ایران کی منظوری وانتخاب سے مقرر ہوا کرتا تھا۔ شرقی حصہ میں آتش پرستی کی رسوم اور طریقے خوب رواج پاگئے تھے تاریخوں میں ان عربوں کے نام بھی لکھے ہیں جنہوں نے مجوسیت کے اثر میں آکر بیٹی اور بہن کو گھر میں ڈال لیا تھا۔

اسلام کی پاک تعلیم کے سامنے یہ مذہب بھی نہ ٹھہر سکا۔

عرب وسطی اور بت پرستی

حجاز (یا وسط عرب میں) ابن الحی شام سے بت لے آیا تھا۔ اور اسلام سے تین صدی پیشتر تمام مشہور مشہور قبائل بت پرست بن گئے تھے۔

عرب اور مذاہب متعددہ

صابی۔ دہریہ۔ منکرانِ قیامت۔ مادہ پرست۔ خود پرست۔ خوش باش۔ وغیرہ کے نام سے اور بھی چھوٹے بڑے مذاہب تھے۔ جن کے مقلدین کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

اسلام کی حقانیت نے ان سب لوگوں کو بھی بطلان سے چھوڑایا۔ یہی معنے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے ہیں جسکا ظہور حضور پر نور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد اقدس ہی میں ہو گیا تھا۔

دوسری پیشگوئی

اسلام کے متعلق دوسری پیشگوئی کہ وہ تکمیل و اتمام کو پہنچیگا۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ اللہ تعالی اپنے نور کو پورا کریگا۔ اگرچہ کافر برا مانتے رہیں

وعدہ کی زمین پر موسیٰ علیہ السلام داخل نہ ہوئے

موسیٰ علیہ السلام کی سیرتِ پاک پر غور کرو۔ اگرچہ انکے ہاتھ سے ایسی ایسی آیات باہرات کا ظہور ہوا۔ جو اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں۔ فرعون مصر کو اللہ تعالیٰ نے غارت کیا۔ بنی اسرائیل کو سمندر چیر کر اسکی خشک زمین پر سے راستہ دیا۔ من و سلویٰ اُتارا۔ دن میں خاک کے بگولے سے انکی رہنمائی کی۔ اور رات کو اسی بگولہ کو ستون نار بنا کر کیمپ کو روشن کیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مقصد اصلی جو وعدہ کی زمین میں بنی اسرائیل کو پہنچا دینا تھا۔ وہ انکی حیات میں مکمل نہ ہوا۔

داؤد علیہ السلام خدا کا گھر نہ بنا سکے

داؤد علیہ السلام کی سیرت پاک کو دیکھو۔ انکو بنی اسرائیل کے دوازدہ اسباط پر حکومت بھی ملی۔ انہوں نے جالوت کو بھی خاک و خون میں سلایا۔ انہوں نے موصل کو بھی نیچا دکھایا۔ شہر بنایا قلعے تیار کئے لیکن خدا کا گھر بنانے کی انکو اجازت نہ ملی۔

مسیح کی سرگرمی اور تعلیم کا نامکمل رہ جانا

مسیح علیہ السلام کی سرگذشت کو پڑھو۔ تبلیغ و اشاعت کی غرض سے وہ شبانہ روز سفر میں رہے۔ اپنے رسالہ ایام تبلیغ میں انہوں نے دو شب کسی ایک مقام پر مشکل سے قیام فرمایا ہوگا۔ لیکن پھر بھی یوحنا ۱۶ باب میں انکا اعلان یہی تھا۔ کہ وہ مکمل

تعلیم نہیں دے سکے۔ اور ساری صداقت اور سچائی نہیں دکھلا سکے۔ ان سب حالات کی موجودگی میں قرآن مجید کا اعلان اور اعلام عام یہ ہے کہ اسلام بالضرور تکمیل و اتمام کے مدارج پر پہنچیگا اور نیز اسلام اپنے مقاصد میں یقیناً فائز المرام ہوگا۔

اس آیت کا نزول تو اسوقت ہوا تھا جب مہاجرین و انصار کو اطمینان کے ساتھ روٹی کھانی نہیں ملتی تھی۔ اور نماز بھی دشمن کے حملہ سے بے خطر ہو کر نہیں پڑھی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس پیشگوئی کے پورا ہونیکا وقت آگیا۔ اور اس مبارک دن کا سورج نکلا جس روز

مادی دنیا کی انتہائی بلندی سے حقانیت کی آواز

اللہ کے نبی نے عرفات کے میدان میں وہاں کی سب سے بلند پہاڑی (کوہ رحمت) پر چڑھ کر سب سے بڑے مرکب (ناقہ قصوی) پر سوار ہو کر یعنی مادی دنیا کی اقصیٰ بلندی کے سر پر پاؤں رکھ کر عالم و عالمیان کو اس نوید فرخ سے زندہ جاوید فرمایا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

آج تمہارا دین تمہارے فائدے کیلئے کامل کر دیا۔ آج میں نے تم سب پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا آج میں بتلاتا ہوں کہ میری خوشنودی یہ ہے کہ اسلام ہی تمہارا دین ہو۔

ناظرین آپ نے پیشگوئی کو بھی دیکھا اور اسکا اتمام بھی دیکھ لیا۔

تیسری پیشگوئی

تیسری پیشگوئی اسلام کی بابت کہ وہ استحکام میں بڑھتا جائیگا اور اس کا پھیلاؤ روز بروز زیادہ ہوتا جائیگا۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔ کلمہ طیبہ کی مثال اس پاکیزہ درخت جیسی ہے جسکی جڑھ مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ اور جسکی شاخیں آسمان میں پھیلتی جاتی ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت (ہر زمانہ) میں پھل دیا کرتا ہے۔

ثابت اسم فاعل ہے۔ اور اسم فاعل میں استمرار ہوتا ہے۔ سماء سمو سے بنایا گیا ہے رفعت و شوکت بلندی۔ عزت کے معانی اس لفظ میں شامل ہیں۔

وہ درخت جسکی جڑیں پاتال کیطرف بڑھتی جائیں جس سے درخت مضبوط بھی زیادہ ہوتا

جائے اور خوراک بھی اسے زیادہ ملتی رہے۔

وہ درخت جس کا نشو ونما جاری رہے جسکی طراوت و تازگی قائم رہے۔ اسکی شاخیں پھیلا کرتی ہیں، فضا میں لہلہایا کرتی ہیں۔ آسمان کو جایا کرتی ہیں، وہ آسمانی برکتوں اوس۔ مینہ سے بھی غذا لیتا ہے وہ زمینی برکتوں نہر اور چشموں سے بھی پلتا ہے۔

جمعیت کے اعتبار سے اس کا تنہ ایک ہوتا ہے۔ اور پھیلاوٹ کے لحاظ سے اسکی شاخیں انیک۔

یہی مثال اسلام نے کلمہ طیب کی ہے۔ جہاں اُسکا بیج بویا گیا تھا۔ وہاں اسیطرح دائم وقائم ہے اور اسکی شاخیں چین و افریقہ انگلینڈ و امریکہ تک پھیل گئی ہیں

ہندو قوم کی بابت کوئی کہتا ہے کہ وسط ایشیا سے آئی۔ اور کوئی کہتا ہے کہ تبت سے نیچے اتری۔ تبت اور ترکستان وادا اُنہیں جاکر دیکھو اور پوچھو کوئی اس دعوی کا مصدق بھی موجود ہے؟ ہرگز نہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ جڑ قائم نہیں۔ یہی حال دنیا کی اکثر اقوام کا ہے۔

بنی اسرائیل کو فلسطین کی زمین وعدہ کے ساتھ دیگئی تھی کہ اگر وہ شریعت کے پیرو رہے تو ابدالآباد کے لئے یہ مملکت اور اسکی حکومت انہی کو حاصل رہے گی۔ لیکن کیا اب اسکی جڑ اس وعدہ کی زمین میں قائم بھی ہے؟

جنگ عظیم (۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء) میں ان بے چاروں نے اربوں روپیہ بڑی بڑی سلطنتوں کو قرض دیا کہ وعدہ کی زمین کو قومی گھر بنادیا جائے لیکن وہاں کے باشندے ابتک انکے قدم وہاں جمنے نہیں دیتے۔

اگر انگلستان کی کوششیں بار آور بھی ہوئیں تب بھی یہ مملکت اور سلطنت تو نہ ہوتی جسکا وعدہ ابراہیم اور موسیٰ اور داؤد و سلیمان علیہم السلام کے ساتھ تھا۔ بلکہ یہ تو ہی غلامانہ اطاعت ہوتی جسکے بدلے میں بخت نصر اور گشتاسپ وغیرہ نے بھی یہودیوں کو اس سرزمین پر بسنے کی اجازت دیدی تھی۔ جبکہ وہ بعہد مسیح رومیوں کی ماتحتی میں رہتے تھے۔

پارسی قوم کا قومی گھر ایران ہے لیکن اب تو وہاں انکا کوئی پرسان حال بھی نہیں کیا

ان حالات میں یہ اقوام اَصْلُهَا ثَابِتٌ کے الفاظ اپنے اوپر چسپاں کر سکتی ہیں۔ یہودیوں ہندوؤں۔ پارسیوں وغیرہ کی قوم جس جمود پر پڑی ہوئی ہے۔ یا جس ملکی احاطہ میں محدود ہے وہ ان حالات میں فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کا مصداق ہونے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہیں؟

ہاں اسلام ہے۔ جو نہ کسی حویلی کا بیل ہے۔ نہ کسی کے صحن خانہ کا نیم ہے۔ نہ کسی باغیچہ کا پیڑ۔ وہ آسمان کے تمام خلاء کو اپنا سمجھتا ہے اور اس میں پھیل رہا ہے۔

ہاں آیت پر مکرر غور کرو۔ کہ اس میں اسلام کی پانچ خوبیوں کا بیان کیا گیا ہے۔

الف۔ شَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ واضح ہو کہ اسلام کی وحدت تعلیم اور مساواۃ حقوق بھی منفرد ہے اس لئے اسلام کی بہترین تشبیہہ درخت میں پائی جاتی ہے۔ کہ ایک ہی تنہ پر بیشمار شاخیں ڈالیاں اور پتّے ہوتے ہیں۔ اور وہ سب غذا و نمو میں اسی تنہ سے یکساں مستفیض ہوتے ہیں

(ب) اسے طیبۃ کہا گیا ہے۔ جس میں صورت کی خوشنمائی بھی شامل ہے۔ اور جس کا سایہ اور ثمر بھی ہوتا ہے۔ اسلام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی موہنی شکل و صورت سے دلربا رہا ہے اور پاکیزہ تعلیمات سے طیب مانا گیا ہے۔

ج۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔

د۔ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کی بابت ہم دلیل اوّل میں لکھ چکے ہیں۔

ھ۔ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ہر ایک درخت کے پھل لانیکا وقت مقرر ہوتا ہے کوئی گرما میں کوئی سرما میں۔ کوئی بہار میں کوئی خزاں میں پھل لایا کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسلام کو ایسا درخت بتلایا جو ہر وقت پھل لانیوالا ہے۔

قیام مکہ کے ایام میں اشاعت

اسلام کے اُس ابتدائی زمانہ کو دیکھو۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی مکہ میں قیام فرما تھے۔ اور مسلمان اپنی اپنی جانوں اور ایمانوں کے بچاؤ کے لئے مختلف ممالک میں بھاگے پھرتے تھے کہ حبش و یمن میں اسلام نے اُسوقت سایہ ڈالا تھا

قیام مدینہ میں اشاعت

اس دور دوئمین کو دیکھو۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اقامت گزین ہوئے۔ کہ بحرین و عمان اور دومۃ الجندل اور سرحد شام تک کے لوگ اسی تحفہ اسلام کے اثمار شیریں ثابت ہوئے تھے۔

پیشگوئی

کہ لڑائیوں میں مسلمانوں ہی کو غلبہ رہے گا۔

اِنَّ جُندَنَا لَھُمُ الغَالِبُونَ (صافات) ہمارا لشکر ہی برابر غالب آتا رہے گا۔

جب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ ملی۔ اور نہ مدافعت حربی کا حکم ہوا۔ اُسوقت تک برابر گوناگوں جور وستم کا آماجگاہ بنے رہے لیکن جب اُنکی مظلومانہ حالت اور مجروحانہ بےبسی پر رحم کھاکر اللہ تعالےٰ نے اُن کو جنگ کی اجازت دیدی اور مسلمانوں کی جمعیت فوجی تنظیم سے منظم ہوگئی۔ حتیٰ کہ اُس پر لفظ جُند کا اطلاق صحیح ہوگیا۔ اُسوقت سے پھر مسلمانوں کو کسی جگہ شکست نہیں ملی۔ وہ فتح پر فتح حاصل کرتے گئے۔ نصرت وظفر اُن کے علم بردار رہے عراق و فلسطین شام وایران خراسان وترکستان مصر وسوڈان کے واقعات کو پڑھ لو۔ کہ مسلمانوں کو ایک دفعہ بھی شکست نہ ہوئی۔ اور ہر جگہ اُنہی کو غلبہ حاصل رہا۔ ایسی زبردست پیشگوئی کا اعلان وہی مالک فرماسکتا ہے۔ جسکے قبضۂ اقتدار میں اقوام کی ذلت وعزت کی ترازو ہے۔ ہاں وہی مالک جسکا علم عہد مستقبل پر بھی اتنا حاوی ہے کہ انسان کا علم عہد ماضی پر بھی اُسقدر حاوی نہیں ہوسکتا۔

آیت میں مزید غور طلب لفظ جُندنا ہے یعنی آلہی لشکر۔ یہ ظاہر ہے کہ آلہی لشکر صرف وہی ہوسکتا ہے۔ جسکا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہو اور جس کا مدعا فتح کنوز۔ یا ملکیت خزائن والوں سے بالاتر ہو۔ کیونکہ جب مقصد بدل جائیگا۔ تب وہ لشکر جُندنا کہلانیکا مستحق نہ ہوگا۔ اور جب وہ جُندنا کی صفت سے عاری ہوگیا تو اُس کا بہت سے مقامات پر مغلوب ہوجانا یا انتہائی تغیر کے سامنے مقہور ہوجانا کبھی داخل تعجب نہ رہے گا۔

ان پچھلی صدیوں میں اگر مسلمان غلبہ تامہ سے محروم ہوگئے ہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ صفت "جُندنا" (آلہی لشکر) سے دور ہوگئے۔ لہذا آیت بالا دو پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مسلمانوں کی کبھی شکست نہ ہوگی۔ جب تک اُنکا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا۔

(۲) مسلمانوں سے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قائم نہ رہیگا۔ جبکہ اُن کا یہ مقصد نہ رہے گا۔

پیشگوئی

کہ اہل اسلام کو روئے زمین پر حکومتیں حاصل ہونگی

وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ۔ تمکو زمین پر حکومتیں دے گا۔

یہ آیت عام مسلمانوں کیطرف خطاب فرماتے ہوئے نازل کیگئی ہے۔

اِسی پیشگوئی کا ظہور تھا۔ کہ بنو اُمیہ نے دمشق میں ایک ہزار مہینے تک حکومت کی اور بعد ازاں غرناطہ وغیرہ میں حکومت حاصل کی۔ اور ہسپانیہ پر صدیوں تک حکمران رہے۔ اِسی پیشگوئی کا ظہور ہے کہ عہد فاروقی سے لیکر آجتک مصر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اور مختلف خانوادے یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

اِسی پیشگوئی کا ظہور تھا۔ کہ دمشق میں انقراض دولت اُمویہ کے بعد عباسیہ نے بغداد میں پورے جاہ وجلال کے ساتھ چھ صدیوں تک حکومت کی

اسی پیشگوئی کا ظہور تھا۔ کہ عباسیہ کے غلاموں ترکوں نے ترکستان وخراسان وغیرہ میں حکومت حاصل کی۔ پھر اُنہی کی ایک شاخ نے قسطنطنیہ فتح کر کے یوروپ میں حکومت حاصل کی۔ اور اُنہی کی ایک شاخ نے ہندوستان میں ۹ صدیوں تک سلطنت کی

الغرض فراعنۂ مصر۔ اکاسرۂ ایران۔ اور قیاصرہ روما کے ممالک پر اُموی عباسی ترک وکرد اور غلامان وافغانان۔ اور دیگر اقوام کے مسلمانوں کی حکومتیں اسی پیشگوئی کے تحت میں ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی پیشگوئی صرف اللہ تعالیٰ ہی فرماسکتا ہے جو عالم الغیب ہے۔

پیشگوئی

کہ اہل ایمان کی حالت دنیوی بھی اچھی ہوجائیگی

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَّلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ وَّلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ (نحل ع ۴) | جنہوں نے یہاں نیک کام کئے ہیں۔ اُنکے لئے دنیا میں بھی خوبیاں ہیں۔ اور آخرت کا گھر تو بالکل اچھا ہے اور متقیوں کا خوب گھر ہے۔

پیشگوئی

کہ لڑائیوں میں مسلمانوں ہی کو غلبہ رہے گا۔

اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (صافات) ہمارا لشکر ہی برابر غالب آتا رہے گا۔

جب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ ملی۔ اور نہ مدافعت حربی کا حکم ہوا۔ اسوقت تک ۱۳ برس گوناگوں جور و ستم کا آماج بنے رہے لیکن جب اُنکی مظلومانہ حالت اور مجروحانہ بے بسی پر رحم کھاکر اللہ تعالیٰ نے اُن کو جنگ کی اجازت دیدی اور مسلمانوں کی جمعیت فوجی تنظیم سے منظم ہوگئی۔ جتی کہ اُس پر لفظ جُند کا اطلاق صحیح ہوگیا۔ اُسوقت سے پھر مسلمانوں کو کسی جگہ شکست نہیں ملی۔ وہ فتح پر فتح حاصل کرتے گئے۔ نصرت و ظفر اُن کے علم بردار رہے عراق و فلسطین شام و ایران خراسان و ترکستان مصر و سوڈان کے واقعات کو پڑھ لو۔ کہ مسلمانوں کو ایک دفعہ بھی شکست نہ ہوئی۔ اور ہر جگہ اُنہی کو غلبہ حاصل رہا۔ ایسی زبردست پیشگوئی کا اعلان وہی مالک فرماسکتا ہے۔ جسکے قبضۂ اقتدار میں اقوام کی ذلت و عزت کی ترازو ہے۔ ہاں وہی مالک جسکا علم عہد مستقبل پر بھی اتنا حاوی ہے کہ انسان کا علم عہد ماضی پر بھی اُسقدر حاوی نہیں ہوسکتا۔

آیت میں مزید غور طلب لفظ جُنْدَنَا ہے یعنی آلٰہی لشکر۔ یہ ظاہر ہے کہ آلٰہی لشکر صرف وہی ہوسکتا ہے۔ جسکا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہو اور جس کا مدعا فتح کنوز۔ یا ملکیت خزائن والوں سے بالاتر ہو۔ کیونکہ جب مقصد بدل جائیگا۔ تب وہ لشکر جُندنا کہلانیکا مستحق نہ ہوگا۔ اور جب وہ جُندنا کی صفت سے عاری ہوگیا تو اُس کا بہت سے مقامات پر مغلوب ہوجانا یا اقوام غیر کے سامنے مقہور ہوجانا کچھ داخل تعجب نہ رہیگا۔

ان پچھلی صدیوں میں اگر مسلمان غلبہ تام سے محروم ہوگئے ہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ صفت "جُندنا" (آلٰہی لشکر) سے دور ہوگئے۔ لہذا آیت بالا دو پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مسلمانوں کی کبھی شکست نہ ہوگی۔ جب تک اُنکا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا۔

(۲) مسلمانوں سے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قائم نہ رہیگا۔ جبکہ اُن کا یہ مقصد نہ رہے گا۔

پیشگوئی

کہ اہل اسلام کو روئے زمین پر حکومتیں حاصل ہونگی

وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۔ تمکو زمین پر حکومتیں دے گا۔

یہ آیت عام مسلمانوں کیطرف خطاب فرماتے ہوئے نازل کیگئی ہے۔

اِسی پیشگوئی کا ظہور تھا۔ کہ بنو اُمیہ نے دمشق میں ایک ہزار مہینے تک حکومت کی اور بعد ازاں غرناطہ وغیرہ میں حکومت حاصل کی۔ اور ہسپانیہ پر صدیوں تک حکمران رہے۔ اسی پیشگوئی کا ظہور ہے کہ عہد فاروقی سے لیکر آجتک مصر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اور مختلف خانوادے یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

اِسی پیشگوئی کا ظہور تھا۔ کہ دمشق میں انقراض دولت اُمویہ کے بعد عباسیہ نے بغداد میں پورے جاہ و جلال کے ساتھ چھ صدیوں تک حکومت کی

اسی پیشگوئی کا ظہور تھا۔ کہ عباسیہ کے غلاموں ترکوں نے ترکستان وخراسان وغیرہ میں حکومت حاصل کی۔ پھر انہی کی ایک شاخ نے قسطنطنیہ فتح کرکے یوروپ میں حکومت حاصل کی۔ اور انہی کی ایک شاخ نے ہندوستان میں ۹ صدیوں تک سلطنت کی

الغرض فراعنہ مصر۔ اکاسرۂ ایران۔ اور قیاصرہ روما کے ممالک پر اُموی عباسی ترک و کُرد اور غلامان وافغانان۔ اور دیگر اقوام کے مسلمانوں کی حکومتیں اسی پیشگوئی کے تحت میں ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی پیشگوئی صرف اللہ تعالیٰ ہی فرماسکتا ہے جو عالم الغیب ہے۔

پیشگوئی

کہ اہل ایمان کی حالت دنیوی بھی اچھی ہو جائیگی

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَّلَدَارُ جنہوں نے یہاں نیک کام کئے ہیں، اُنکے لئے الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ وَّلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ (نحل ع ۴) | دنیا میں بھی خوبیاں ہیں۔ اور آخرت کا گھر تو بالکل اچھا ہے اور متقیوں کا خوب گھر ہے۔

یہ آیات سورۂ نحل کی ہیں جو مکیہ ہے۔ مکہ معظمہ میں اہل ایمان دنیوی حیثیت سے جس ضیق و تنگی اور عسرت و افلاس میں بسر کیا کرتے تھے۔ اُسکا حال سب کو بخوبی معلوم ہے کسی کے پاس تہبند ہے تو کرتہ نہیں کرتہ ہے تو سربند نہیں کسی کو ایمان لانیکے جرم میں قید کیا جاتا تھا۔ کسی کو گرم پتھر پر لٹاکر اُسکی چھاتی پر دوسرا پتھر رکھا جاتا کسی کے منہ میں لگام ڈالا جاتا۔ اور ہنٹروں سے مار مار کر اُسے گھوڑے کیطرح پھرایا جاتا۔ کسیکو دہکتے ہوئے کوئلوں پر ننگی پیٹھ کرکے لٹا دیا جاتا کفار سمجھتے تھے کہ یہی حالت ان کی ہمیشہ رہے گی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام نے بتلا دیا کہ یہ حالت بدلنے والی ہے اور مسلمانوں کی دنیوی حیثیت بھی شاندار ہونیوالی ہے۔ فتوحات کے بعد کل دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اُولیٰ کے مسلمان کیسے تنعم و ترفہ اور عزت و شان پر پہنچ گئے تھے۔ جسے دیکھ دیکھ کر صداقت قرآنی کا اقرار اہل کفار و اشرار کو بھی کرنا پڑتا تھا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر کے کنبہ سے پوچھا کہ تمہارے ہاں قالین بھی ہیں وہ بولے کہ ہم اور قالین۔ فرمایا تمکو ملیں گے پھر ایک وقت آیا۔ جبکہ اُن کے گھر میں سادہ فرش قالین کا تھا

مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق پیشگوئیاں

(١) وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً۔ جو کوئی شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کریگا۔ اُسے ملک میں جانے پناہ بھی بہت ملیگی۔ اور کشائش بھی حاصل ہوگی

(٢) فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ پھر جن لوگوں نے ہجرت کی۔ اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور میری راہ میں ستائے گئے اور اُنہوں نے جنگ کی۔ اور مارے گئے۔ ہم اُن کی برائیوں کو بدل دینگے۔ اور انہیں ان باغوں میں داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اجر ہے اللہ کیطرف سے اور اللہ تو بہتر ثواب دینے والا ہے۔

(۳) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ. جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجے والے ہیں۔ اور یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہیں پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے۔ انکے لئے جنت ہے اور وہاں انکے لئے دائمی نعمتیں ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔

ہر سہ آیات بالاخاصۃً مہاجرین پاک کے متعلق ہیں۔

پہلی آیت کا وعدہ دنیا کے متعلق ہے۔ اور دوسری، تیسری آیت کا وعدہ دنیا و عقبیٰ ہر دو کے متعلق ہے۔

مہاجرین گھربار، خویش و تبار، املاک و اموال کو چھوڑ کر صرف اللہ و رسول کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ میں پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کے مطابق اُن کو بڑی بڑی جائدادوں کا مالک بنایا لاکھوں کروڑوں کی تجارت انکے قبضہ میں آئی۔

جنات اور نعیم مقیم کی بشارت کی قسط اول دنیا ہی میں پوری کی گئی۔ غور کرو کہ عراق و شام ایران و مصر و خراسان و سوڈان کے فاتح سب کے سب مہاجرین ہیں۔ خالد بن ولید سیف اللہ۔ اور ابوعبیدہ عامر بن الجراح امین الامت سعد بن وقاص اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی سرح وہ بڑے بڑے جرنیل ہیں جنہوں نے ان ممالک میں نور اسلام پہنچایا۔ اور وہاں کے نعیم مقیم کو اہل ایمان کیلئے عام کر دیا تھا۔

پیشگوئی

کہ تنگ دستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائینگے

وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. اگر تمکو تنگدستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ عہد مستقبل میں تمکو اپنے فضل سے غنی کریگا۔

یہ آیات سورۂ نحل کی ہیں جو مکیہ ہے۔ مکہ معظمہ میں اہل ایمان دنیوی حیثیت سے جس ضیق و تنگی اور عسرت و افلاس میں بسر کیا کرتے تھے۔ اُسکا حال سب کو بخوبی معلوم ہے کسی کے پاس تہبند ہے تو کُرتہ نہیں کُرتہ ہے تو سر بند نہیں۔ کسی کو ایمان لانیکے جرم میں قید کیا جاتا تھا۔ کسی کو گرم پتھر پر لٹا کر اُسکی چھاتی پر دوسرا پتھر رکھا جاتا۔ کسی کے منہ میں لگام ڈالا جاتا۔ اور ہنٹروں سے مار مار کر اُسے گھوڑے کیطرح پھرایا جاتا۔ کسیکو دہکتے ہوئے کوئلوں پر ننگی پیٹھ کر کے لٹا دیا جاتا۔ کفار سمجھتے تھے کہ یہی حالت ان کی ہمیشہ رہے گی۔

لیکن اللہ تعالٰے کے کلام نے بتلا دیا، کہ یہ حالت بدلنے والی ہے اور مسلمانوں کی دنیوی حیثیت بھی شاندار ہونیوالی ہے۔ فتوحات کے بعد کل دنیا نے دیکھ لیا کہ قرونِ اُولٰی کے مسلمان کیسے تنعم و ترفہ اور عزت و شان پر پہنچ گئے تھے۔ جسے دیکھ دیکھ کر صداقت قرآنی کا اقرار اہلِ کفار و اشرار کو بھی کرنا پڑتا تھا۔

سنن ابو داؤد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر کے کنبہ سے پوچھا کہ تمہارے ہاں قالین بھی ہیں وہ بولے کہ ہم اور قالین۔ فرمایا تمکو ملیں گے پھر ایک وقت آیا۔ جبکہ اُن کے گھر میں سادہ فرش قالین کا تھا

مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق پیشگوئیاں

(۱) وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً۔ جو کوئی شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کریگا۔ اُسے ملک میں جانے پناہ بھی بہت ملیگی۔ اور کشائش بھی حاصل ہو گی

(۲) فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ پھر جن لوگوں نے ہجرت کی۔ اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور میری راہ میں ستائے گئے اور اُنہوں نے جنگ کی۔ اور مارے گئے۔ ہم اُن کی برائیوں کو بدل دینگے۔ اور انہیں ان باغوں میں داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اجر ہے اللہ کیطرف سے اور اللہ تو بہتر ثواب دینے والا ہے۔

(۳) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَ جَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۔ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۔ جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کیا۔ وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں بڑے درجے والے ہیں۔ اور یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہیں پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے۔ انکے لئے جنت ہے، اور وہاں اُنکے لئے دائمی نعمتیں ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔

ہر سہ آیات بالاخاصۃً مہاجرین پاک کے متعلق ہیں۔

پہلی آیت کا وعدہ دنیا کے متعلق ہے۔ اور دوسری، تیسری آیت کا وعدہ دنیا و عقبیٰ ہر دو کے متعلق ہے۔

مہاجرین گھربار، خویش و تبار، املاک و اموال کو چھوڑ کر صرف اللہ و رسول کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ میں پہنچے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے پہلی آیت کے مطابق اُن کو بڑی بڑی جائدادوں کا مالک بنایا لاکھوں کروڑوں کی تجارت انکے قبضہ میں آگئی۔

جنات اور نعیم مقیم کی بشارت کی قسط اول دنیا ہی میں پوری کی گئی۔ غور کرو کہ عراق و شام ایران و مصر و خراسان و سوڈان کے فاتح سب کے سب مہاجرین ہیں۔ خالد بن ولید سیف اللہ۔ اور ابو عبیدہ عامر بن الجراح امین الامت، سعد بن وقاص اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی سرح وہ بڑے بڑے جرنیل ہیں جنہوں نے ان ممالک میں نور اسلام پہنچایا۔ اور وہاں کے نعیم مقیم کو اہل ایمان کیلئے عام کر دیا تھا۔

پیشگوئی

کہ تنگدستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائینگے

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ۔ اگر تمکو تنگدستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ عہد مستقبل میں تمکو اپنے فضل سے غنی کردیگا۔

سَوْفَ مضارع پر جب آتا ہے تو مضارع کو معنی حال سے نکال کر مستقبل بعید کے معنی میں منتقل کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی انقراض عہد نبوت کے بعد پوری ہوئی۔ صحابہ کی دولتمندی اور غنا کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنی دولت کا خود بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ ہوتا تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف قرشی الزہری کا جب انتقال ہوا۔ تو ایک ہزار اونٹ۔ تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے انکے ہاں موجود تھے نقد و اسباب اسکے علاوہ تھا۔ ان کی ایک عورت کو ۱/۸ کے حساب سے ۸۳ ہزار روپیہ نقد دیا گیا تھا۔

ابو محمد طلحہ بن عبد اللہ کے لنگر میں ایکہزار ورقی کا روزانہ مصارف تھا ورقی ایک سکّہ ہے جو ہموزن دینار ہے۔

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے۔ جو کما کر لایا کرتے۔ حضرت زبیر ان کی کمائی کو خیرات کر دیا کرتے۔ ایک حبہ اپنے پاس نہ رہنے دیتے [1]

پیشگوئی

کہ عرب سے تمام بت ناپید ہو جائینگے اور بت پرستی معدوم ہو جائیگی

یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمَاتِهٖ اللہ تعالٰے اپنے کلام سے باطل کو مٹا دیگا اور حق کی حقانیت کو ثابت کریگا۔

باطل سے بت مراد ہیں۔ یہ معنے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ تو صحن کعبہ میں بت استادہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں چھڑی تھی۔ حضور چھڑی کے ساتھ بت کیطرف اشارہ کرتے تھے۔ اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تھے۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا۔ کہہ دے کہ حق آگیا۔ اور باطل نکل گیا۔ اور باطل نکلنے ہی کی چیز تھی۔

اس پیشگوئی کا چودھویں صدی تک یہ اثر ہے۔ کہ سارا ملک عرب بتوں کے وجود سے خالی اور بت پرستی سے کلیۃً پاک ہے۔

[1] کتاب الاسماء نووی۔

آیت میں لفظ بکلماتہ بکر غور طلب ہے۔ کہ باطل کو محو کرنے اور حق کو ثابت کرنے کا کام کلمات الٰہیہ کا ہے۔ کلام اللہ کی تاثیر ہی یہ ہے کہ اُسکے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔

چین۔ ہند آسام وغیرہ بت پرست ممالک میں ہزارہا بندگانِ خدا کا بت پرستی سے اہل عرب کیطرح بیزار ہوجانا اسی اصول پر تھا۔ کہ جہاں جہاں قرآن حمید کی اشاعت ہوئی۔ وہاں وہاں بت پرستی معدوم ہوگئی۔ عیسائیوں میں مذہب پراٹسٹنٹ کا ظہور و قیام بھی قرآن مجید ہی کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔

پراٹسٹنٹ والے اب تصویر پرستی نہیں کرتے نہ اپنے گرجاؤں میں مسیح اور مریم۔ اور یوحنا کی تماثیل کو رکھتے ہیں اور نہ اُنکے سامنے کورنش و رکوع کرتے ہیں۔

پیشگوئی

کہ مظلوم مہاجرین کو دنیا میں اچھے ٹھکانے اور آخرۃ میں اجر کبیر ملیگا

وَالَّذِینَ ھَاجَرُوا فِی اللّٰہِ مِنۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوا یَعْلَمُوْنَ

جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کیلئے ظلم اُٹھانے کے بعد ہم انکو بہتر اور پسندیدہ ٹھکانے اور مقامات پاکیزہ دینگے۔ اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش دوسرے لوگ بھی اسے جان لیں۔

کون کون مقدس لوگ اللہ تعالےٰ کے اس وعدہ صدق کے موافق مورد الطاف ربانی ہوئے ہا یہ دیکھنے کیلئے مہاجرین کے اسماء مبارکہ پر نظر ڈالو۔ اُن کی حالت پڑھو۔ اُن کی دنیوی کامیابی سے اُنکے اُخروی اجر کبیر کا اندازہ لگاؤ۔ ایک مختصر آیت نے کسطرح سینکڑوں بزرگوں کے انجام کا اعلام فرمادیا ہے۔ یہی ایک آیت قرآن حمید کے کلام ربانی ہونے پر اور مہاجرین کی دنیا و دین میں کامیابی پر دلیل روشن ہے۔

دنیوی و اُخروی سعادات کلیان حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں بھی ہے قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَھٰذَا اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ کہا ہاں۔ میں یوسف ہوں۔ اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہم پر

احسان فرمایا۔ ہاں جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اور صبر کرتا ہے۔ تو اللہ احسان (نیکی) کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

آیت بالا سے ظاہر ہے کہ مہاجرین کیلئے اللہ تعالیٰ نے سعادت دارین کو اسیطرح جمع فرمادیا تھا جیطرح یوسف صدیق علیہ السلام کیلئے جمع فرمایا تھا۔

پیشگوئی

کہ اصحاب رسول اور متبعین رسول کی ترقی آہستہ آہستہ اور تدریجی ہوگی پھر کمال پر پہنچیگی

کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (فتح ع ۵)	اُن کی مثال کھیتی کی سی ہے۔ جس نے سوئی نکالی پھر سوئی کو مضبوط کیا۔ پھر اسے موٹا بنایا۔ پھر وہ اپنی نالی پر کھڑی ہوگئی۔ وہ کسان کو خوش کرتی

ہے۔ اور کفار انہیں دیکھ کر غیظ و غضب میں آرہے ہیں

آیت بالا میں چھ واقعات اور منازل و مدارج کا ذکر ہے۔

الف۔ کھیتی کی سوئی کا زمین سے سر نکالنا۔

ب۔ سوئی کا مضبوط ہونا۔

ہر دو مدارج مکہ معظمہ میں پورے ہوئے۔

ج۔ سوئی کا موٹا ہونا۔

د۔ اپنی نالی پر کھڑے ہو جانا۔

یہ ہر دو مراتب مدینہ منورہ میں جاکر پورے ہوئے۔

ہر چہار مدارج ترقی کے بعد دو بیرونی نتائج کا ذکر فرمایا۔

ہ۔ کسان کا اُس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہونا یعنی اللہ تعالیٰ کا رضوان ہے جسکا اعلان آیت تکمیل ہوئی ہے

و۔ کفار کا انہیں دیکھکر حسد اور غصہ سے جل مرنا۔ یہ اُن سب اشخاص اور اقوام کے متعلق ہے جو مہاجرین کا اعلیٰ مناصب پر فائز ہونا نہیں دیکھ سکتے۔

یہ آیت دراصل چھ پیشگوئی پر مشتمل ہے۔

ہاں اِس پیشگوئی کو اُس پیشگوئی کے ساتھ بھی ملا کر دیکھو۔ جس میں اسلام کو شجرہ طیبہ کے ساتھ تشبیہہ دی گئی ہے۔

پیشگوئی

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

زید بن حارثہ کو جبیر بن مطعم نے عکاظ منڈی سے خدیجۃ الکبریٰ کیلئے خرید کیا تھا۔ جب طاہرہ خدیجہ کا حضور کے ساتھ عقد ہوا۔ تب زید کو انہوں نے حضور کی خدمت کے لئے مامور کر دیا۔ جب حضور کو خلعت نبوت پہنایا گیا۔ تو زید بھی اسی پہلے دن ایمان لائے جس دن خدیجہ اور علی اور ابو بکر ایمان لائے تھے۔ لہذا یہ اوّل السابقین میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے انکی بابت فرمایا ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ۔	جب آپ اُس شخص سے کہہ رہے تھے جسپر اللہ نے بھی انعام کیا ہے اور آپ نے بھی انعام کیا۔

آیت بالا سے ظاہر ہوا کہ وہ انعام یافتہ الٰہی ہیں۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ انعام یافتہ الٰہی کون کون لوگ ہوتے ہیں۔

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (نساء ۹۴)	اللہ و رسول کی اطاعت کرنیوالے اُن لوگوں کے ساتھ ہونگے جنپر اللہ نے انعام کیا ہے۔ اور وہ انبیاء و صدیق اور شہداء و صالحین ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جو شہید ہے وہ انعام یافتہ الٰہی ہے اور جو انعام یافتہ الٰہی ہے وہ اگر نبی یا صدیق نہیں تو ضرور ہے کہ وہ شہید ہو۔ یا صالح ہو۔ زید بن حارثہ کیلئے آیت بالا انکی شہادت کی خبر دینے والی تھی چنانچہ ۸ھ ہجری میں غزوہ موتہ کی سپہ سالاری کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اور پیشگوئی پوری ہوئی۔

پیشگوئی

غیر اقوام کا مسلمان ہونا اور اسلام کی خدمت میں شاندار کام کرنا۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (سورہ محمد) | اگر تم منہ پھیرو گے تب اللہ تمہارے سوا دوسری قوم کو بدل دیگا۔ اور وہ منہ پھیرنے والی قوم نہ ہوگی

آیت کا خطاب (جیساکہ قرآن مجید ہی کی عبارت بالا سے واضح ہے) اُن لوگوں کیطرف ہے جو جہاد سے منہ چرانے والے تھے۔ اب دیکھو کہ سوڈان۔ بربر۔ افریقہ۔ اندلس۔ خراسان سندھ۔ ہندوستان میں جہاد کرنے والی قومیں وہ ہیں۔ جنکا ان منافقین کے ساتھ کوئی بھی نسبی تعلق نہیں۔

کرد۔ ترک مغول خلجی۔ سوری۔ غوری اقوام نے اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جو خدمات انجام دیں۔ وہ سب اسی پیشگوئی کے تحت میں ہیں۔

اہل ایمان کے متعلق پیشگوئیاں

پہلی پیشگوئی | خلافت راشدہ کے متعلق جس میں خلافت راشدہ کے متعلق علامات بھی واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور یہ ایک پیشین گوئی دراصل چھ پیشینگوئیوں کا مجموعہ ہے۔

آیت کریمہ جو چھ پیشینگوئیوں اور ایک وعید پر مشتمل ہے یہ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے ایمان والوں کے ساتھ جنہوں نے عمل بھی اچھے کئے ہیں۔

(۱) لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ کہ اللہ اُن کو ضرور الارض کا خلیفہ بنائیگا۔

(۲) كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جیساکہ اُن سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

(۳) وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ اور اُن کے دین کو اُنکے لئے مکنت۔ قوت بخشیگا وہ دین جسکو ان کیلئے اللہ نے پسند کیا ہے۔

۴۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا اور اُنکے خوف کو امن سے بدل دیگا۔
۵۔ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وہ میری ہی عبادت کرینگے ذرا بھی شرک نہ کرینگے۔
۶۔ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ اور جو کوئی اس حالت کے بعد بھی کفر کریگا وہی فاسق اصلی ہوگا۔

یہ وعدہ ہے۔ اور اُن لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے جو تعلیم نبوت کے ترجمان اور عمل صالح کی صفت سے متصف تھے۔

وعدہ میں مندرجہ ذیل چھ پیشین گوئیاں شامل ہیں۔

اوّل۔ الارض کی خلافت۔

الف۔ خلافت کے لفظ پر غور کرو۔ اللہ تعالےٰ نے قیام خلافت کے اعزاز کو ہمیشہ اپنے ہی اقتدار و اختیار و انتخاب میں رکھا ہے۔

خلافت آدم علیہ السلام کا ذکر تھا تب بھی یہی فرمایا

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً میں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔

سیّدنا داؤد علیہ السلام کی خلافت کا ذکر ہوا۔ تب بھی یہی فرمایا

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ اے داؤد ہمنے تجھے الارض کا خلیفہ بنایا ہے۔

اب مومنین صالحین امت محمدیہ کیساتھ وعدہ ہوا تو بھی یہی فرمایا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم یعنی اللہ اُنکو خلیفہ بنائیگا۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہوگیا کہ خلفائے راشدین کا نام قرآن مجید میں خلفاء رکھا گیا ہے۔

دوم یہ کہ انکا تقرر و انتخاب منجانب اللہ تھا۔

ب۔ آیت کا نزول ۵ھ ہجری نبوت میں ہوا ہے۔ کیونکہ اسی سورۂ نور میں واقعۂ افک بھی درج ہے جو باتفاق علماء سیر ۵ھ کا واقعہ ہے اس لئے معلوم ہوا کہ اس وعدہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو ۵ھ سے پہلے ایمان لائے ہوئے تھے۔ اسی لئے اٰمَنُوا اور عَمِلُوا ماضی کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں اس وعدہ کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کا اسلام یا ولادت نزول آیت ہذا کے بعد ہوئی۔ اور وہ خلافت راشدہ (جسکا تقرر بارگاہ الٰہی سے ہوتا ہے) کا

دعوے کرے تو اُسکا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

ج۔ الارض کے معنی عام بھی ہیں اور خاص بھی۔ جب اسکے معنے وعدہ کی زمین ہیں تب تو اس سے وہی معنے لئے جاوینگے۔ اور جب اسکے معنے مطلق لئے جاویں تب معنی میں بھی عمومیت ہو گی۔ قرآن مجید میں اس کا اطلاق ہر طرح سے آیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمانا لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ الارض سے مراد کل کرہ زمین ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمانا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ میں الارض سے مراد ملک مصر ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ اس میں الارض سے مراد وعدہ کی وہ زمین ہوگی جسکی بابت اللہ تعالےٰ نے یہ بھی قرار دیدیا ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

اب قرآنی پیشینگوئی میں فِي الْاَرْضِ کی تعیین میں وعدہ کی زمین بھی مراد ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ فلسطین کی وہ زمین موعودہ جو اللہ تعالےٰ نے اپنے خلیل ابراہیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو دی تھی۔ جو ہزاروں سال سے اس خانوادہ عالیشان کی ایک شاخ بنو اسرائیل میں چلی آتی تھی۔ اس کا قبضہ اب خلفاء اُمّت محمّدیہ کو دلا دیا جاویگا۔ ان معنے کے لحاظ سے بھی آیت میں صریح پیشینگوئی موجود ہے۔ کیونکہ نزول قرآن بلکہ حیات نبوی تک کوئی ایسے آثار وقرائن نمودار نہ تھے کہ مسلمان عرب سے آگے بڑھ کر ارض مقدسہ کے بھی مالک ہو جاوینگے

دشمن (خصوصاً سلطنت روما جو ارض مقدسہ کی قابض تھی) یہ تیاریاں کئے ہوئے تھا۔ کہ سرور کائنات کے وصال کے بعد فوراً یکبارگی عرب پر حملہ کردیا جائے۔

مصر اور حبش کے باجگذار بادشاہ بھی اپنے اپنے ممالک سے حملہ آور ہوں اور خود قیصر بھی شام کیطرف سے آگے بڑھے۔ اور اس تدبیر سے تمام عرب بیک وقت واحد میں ہی تسلط تام بھی کر لیا جائے۔ اور اس نو خیز مذہب کا جس نے عیسائیت پر عرب میں غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اور جس نے اپنے عقلی دلائل سے تثلیث کی بنیاد کو سارے عالم کی نگاہ میں متنزلزل کردیا تھا۔ کام بکلیت ختم وتمام کر دیا جائے۔

دشمنوں کی ان تیاریوں پر قرآن پاک فرما رہا ہے کہ زمین موعودہ برگزیدہ مومنوں کو ملے گی چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا کہ اسْتَخْلَفَ کی تشبیہہ کامل طور پر پوری ہوگئی۔

اَلْاَرض سے مراد عام ممالک بھی اسی پیشینگوئی کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اور اسی لئے عراق فلسطین۔ شام اور ایشیائے کوچک مصر و ایران بحرین و خراسان۔ مراکو۔ طیونس۔ سوڈان وغیرہ الغرض وہ سب ممالک جو حملہ کرنے والے دشمنوں کی سلطنتوں میں داخل تھے سب کے سب خلفاء کے قبضہ میں آگئے۔

دوم۔ آیت استخلاف میں صرف فتوحات ملکی ہی کا ذکر ہوتا تو کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ جس خلافت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ صرف برکات دنیوی پر مشتمل تھی مگر غور سے پڑھو کہ آیت تو مکنتِ دین عزت اسلام شوکت مذہب کا بھی وعدہ کرتی تھی۔

(۵) ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ دیتا کہ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ میں مذہب غیر از اسلام کو بھی لفظ دین سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اسکے ساتھ اَلَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ کے پاک الفاظ بھی نازل کردیئے گئے۔ اگر ہم قرآن مجید ہی سے اِرْتَضٰى لَهُمْ کا مشارٌ الیہ معلوم کرنا چاہیں تو آیت تکمیل میں یہ الفاظ ملینگے۔ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

اور پھر اسلام کے متعلق یہ اور آیت ملیگی۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

یہ سب آیات اس امر کو استحکام کے ساتھ واضح کردیتی ہیں کہ خلفاء کا دین ہی اللہ تعالےٰ کا پسندکردہ دین ہے۔

سوم۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

اس میں امن بسیط اور آسائش تام اور رفاہیت کامل کا اظہار ہے جو خلافت خلفاء راشدین میں حاصل ہوا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشینگوئی کا ظہور بھی جو حضور نے سیدنا عدی بن حاتم سے فرمائی تھی کہ وہ اپنی عمر میں دیکھ لیگا۔ کہ ایک عورت صنعا سے تنہا چل کر حج کرے گی اور راہ میں اُسے خوف الٰہی کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اسکا ظہور بھی زمانہ خلافت ہی میں ہوا تھا۔

پس یہ الفاظ پاک اندرونی و بیرونی نظم و نسق پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ الفاظ ماسبق کشور کشائی

گیتی ستانی کے مظہر ہیں۔ دنیا کے کسی فاتح کے زمانہ میں ان دو اوصاف کا جمع ہونا بہت دشوار ہوا ہے سکندر مقدونی اور تیمور تاتاری کی فتوحات کو دیکھو۔

سکندر مقدونیہ سے اٹھتا۔ ایران کو تباہ کرتا مصر کو خاک میں ملاتا بابل کا خاتمہ کرتا ہوا۔ رکاو دریا پر سے گذرتا ہوا ایشیائے کوچک تک جا پہنچتا ہے۔

تیمور کو دیکھو کہ تاتار سے امنڈتا۔ ترکستان پر قبضہ جماتا تخت کابل پر جلوہ آرا ہو کر ہندوستان میں نقارہ شاہی بجاتا۔ بغداد کو زیر و زبر کر کے سلطان یلدرم کو انگورہ میں اسیر کرتا پھر روس کو مسخر کرتا ہوا تاتار میں جا پہنچتا ہے۔ چین اسی کے عزم سے لرزہ بر اندام ہے۔ اور منگولیا و کوریا کی سلطنتیں اسکے سامنے خراج پیش کر رہی ہیں۔

لیکن ان دونوں کے ملکی نظم و نسق کو دیکھو تو بالکل ہیچ صفر کے برابر۔

قرآن پاک کی پیشینگوئی بتلا رہی ہے کہ خلافت ان ہر دو اوصاف عالیہ کی جامع ہو گی اور وہ حکومت کا ایک ایسا نمونہ دنیا میں چھوڑے گی جسکی تقلید کرنے سے آجتک فرانس و امریکہ کی جمہوریت بھی درماندہ و عاجز ہے۔

چہارم۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ کے لفظ نے خلفاء کے خلوص طلب اور صدق ارادت اور استحکام علم و عمل پر مہر لگا دی۔ مالک کی جانب سے کسی بندہ کی قبولیت کا اظہار وہ انتہائی عزت و فخر ہے جو قرآن مجید میں انبیائے کرام ہی کیلئے خاص تھا۔ یہاں اس شرف میں خلفائے راشدین کو بھی شامل کر دیا گیا۔

پنجم۔ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ فرمانے سے وصف کی تکمیل ہو گئی۔ اوصاف عالیہ کی تقسیم اثبات و سلب پر کی جاتی ہے۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ وصف مثبت ہے اور لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ صفت سلبی ہے۔ یہاں بھی نفی شرک لے توحید کا کمال۔ اعتقاد کا رسوخ ایمان کی سلامتی۔ دوام عمل کو بخوبی واضح کر دیا۔

ششم۔ شَیْئًا کے فرما دینے سے شرک جلی کے ساتھ شرک خفی کی بھی نفی ہو گئی۔ ریا و سمعہ کا شائبہ بھی جاتا رہا۔ اور نور صدق و صفا کا کامل ظہور ہو گیا۔

ہفتم۔ ان علامات کے بعد یہ بھی بتلا دیا کہ خلفاء کی برکتوں کا انکار یا اس پیشینگوئی کا اشتباہ

بہت برے انجام تک پہنچا دیتا ہے۔ اور بارگاہ الٰہی سے اسے لعنتی کا خطاب مل جاتا ہے۔

ناظرین غور کریں کہ جس خلافت کی خبر دی گئی اور جسکی فتحمندی نصرت وامن اور دین داری وصداقت گستری کی بابت پیشینگوئی فرمائی گئی۔ خلافت راشدہ میں ٹھیک اسیطرح ہر ایک بات پوری اُتری جسکی شہادت نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ بلکہ اعداء کی تحریروں اور ممالک غیر کی تواریخ سے بخوبی حاصل ہوتی ہے۔

(ل) ہمکو آیت پر مکرر غور کرنا ہے کہ کیا اس سے موعودہ خلافت کے خلفاء کی تعداد بھی معلوم ہو سکتی ہے؟

میں کہتا ہوں کہ ہاں۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ۔ اِرْتَضٰى لَهُمْ وغیرہ الفاظ میں سب جگہ جمع کے صیغے اور جمع کے ضمائر استعمال کئے گئے ہیں۔ اور زبان عرب میں جمع کیلئے کم از کم تین کا ہونا ضروری ہے۔ تین سے زائد تعداد تو اس میں آسکتی ہے مگر تین سے کم تعداد کیلئے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوگا۔ جمع کا نہیں۔ لہذا مسلمانوں کا یہ مذہب کہ خلافت راشدہ کے والی ابوبکر عمر عثمان وعلی رضی اللہ عنہم چار مقدس ہستیاں ہیں یا بالشمولیت امام حسن علیہ السلام پانچ ہیں بالکل صحیح ثابت ہے بلاغت قرآنی کو دیکھو کہ ان چاروں یا ان پانچوں پر نزول آیت کے وقت اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی علامت کامل طور پر منطبق شدہ ہے۔

ہماری اس تمام تر بحث کا مقصد قرآنمجید کی اُن پیشینگوئیوں کا ذکر کرنا تھا۔ جو خلافت راشدہ کے متعلق ہیں خلافت کا آغاز بعد از ارتحال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا جبکہ نزول وحی کا باب مسدود ہو چکا تھا۔ اب انہی علامات امارات وبشارات کے مطابق خلافت کا قیام واستحکام امر مالک الناس کا کام ہے۔ جس نے خود اپنا کلام رسول پاک پر اُتارا۔ اور جس نے خود اپنے رسول کی اُمت میں سے خلافت کیلئے چند نفوس مزکی کا انتخاب فرمایا۔ جنکا ہر ایک قول وفعل کتاب اللہ کا مصداق اور کتاب اللہ انکی مصدق تھی۔

ساتویں پیشینگوئی کہ قرآنمجید کے مخاطبین اولی پر ایک فتنہ عام برپا ہوگا	وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ بچو اس فتنہ سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہ پہنچیگا۔

اس آیت میں ایسے فتنہ عام کی خبر دی گئی کہ ظالم وغیر ظالم سب ہی اسکی لپیٹ میں آجائیں گے

بیشک قومیت کے نقصان اور نظم ملّی کے اختلال کی آفات میں سے ایک یہ بھی آفت ہے کہ اس مصیبت کا اثر سب پر پڑتا ہے۔

شہادت عثمان ذوالنورین، واقعہ جمل، واقعہ صفین، شہادت علی مرتضٰی، واقعہ ہائلہ کربلا ایسے واقعات ہیں جو اس پیشگوئی کی صحت میں وجود پذیر ہو چکے۔ واقعات بالا میں بڑی تعداد مخاطبین اوّل قرآن مجید کی تھی۔ اور اسی لئے ضمیر متکلم میں کاف خطابیہ استعمال میں لایا گیا ہے۔ اس فتنہ کے وقوع کا امکان ابھی خلافت راشدہ کے بعد جو برکات دنیوی اور انوار دینی کی جامع تھی، عام وہم و گمان سے بالاتر تھا۔ لیکن رب العالمین کا علم صحیح سب آنے والے واقعات پر حاوی ہے اور اس کا کلام ایسے واقعات کا ذخیرہ ہے۔ لہذا ایسے الفاظ میں خبر دی گئی کہ ظالم و غیر ظالم سب پر اس فتنہ کا اشتمال ہوگا۔ یہ نہیں بتلایا کہ لوگ فتنہ میں حصہ لیں۔ بلکہ فرمایا کہ احتراز و اجتناب اور تقوٰی اختیار کریں

صحیح بخاری کی حدیث عن ابی ہریرہؓ میں بھی اس فتنہ کی اطلاع دی گئی ہے۔

سَتَكُونُ الْفِتَنُ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِي ۔ ہمارا مقصود ان دل شکن روح فرسا واقعات کی تفصیل لکھنا نہیں بلکہ قرآن پاک کی پیشگوئی کا اندراج کرنا ہے کہ کیونکر کلام الٰہی میں ان واقعات پر اشارہ موجود تھا۔ اور یہی امر ہے جو اسکے کلام الٰہی ہونے پر دال ہے۔

مستہزئین مکہ کے خلاف پیشگوئی

اللہ تعالٰی فرماتا ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۔ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۔ جو حکم تجھے دیا گیا ہے۔ وہ صاف صاف بیان کر دے۔ ان مشرکین سے رُخ بدل لے۔ استہزاء کرنے والوں سے ہم تجھے کفایت کریں گے۔

ہم نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین جلد اوّل ص۱۳۲ پر جماعت مستہزئین کا ذکر کیا ہے۔ اس کمیٹی کے مقاصد یہ تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑائیں نقلیں اتاریں۔ آوازے کسیں۔ حضور کے وعظ میں شور و شغب سے کھنڈت ڈالیں منہ چڑائیں بے حرمتی کریں۔

اس ناپاک کمیٹی کے گندے اعمال پر غور کرو۔ کیا ان موانع کی موجودگی میں کوئی شخص تبلیغ و اشاعت

ؐ ایسے ایسے فتنے ہونگے جن میں بیٹھنے والا کھڑا ہونیوالے سے۔ اور کھڑا ہونیوالا چلنے والے سے اور چلنے والا ساعی سے بہتر ہوگا۔ ۱۲ منہ

کا مہتم بالشان کام سرانجام دے سکتا ہے؟

لیکن آیت بالا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا کام جاری رکھیں وعظ و نصیح اور بلاغ و انذار کا سلسلہ ٹوٹنے نہ دیں۔ رہا مستہزئین کا رویہ اور طریق اسکی بابت پیشگوئی کی جاتی ہے۔ کہ ہم ان کو خود سمجھ لیں گے۔ اس پیشگوئی کے تحت میں مستہزئین کے نام اور ہر ایک کا انجام پیش کر دیا جاتا ہے۔

۱۔ ابی بن خلف	سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم توڑنے والا یہی شخص تھا۔ بلال ہی کے ہاتھوں نے اس راس الکفر کو خاک و خون میں سلایا۔ اور دار البوار کو پہنچایا۔
۲۔ عاص بن وائل۔	گدھے پر سوار تھا ایک غار کے برابر پہنچا۔ گدھے نے ٹھوکر کھائی تو سر کے بل گڑھے میں اوندھا جا پڑا۔ وہاں ایک سخت زہریلا عقرب موجود تھا۔ اس نے کاٹا۔ سوجن ہو گئی۔ تڑپ تڑپ کر مرا۔
۳۔ نضر بن حارث	مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوا۔ جو اس جماعت میں پیش پیش رہتا تھا۔
۴۔ عتیب	جو اسود بن المطلب کا پوتا تھا۔
۵۔ حارث بن زمعہ	جو عتیب کا چچیرا بھائی تھا۔
۶۔ طعیمہ بن عدی۔	جو سخت بدزبان تھا۔
۷۔ اسود بن مطلب	جو نقلیں اتارا کرتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے سویا۔ اٹھا تو سخت بے چین تھا کہتا تھا کہ میری آنکھوں میں کانٹے چبھوئے جاتے ہیں۔
۸۔ عاص بن منبہ	پہلے گدھے پر سوار تھا۔ طائف کی راہ میں کانٹا لگا۔ اسی کے زہر سے ہلاک ہوا۔
۹۔ منبہ بن حجاج۔	اندھا ہوا۔ پھر تڑپتا ہوا مر گیا۔
۱۰۔ ابو قیس بن فاکہ۔	جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی کو اپنی راحت سمجھتا تھا۔
۱۱۔ امیہ بن خلف۔	شدید بدزبان تھا۔
۱۲۔ ابو جہل۔	جو راس الاشرار تھا۔

۱۳۔ عقبہ بن ابی معیط — جس نے حضور کی گردن میں سجدہ کرتے وقت پھندا ڈالا

۱۴۔ حارث بن قیس سہمی۔ — پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا تھا۔ جو اسکے منہ سے نکلا کرتا۔ اسی ذلت سے ہلاک ہوا۔

۱۵۔ ولید بن مغیرہ — ایک خزاعی سوار کا نیزہ اکحل میں لگا۔ رگ جان کٹ گئی۔

۱۶۔ ابولہب۔ — عدسہ وطاعون میں مبتلا ہو کر جہنم واصل ہوا۔ دونوں عزیزوں نے بھی لاش کو ہاتھ نہ لگایا۔ کوٹھے پر چڑھ کر اسکے اقارب نے لاش پر اتنے پتھر پھینکے کہ لاشہ اُن میں چھپ گیا اور یہی ڈھیر اسکی قبر بنا۔

۱۷۔ اسود بن یغوث۔ — بادسموم سے چہرہ جھلسا گیا۔ گھر آیا۔ تو گھر والوں نے اُسے شناخت نہ کیا۔ گھر سے باہر تڑپ تڑپ کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ زبان پیاس کے مارے دانتوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔

۱۸۔ زبیر بن ابی اُمیہ — وبا کا لقمہ بنا۔

۱۹۔ مالک بن الیطلالہ — لہو۔ راد کی قے آئی اور فوراً مر گیا۔

۲۰۔ رکانہ بن عبد یزید۔ — بیکسی و نامرادی میں جان دیدی۔

غور کرو کہ پیشگوئی کتنے اشخاص کی ہلاکت پر مشتمل تھی۔ اور پھر ہر ایک کا انجام کیسے عبرت بخش حالات کے ساتھ پورا ہوا۔

واضح ہو کہ ذات ہمایونی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق دیگر آیات کو مضمون خصائص النبی میں درج کیا گیا ہے۔

قریش کے دشمن سرداران کے دوست بنجانیکی پیشگوئی | عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً (سورہ ممتحنہ ع ۲) عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان مودت قائم کر دیگا۔

اسکے تحت میں بھی چند مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عَسٰی کا استعمال امر محبوب کی ترجی میں ہوتا ہے۔

(۱) عبداللہ بن ابو اُمیہ بن مغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوپھیرا بھائی تھا مگر اسلام کا اننا

سخت مخالف کہ حضور سے اس نے علانیہ کہدیا تھا۔ کہ اے محمد اگر تو زینہ لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جائے۔ اور میری آنکھوں کے سامنے آسمان سے اُترے تیرے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں۔ اور وہ تیری نبوت و صداقت کی شہادت بھی دیں تب بھی میں ایمان نہیں لاؤنگا۔

یہی عبداللہ بجز بہ توفیق ربانی شہ نبوت میں حاضر دربار ہوتا۔ اور اقرار شہادتین سے معراج ایمان پر فائز ہو جاتا ہے۔ اہل بصیرت اندازہ کریں کہ عبداللہ نے ضرور وہ کچھ دیکھا جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھنے اور اُترنے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر تھا۔

(۲) ثمامہ بن اثال نجد کا فرمانروا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر، حضور کا لایا ہوا دین، حضور کا وجود با جود اسکے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت تھے۔ وہ مدینہ میں صرف تین دن محبوس رہا۔ جس روز آزاد ہوا۔ اسی روز بصد دل و جان حضور کا فریفتہ و شیدا ہو گیا۔ تیر کیا ہوا کہ محبت کا صید بنگیا۔

(۳) عمرو بن العاص۔ اسلام کی مخالفت میں اتنا چالاک تھا۔ کہ قریش نے دربار نجاشی میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ تاکہ مہاجرین پناہ گزین حبش کو اکسٹراڈیشن ملزموں کیطرح حاصل کرکے واپس لائے۔ وہی چند سال بعد گردن جھکائے۔ حیا سے آنکھوں کو قدموں پر جھکائے حاضر ہوتا ہے اور بعد ازاں مبلغ اسلام بنکر جاتا اور ملک عمان کے داخل اسلام ہو جانیکی بشارت لیکر حضور نبوی میں حاضر ہوتا ہے۔ ملک مصر کا فاتح اول بنتا ہے۔

(۴) ابوسفیان صخر بن حرب نے اُحد، غزوہ سویق، احزاب وغیرہ میں مسلمانوں پر حملے کئے بھاری فوجیں لایا مگر وہی اسلام میں داخل ہو کر فتنہ ارتداد میں ثابت قدم رہ کر فتوحات شام وغیرہ میں نہایت کارگذار ثابت ہوا۔

(۵) ابوسفیان بن حارث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچیرا بھائی شاعر زبان آور شروع شروع میں اسلام اور مسلمین کی ہجو میں شعر کہا کرتا۔ پھر بہ ہدایت ربانی حاضر ہوتا اور ابوسفیان سید فتیان اہل الجنۃ کے خطاب سے مشرف ہوتا ہے۔

(۶) سہیل بن عمرو صلح حدیبیہ میں بھی کفار کیطرف سے کمشنر معاہدہ تھا جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان ہی کے خطبہ نے بعد از وفات نبوی اہل مکہ کو استقامت و استقلال بخشا۔ اور بالآخر

شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

(۷) عکرمہ بن ابو جہل شروع شروع میں اسلام کی مخالفت اور کفر کی محافظت میں باپ سے بھی آگے آگے تھا لیکن جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر آنیکا موقعہ ملا۔ سچے جاں نثار اور عاشق زار بنگئے۔ فتوحات میں خالد بن ولید کے بھی دست وبازو ہوتے اور دو ہزار کفار پر اکیلے بھاری سمجھے جاتے۔

(۸) حکیم بن حزام قرشی اسدی ۶۰ سال کفر میں پورے کئے۔ بدر میں مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا حصہ لیا۔ پھر اسلام۔ اور ۶۰ سال تک اسلام کی خدمت میں پورے کئے۔ ایک حج کے موقعہ پر ایک سو اونٹ اور ایکہزار بکرے قربانی کئے۔ اور ایک سو غلام آزاد کئے۔

(۹) عبد یالیل ثقفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف پر تبلیغ اسلام کیلئے تشریف لیگئے۔ تو اس نے لڑکوں۔ غلاموں۔ اوباشوں کو حضور پر پتھر کیچڑ پھینکنے کیلئے مقرر کیا تھا لیکن چند سال کے بعد یہ خود (معہ پنج سرداران دیگر) مدینہ میں حاضر ہوتا ایمان لاتا۔ اور اپنی قوم میں مبلغ بنکر جاتا ہے اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو جاتا ہے۔

(۱۰) بریدہ بن الحصیب اسلمی۔ کفار قریش کے انعام صد شتر کی خبر پاتا اور ستر سوار ساتھ لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ پکڑ لانے یا ہلاک کرنیکا عزم کرکے گھر سے روانہ ہو جاتا ہے مگر جب اسکی آنکھ حضور کے چہرہ پُر نور پر پڑتی ہے۔ اور کان میں آواز دل نواز آتی ہے تو اپنی پگڑی کو اپنے نیزہ پر باندھ کر حضور کا نشان بردار بنجاتا ہے اور غلامانہ ہمرکاب ہو کر آگے آگے چلتا ہے ایسی مثالیں سینکڑوں کی تعداد میں پیش کیجا سکتی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت بالا اپنی پیشگوئی میں کتنی وسیع اور کسقدر سچی ہے۔

سینکڑ وئنگے عذابات قلب۔ ان کے انجام کی اطلاع دینا رب العزۃ ہی کے کلام کا کام ہے

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَا	پیشگوئی کہ جو مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں خود ان کو آخرکار داخل کعبہ ہونیکا حق نہ رہیگا

إِلَّا خَآئِفِيْنَ۔ جو لوگ اللہ کی مسجدوں میں ذکر الٰہی کئے جانے سے روکتے ہیں اور مسجدوں کی بیروفقی میں سعی کرتے ہیں ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ ان کا حق نہیں کہ وہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر

ڈرتے ڈرتے۔

مشرک کو کعبہ میں داخل ہونیکی ممانعت کا اعلان سیّد الحاج ابوبکر صدیق نے ۹ھ ہجری میں کیا۔ اور آجتک یہی حکم برابر جاری ہے جو لوگ اسلامی لباس سے ملبّس ہو کر وہاں جاتے بھی ہیں ان کی جان ہر وقت خوف و خطر میں رہتی ہے۔

جملہ کفار عرب کیلئے پیشگوئیاں

پہلی پیشگوئی | کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہ کر سکیں گے اور خود رسوا ہونگے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكَافِرِيْنَ (توبہ ع ۱) یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہرا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کریگا۔

یہ آیت اسوقت کی ہے جب تمام معاہدہ شکن کفار کے نام چار مہینے کا الٹی میٹم دیدیا گیا تھا۔ خیال ہو سکتا تھا کہ اکیلے مسلمان استقدر قبائل و اقوام کے نام بیک بارگی الٹی میٹم دے رہے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بطور پیشگوئی دو امور کا انکشاف فرمایا۔

(۱) کفار باوجود اپنی قوت و طاقت اور افزونی تعداد وغیرہ کے بھی مسلمانوں کو شکست نہ دے سکیں گے۔ اس جگہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی ہار کو اپنی ہار بتایا ہے کیونکہ کفار کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ دین الٰہی کیوجہ سے تھی اور للہی بغض کیوجہ سے تھی۔

(۲) کفار کو ایسی شکستیں ہونگی کہ وہ اس روز ذلیل ہو جائینگے آجتک وہ عرب میں بڑے بہادر بڑے جنگجو۔ اور انتقام گیر سمجھے جاتے تھے مگر مسلمانوں کے سامنے آتے ہی ان کی شجاعت و بہادری کی پول کھل جائیگی۔ اور وہ سارے ملک میں رسوا و ذلیل ہو جائینگے

قبائل بنو اسد و بنو غسان و بنو غطفان وغیرہ کی حملہ آوریوں کا حال معہ انکے انجام کے پڑھو دونوں پیشگوئیوں کا ظہور بخوبی واضح ہو جاوے گا۔

دوسری پیشگوئی | مشرکین عرب کے مرعوب کئے جانے اور مسلمانوں پر ان کے حملہ آور نہ ہونیکی پیشگوئی

سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا

ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دینگے کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہے ہیں اور شرک وہ چیز ہے جسکی تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو مختصر لڑائی جھگڑے ہوئے وہ صرف قریش یا قریش کی معاہد اقوام کیطرف سے تھے۔ جن میں دشمنوں کو ناکامی ہوئی۔ مندرجہ بالا قبائل ایک ایک دو۔ دو بار مقابل ہوئے۔ اور جو کوئی قبیلہ مقابلہ میں آیا۔ اُسے پھر نبرد آزمائی کی جرأت نہ پڑی حتے کہ سات سال کے عہد قلیل میں تمام ملک میں امن وامان ہو گیا۔

وہ قبائل جو گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے بدکا دینے پر پچاس پچاس برس تک لڑائی جاری رکھتے تھے۔ اور لڑائی کو معمولی مشغلہ سے بڑھ کر کچھ نہ سمجھتے تھے مسلمانوں کے سامنے ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ کبھی انکے خلاف نہ اٹھے۔

بلکہ جنگ آور قبائل سے عہدنامے توڑ توڑ کر مسلمانوں کی مخالفت سے دست بردار ہو گئے یہ سب کچھ اسی پیشگوئی کا اثر تھا۔ کہ اللہ تعالے نے کفار کے دل میں رعب ڈالدیا تھا بیشک ایسے ملک میں جسکے خمیر ہی میں خون ریزی اور غارتگری تھی یہ علیحدگی یہ خاموشی صرف قدرت ربانی ہی کا نمونہ تھی۔

اہل مکہ کے خلاف دو پیشگوئیاں

الف۔ اُنکے مصارف اُنکے لئے سرمایہ حسرت بنیں گے۔

ب۔ اور وہ سب مغلوب ہونگے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ

کافر اس لئے زرومال صرف کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ الف۔ ہاں وہ کچھ عرصہ تک اسیطرح خرچ کیا کرینگے۔ پھر یہ مصارف انکے لئے موجب حسرت ہونگے پھر وہ مغلوب کئے جائیں گے۔

کفار کے انفاق زر کا اندازہ ایک غزوہ احد کے مصارف سے ہو سکتا ہے جس میں پچاس ہزار مثقال طلا۔ اور ایکہزار اونٹ چندہ میں جمع کیا گیا تھا۔

مزید براں فوج کو ایک ایک دن کی دعوت ایک ایک سردار کیطرف سے دی جاتی تھی۔

ان تمام کوششوں کا انجام حسرت و ناکامی اور اندوہ و حرماں ہی پر ہوا تھا کیونکہ وہ اسلام کی ترقی کو روک سکے اور نہ اسلام میں داخل ہونیوالوں کو مرتد کر سکے۔ بلکہ اُنہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے رسوم آبائی اور ضلالت قدیم کو تباہ شدہ اور ہلاکت زدہ دیکھ لیا تھا۔

ابولہب کے متعلق پیشگوئی	تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۔	ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوجائیں اور وہ تباہ ہوگیا اس کا مال اور اُسکی اولاد اُسکے کچھ کام نہ آئی۔ وہ مستقبل قریب میں شعلہ والی آگ کا ایندھن بنیگا۔

ابولہب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا عبد المطلب کا بیٹا تھا۔ وہ حضور کے سب سے پہلے وعظ کوہ صفا والے میں حاضر ہوا تھا۔ جب اُس نے سُنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات بعدالموت کے اعتقاد کی تلقین کرتے اور اعمال پر آئندہ نتائج مترتب ہونیکی خبر دیتے ہیں تب اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف اشارت نفرین و تحقیر کرکے کہا تھا تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ اَلِھٰذَا دَعَوْتَنَا (صحیحین عن ابن عباس) تجھے دن بھر تباہی رہے تو نے ہمکو الہی باتوں کے سنانے کو بلایا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا عفو اور ہمہ تن شکیب تھے۔ حضور نے اُسکے اس فقرہ کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر غیرت الٰہیہ اپنے حبیب کے خلاف ایسے الفاظ کی برداشت کیونکر کرسکتی تھی۔ لہذا جواب میں خود اُسی کے الفاظ اُس پر لوٹا دیئے گئے اور اُسکے حسرتناک انجام کا اعلان بھی بطور پیشینگوئی فرمادیا گیا۔ پیشگوئی تین امور پر مشتمل تھی۔

الف - اسلام اور حضور کے خلاف اُسکی جملہ تدابیر تباہ ہونگی۔

ب - اُسکی اولاد اور اُسکا مال اُسے کچھ نفع نہ دیگا۔

ج - وہ خود آگ کا ایندھن بنے گا۔

ابولہب کے چار بیٹے تھے۔ دو بحالت کفر باپ کے سامنے مرے۔ باپ کو اُن سے کوئی فائدہ تو کیا پہنچتا دونوں کا داغ دل و جگر کو کباب بنا گیا۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی بشرف باسلام ہوئے اور باپ کی امید و نکے خلاف نکلے۔

ابولہب خود طاعون میں ہلاک ہوا۔ اہل عرب طاعون سے سخت خائف تھے۔ اُسکی لاش کو گھر

سے نہ اُٹھایا گیا۔ بلکہ چھت کھول کر اوپر ہی سے اسقدر مٹی اور پتھر اُسکے ناپاک جُثّہ پر پھینکے گئے کہ وہی اُسکی گور بن گئے۔ یہ پیشگوئی جملہ کفار کی آنکھوں کے سامنے پندرہ برس بعد از نزول آیت پوری ہوئی۔

پیشگوئی کہ ابولہب کی عورت بھی ذلیل موت سے مرے گی	وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ	اس کی عورت بھی جو لکڑیاں اُٹھانے والی ہے ہلاک ہوئی۔ اس کی گردن میں مونج کی رسی ہوگی۔

اس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت شدید تھی۔ خود جنگل میں جاتی کانٹے اکٹھے کرتی۔ رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں بچھا دیتی تھی۔ تفسیر خازن میں ہے کہ اسکی موت اسطرح واقعہ ہوئی جسطرح کلام الٰہی میں ظاہر کیگئی تھی۔ سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ راہ میں تھک گئی۔ تو گٹھے کو پتھر سے ٹکا کر خود سستانے لگی۔ جب پھر چلنے کا ارادہ کیا۔ تو اسی رسی کا جس سے لکڑیاں بندھی تھیں پھندا گردن میں پڑ گیا اور لکڑیوں کا گٹھا پیچھے کیطرف جا لٹکا۔ جسکے بوجھ سے وہ جھٹ پھانسی بن گیا اور یہ ہلاک ہوگئی۔ اس بدترین موت کی اطلاع کلام الٰہی میں پہلے سے دیدی گئی تھی۔

منافقین کے متعلق پیشگوئیاں

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ تمام دنیا میں ان کا کوئی بھی کام بنانے والا۔ یا اُن کو مدد دینے والا نہ ہوگا۔

اسلام سے پیشتر عرب قبائل کو باہمی جنگوں میں سلطنت فارس۔ یا سلطنت روما کی امداد مل جایا کرتی تھی لیکن جب منافقین کی نسبت اخراج مدینہ کی پیشگوئی فرمائی گئی۔ تو یہ بھی بتا دیا گیا۔ کہ اب کوئی سلطنت انکی امداد نہ کرسکے گی۔

..... راہب فاسق نے جنگ احد میں شکست کھا کر سلطنت روما سے مسلمانوں کے خلاف امداد حاصل کرنے کی بہت کوششیں کیں روما کے پادریوں سے بھی امداد حاصل کی لیکن اُسے کوئی بھی مدد نہ مل سکی۔

جبلہ بن ایہم غسانی نے مرتد (بار دگر عیسائی) بنجانے کے بعد دربار ہرقل کی برسوں حاضر باشی کی مگر مسلمانوں کے خلاف سلطنت سے کوئی امداد نہ لے سکا۔

یہی حال اکثر مخالفین اسلام کا ہوا۔ اور پیشگوئی اپنے الفاظ میں صحیح ثابت ہوئی۔

پیشگوئی منافقوں کو دوگنی مار پڑے گی	سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ	ہم اُن کو یکے بعد دیگرے دوہرا عذاب دینگے اور بعد ازاں وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے

جائیں گے (مائدہ ع ۱۳۶)

یہ آیت اُن منافقین کے متعلق ہے۔ جو جہاد سے بلا وجہ پیچھے رہ گئے تھے۔ اُنکے لئے عذاب اوّل یہ تھا کہ اُن کو جھوٹے عذرات پیش کرنے کیلئے بہت سے جھوٹ بنانے پڑے۔ اور وہ قوم و ملک کی نگاہ میں جھوٹے اور غدار ثابت ہوئے اور سب کی نظروں سے گر گئے۔ یہ اخلاقی عذاب سخت ہوتا ہے کیونکہ ضمیر انسانی ہر وقت اُسکو ستاتا رہتا ہے۔ عذاب دوم اُس مال و اولاد سے محرومی ہے جنکی محبت میں مبتلا ہوکر وہ تارک جہاد بنے تھے۔

دونوں عذاب اُنہوں نے اپنی زندگی ہی میں چکھ لئے تھے۔

عذاب الیم جو تیسرا عذاب ہے اُس کا تعلق آخرت سے ہے۔

پیشگوئی کہ منافقین خسران میں رہیں گے	أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ	یہ شیطانی لشکر والے ہیں اور شیطان کا لشکر ہی خسران زدہ ہوگا۔

الْخَاسِرُونَ (سورہ مجادلہ)

سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی اُن منافقین کی بابت ہے جو یہود کو پسند کرتے اور اُنکے معاہد و دوست بنے ہوئے تھے۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ دشمنان اٰلہی کے ساتھ تو دّو و اتحاد شیطانی کام ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ ضرور نقصان اُٹھائینگے جنگ احزاب کے بعد منافقین جب نہ اِدھر کے رہے اور نہ اُدھر کے تب یہ پیشگوئی اُن پر صادق آئی۔

پیشگوئی اُن منافقین کے متعلق جو اہل اسلام میں مل جل گئے تھے	الف۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے تو یہ بتلایا کہ منافق کون لوگ ہیں۔ اور کہاں آباد ہیں۔

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ (توبہ ع ۱۳) اہل مدینہ میں سے ایسے بھی ہیں جو نفاق

پر اڑے ہوئے ہیں۔

اس اخبار غیب میں مصلحت یہ تھی کہ از منہ مستقبلہ میں کوئی شخص محض اپنی ہی رائے یا ظنون یا خیال یا تعصب سے اصحاب کرام کو تہمت نفاق نہ دے سکے۔ پہلی شرط جو کسی کو منافق کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ باشندہ مدینہ ہو۔ کسی یمنی۔ تہامی۔ مکی۔ حضرمی وغیرہ ممالک کے صحابہ میں سے کسی پر بھی نفاق کا شبہ یا شائبہ یا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ اس بین علامت کے بعد یہ فرمایا۔

پیشگوئی فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ (عنکبوت ع ۱) اللہ تعالیٰ صادقوں کو اور کاذبوں کو الگ الگ کر دکھائیگا۔ اس پیشگوئی کی تفسیر پھر ایک اور آیت میں فرمائی۔

پیشگوئی لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا مَّلۡعُوۡنِیۡنَ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا (الاحزاب ع ۸) اگر منافق لوگ اور دل کے روگی اور جھوٹی افواہوں کے پھیلانے والے مدینہ میں باز نہ آئیں گے تو ہم رسول کو اُن کے خلاف کھڑا کرینگے۔ اور پھر وہ مدینہ میں تھوڑے عرصہ کے سوا رسول کے پاس نہ رہ سکینگے۔ جتنا عرصہ رہیں گے لعنت زدہ رہیں گے۔ پھر جہاں جائینگے پکڑے جائیں گے اور بُری طرح سے قتل کئے جائیں گے۔

اس پیشگوئی میں منافقین کا انجام بھی بتلایا گیا۔ اور اُن کے انجام کی مدت و ایام کا بھی تعین کیا گیا یہ آیت سورہ احزاب کی ہے واقعہ احزاب ۵ھ ہجری میں ہوا جس میں اُبی بن سلول کی پارٹی سے تین سو سے زیادہ منافق زندہ تھے۔ آیت میں بتلایا۔ کہ اُن سب کا حیات پاک مصطفوی کے اندر اندر خاتمہ ہو جائیگا۔ یہ مدینہ سے نکال دیئے جائیں گے۔ اور یہاں سے جانیکے بعد ذلت و خواری کے ساتھ قتل ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور قبل ازاں کہ نبی اکرم گرامی ترین ولد آدم چشم ظاہرین نظارہ عالم سے بند فرمائیں۔ حضور نے دیکھ لیا کہ مدینہ ایسے اشرار سے بالکل پاک ہے۔ یہی راز تھا کہ ۹ھ میں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمیم داری کی حدیث کو منبر پہ روایت فرمایا تھا۔ مدینہ کا نام طیبہ رکھ دیا تھا۔

پیشگوئی کی دوسری آیت مندرجہ ذیل پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔

(۱) لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ۔ یعنی اللہ کا رسول اُنکے خلاف کارروائی کریگا۔

(۲) لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَا اِلَّا قَلِیْلًا۔ شہر مدینہ میں رسول اللہ کے ساتھ رہنے کا زمانہ اُن کو بہت کم ملے گا۔

(۳) مَلْعُوْنِیْنَ۔ وہ لعنت زدہ ہونگے۔ ہر طرف سے اُن پر پھٹکار پڑے گی۔

(۴) اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا۔ مدینہ سے نکلنے کے بعد جہاں کہیں جائیں گے پکڑے جائینگے۔

(۵) قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا۔ بدترین طریقہ سے قتل کئے جائینگے۔

تاریخ اسلام کے ماہر و واقف جانتے ہیں کہ منافقین مدینہ الہی پانچوں پیشگوئیوں کو پورا کرتے ہوئے بُرے انجام کے ساتھ ختم ہوئے تھے۔

مخلّفین جہاد کے متعلق دو پیشگوئیاں

پہلی پیشگوئی | فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا یَفْقَهُوْنَ۔ فَلْیَضْحَكُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْكُوْا كَثِیْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا۔ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ (توبہ ع ۱۱)

پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ کے ساتھ نہ جانے پر خوش ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بُرا سمجھا کہ اللہ کی راہ میں مال اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اور یہ بات کہی۔ کہ گرمی میں لڑائی کیلئے نہ جاؤ اے رسول ان سے کہدیجئے کہ جہنم کی آگ سخت تر گرم ہے اگر تم میں سمجھ ہے۔ ان کو چاہیئے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں یہ اُنکے فعلوں کی جزا ہے۔

پھر جب اللہ تعالے آپکو ان پیچھے رہجانے والوں میں سے ایک گروہ کیطرف واپس لائیگا اور وہ آپکے ساتھ چلنے کی اجازت چاہیں گے۔ تو اُن سے کہدینا کہ تم میری معیت میں کبھی بھی نہیں نکلوگے اور میری معیت میں کبھی بھی کسی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کرسکوگے تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر خوش تھے۔ اسلئے اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔

اس آیت میں ایسی اقوام کا ذکر کیا جنہوں نے موسم گرما میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جانا ترک کر دیا تھا۔ پھر پیشگوئی کے طور پر فرمایا کہ رسول اللہ کی واپسی پر انمیں سے ایک گروہ بارگاہ محمدی میں حاضر ہوگا۔ اور آئندہ شریک جہاد ہونے کی اجازت کا خواستگار ہوگا۔ اسکے ساتھ قطعی پیشگوئی کے الفاظ میں بتلا دیا۔ کہ اب ان لوگوں کو جہاد و ہمرکابِ نبوی کا شرف نہ دیا جائے گا۔

اس واقعہ کو سورہ الفتح میں بھی بیان فرمایا ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ

جب تم مغانم کے حاصل کرنے کو چلوگے تب پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہمکو بھی ساتھ چلنے دیجئے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ ان سے کہدیجئے تم ہمارے ساتھ تو ہرگز نہیں جاسکتے۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی فرما دی ہے۔

ہر دو آیات سے زمانہ نزول آیات کا بخوبی تعین ہوجاتا ہے۔ سورۃ الفتح کا نزول غزوہ حدیبیہ میں ہوا۔ اور مغانم کثیرہ کا حصول خیبر سے شروع ہوا۔ لہذا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر ساتھ جانے سے انکار کیا تھا۔ اور بعد ازاں خیبر وغیرہ میں وہی پیچھے رہ گئے جو حدیبیہ میں تھے اور یہ مخلفین کبھی ہمرکابِ نبوی جہاد کرنیکا شرف نہ حاصل کرسکے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا زمانہ ان آیات سے قریباً پانچ سال بعد کا ہے۔ متعدد اقوام کے ہزاروں اشخاص کی نسبت ایسی پیشگوئی جسکا تعلق آئندہ کے سالہا سال سے ہو۔ رب العالمین ہی کے کلام میں ہوسکتی ہے۔

دوسری پیشگوئی قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔

ان بادیہ نشینوں کو جو پیچھے رہنے والے ہیں کہدیجئے کہ تم کو آئندہ قریبی زمانہ میں ایک سخت جنگجو قوم کیلئے بلایا جائیگا۔ تم ان سے قتال کروگے یا وہ فرمانبردار بن جائینگے۔

اگر تم نے (اُس وقت) اطاعت کی تب تم کو اچھا اجر دیا جائیگا اور اگر تم نے اُس وقت بھی حکم سے منہ پھیرا جیسا پہلے کر چکے ہو تب تمکو دردناک عذاب دیا جائیگا۔

اس آیت کو ہر دو آیات مندرجہ بالا کے ساتھ ملا کر پھر تدبّر کرو۔

(۱) مخلّفین کو معیّت رسول سے قطعاً محروم کر دیا گیا۔

(۲) مخلّفین کو بعد از رسول کریم قریبی زمانہ میں دعوت جہاد دیئے جانے کی پیشگوئی فرمائی گئی۔

(۳) بطور پیشگوئی مقابل کے دشمن کی صفات جنگ جوئی وغیرہ بھی بتلادی گئیں۔

(۴) اس جنگ کا انجام قتال یا دشمن کی فرمانبرداری بھی بتلادیا گیا۔

(۵) اُس دعوت کی اطاعت پر اجر حسنہ کا وعدہ۔

(۶) دعوت کی عدم تعمیل پر عذاب دردناک کی وعید۔

اب آپ عہد صدیقی پر نگاہ ڈالیں۔ اُن کی اُس دعوت عام کے فرمان کو جسے واقدی نے لفظاً لفظاً نقل کیا ہے پڑھیئے اور پھر اُن عساکر کے نام معلوم کیجئے جو خدمت صدیقی میں آتے تھے قبائل اور شعوب کے نام پڑھنے سے معلوم ہوجائیگا کہ یہ اقوام تو وہی ہیں جنکو معیّت رسول کریم میں جہاد کا کبھی موقعہ نہ ملا تھا۔

پھر آپ دیکھیںگے کہ ان کو روما جیسی سلطنت (امپائر) کے مقابلہ میں روانہ کیا جاتا ہے جو نصف دنیا پر حکمران تھی۔ جو اپنی جنگجوئی۔ اور حرب دانی کا ثبوت ایران جیسی سلطنت کو جو نصف شرقی دنیا کی امپائر (دولت بزرگ) تھی دے چکی تھی۔ جسکی فوجیں باقاعدہ اور منظم تھیں۔ جنکا نظام جنگ سب سے اعلیٰ تھا جنہوں نے اپنی ہی ہیئت کے اندر رہکر صرف مدافعت کرنی تھی۔ اور ان بادیہ نشینوں نے اپنے ملک سے سینکڑوں میل آگے بڑھکر جہاں رسد اور ذخائر جنگ کے وسائل بھی مکمل نہ تھے حملہ کرنا تھا۔

نتیجہ وہی ہوا کہ قتال نے دشمن کا خاتمہ کر دیا۔ اور رعایا نے مصالحت سے فائدہ حاصل کیا اور ہزار در ہزار داخل اسلام بھی ہوئے۔

یہ آیت عرب اور شام میں ہونیوالے انقلاب اور فتوحات، اعراب اور روما کی آئندہ معاشرت و انجام کے متعلق نہایت صاف ہے۔

یہ آیت دعوت صدیق و فاروق کی اطاعت کو اطاعت آلہی بتلاتی ہے۔

اور عدم اطاعت پر وعید عذاب بتاتی ہے۔

اجر حسنہ کا لفظ نہ صرف آخرت کیلئے ہے بلکہ دنیا بھی اس میں شامل ہے اور یہ لفظ ایک مستقل پیشگوئی ہے۔ کہ صدیق و فاروق کے لشکروں میں شامل ہونیوالے تمدن کے بلند ترین ارتقا پر پہنچ جائینگے اور باایں ہمہ اُن کی امارت بھی خوبیوں والی ہوگی۔

ایسی پیشگوئی کے تمام اجزا کا اسطرح پر پورا ہونا جسکی تصدیق ملکوں اور قوموں کی تاریخ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہو، قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونیکی قطعی دلیل ہے۔

غزوات نبوی میں سے خاص خاص غزوات کے متعلق تین پیشگوئیاں

غزوہ بدر کے متعلق | وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ۔ (انفال)

اللہ نے تم سے وعدہ کیا کہ دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک تمکو ملیگا۔ اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمکو ملے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ حق کو اپنے حکم سے حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

غزوہ بدر میں ایسے مسلمان شامل تھے جو اچھیطرح سامان جنگ نہ رکھتے تھے لہذا اُن کی تمنا یہ تھی کہ اُنکی مٹھ بھیڑ ایسے ہی دشمن کے ساتھ ہو جو مسلح نہیں تاکہ مقابلہ برابر کا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن دشمنوں کو سامنے لا ڈالا۔ جو آلات حرب سے پورے مسلح تھے۔ لڑائی کیلئے تیار ہو کر آٹھ منزل آگے بڑھ آئے تھے۔ اور اُنہوں نے صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ اُن کا مقصد مدینہ پر یورش کرنا ہے۔ یہ تعداد میں بھی مسلمانوں سے سہ چند زیادہ تھے۔ بظاہر مقابلہ کسیطرح نہ ہو سکتا تھا لیکن رب الافواج کا کلام پورا ہوا۔ اہل حق کو فتح ملی۔ اور کافروں کو ایسی رسوائی اور ذلت کی شکست ملی کہ کفر کی جڑ کٹ گئی۔

غزوہ بدر کے متعلق آیت ذیل میں بھی پیشگوئی ہے

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ — جماعت شکست کھائیگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیگی

صحیح بخاری میں عکرمہ سے روایت ہے کہ عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ جب کفار کو بدر میں شکست فاش ہوئی۔ تب سب سمجھ گئے کہ اسی جماعت کی شکست کا اعلان آیت بالا میں فرمایا گیا تھا۔

غزوہ خیبر کی پیشگوئی جس میں مبایعین بیعت الرضوان کی بھی ایک پیشگوئی شامل ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (سورہ فتح ع ۳)

اللہ سب مومنوں سے خوشنود ہوا جبکہ وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے اللہ نے اُنکے دلوں کو جانچ لیا اور اُن پر سکینہ و وقار نازل فرمایا۔ اور فتح قریب کو اُنکا انعام بنایا۔

یہ آیت صلح حدیبیہ کی ہے۔ حدیبیہ میں مسلمانوں نے دیکھا کہ جو حق عبادت چار ہزار سال سے تمام دنیا کو بلا روک ٹوک کے حاصل تھا یعنی بیت اللہ میں پہنچکر عمرہ ادا کرنا اُس سے مسلمانوں کو روکا جاتا ہے۔ جہاں کسی دشمن سے دشمن کو بھی گزند نہ پہنچایا جاتا تھا۔ جہاں باپ اور بیٹے کے قاتل کو بھی کوئی گرفتار نہ کرتا تھا۔ وہاں خلیل الرحمٰن کے بچوں کو جانے سے اور سنت براہیمی کے مطابق عبادت کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ لات ومناۃ۔ عزیٰ و ذوالخویصہ کے ماننے والے پتھروں درختوں مورتیوں استھانوں پر ناک رگڑنے والے ستارہ پرست۔ تثلیث پرست دھریے۔ نفس پرست۔ خود پرست۔ لوگ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے حرم کی سرزمین پر آتے جاتے ہیں لیکن ان اللہ کے بندوں کو جو احرام باندھے ہوئے ہدی و بدن (قربانی کے جانور) ساتھ لائے ہوئے ہیں۔ ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔ یہی مصائب کچھ کم نہ تھے کہ اتنے میں ابوجندل رضی اللہ عنہ آجاتا ہے پاؤں میں زنجیر لگی ہوئی ہے جو گھسٹتی آتی ہے۔ سانس پھولی ہوئی ہے معلوم ہوا کہ مکہ میں انکو اس جرم میں قید کیا گیا تھا۔ کہ وہ اسلام لے آئے ہیں اب انکو بھاگنے کا موقعہ ملا۔ لشکر اسلام میں پہنچ گئے ہیں اس مظلوم کو حاصل کرنے کیلئے کفار نے کہا۔ کہ وہ باہمی عارضی صلح کرنے پر رضا مند ہیں بشرطیکہ اُن کا یہ قیدی واپس کر دیا جائے۔

قومی فائدہ پر ایک شخص کی آزادی کو قربان کرنا پڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور حضور کی بشارت سے ابوجندل بھی اتنا شاد کام تھا کہ اُسے پھر قید میں جانا کچھ گراں معلوم نہ ہوتا تھا

الغرض یہاں مسلمانوں کو اسقدر ضبط وصبر اور سکون ووقار وحلم کا نمونہ بننا پڑا۔ کہ نزول سکینہ ربانی کے بغیر کوئی شخص ایسی دل شکن وروح فرسا حالتوں کی برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ بھی ایک امتحان تھا اس میں کامیابی کے بعد اور مدینہ پہنچنے کے دو ہفتے پیچھے حکم ہوا کہ یہی لوگ اور صرف یہی لوگ یہودان خیبر کے مقابلہ کو جائیں۔ وہ جنہوں نے گیارہ قلعے مستحکم کر رکھے ہیں جو منجنیق وغیرہ آلات کا استعمال کرتے ہیں جن سے عرب بالکل ناواقف تھے جنگ خیبر میں انہی مسلمانوں نے جلادت وبسالت جوانمردی وشجاعت فنون حرب سے واقفیت۔ مدافعت وپیشقدمی کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کھلے میدانوں کو اور چوڑی چوڑی خندقوں سے محصور قلعجات کو سنگین دیواروں مضبوط حصاروں کو انہوں نے اسطرح جیت لیا کہ انکے سامنے کوئی شے بھی ٹھہر نہ سکی۔

پیشگوئی بالا میں مسلمانوں کی دونوں صفات کا ذکر بتایا گیا ہے اور دنیا کو دکھلایا ہے کہ مسلمانوں نے جو ظلم وآلام اسلام میں برداشت کئے۔ ان میں لاچاری ومعذوری کا اتنا دخل نہ تھا۔ جتنا مسلمانوں کی اس قوت ارادی کا تھا کہ دین حقّہ کے مقابلہ میں ہر ایک مصیبت کو شرح خاطر اور کشادہ روئی سے سہہ جانا ہی اشاعت دین کا بہترین ذریعہ ہے۔ ورنہ بڑی سے بڑی قوم۔ حرب آزما قوم۔ زر ومال کی قوم قلعوں والی قوم (یہودی) کی ہستی بھی انکے سامنے ہیچ تھی۔

جسوقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے تھے اور ڈھائی سو میل سفر کرنے اور مکّہ کی سرحد پر پہنچ جانیکے بعد صرف پانچ میل ورے سے واپس آ گئے تھے تو کفار نے اور سارے عرب نے مسلمانوں پر کیسی رائے قائم کی ہوگی۔ یہی رائے ہوسکتی ہے کہ قریش کے سامنے یہ ننگے بھوکے بے سروسامان کر ہی کیا سکتے تھے لیکن جب انہی لوگوں نے مدینہ سے ۸ منزل پرے جاکر خود سر امن شکن۔ مایۂ فساد۔ دشمن امن عامہ۔ مکّاران یہود کو فتح کرلیا تھا۔ تب کس حقیقت کا انکشاف ہوا ہوگا۔

نیز یہ کہ ان لوگوں کا خضوع وخشوع صرف ازراہ تقویٰ ہے ان لوگوں کا عجز ومسکنت صرف تعمیل احکام دین حقہ سے ہے وہ شیر ہیں کہ جب تک ان کو نہ چھیڑا جائے۔ تب تک کسی پر حملہ آور نہیں ہوتے

غرض یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور اہل ایمان کے دو مختلف ومتضاد صفات کمال کو دکھلا کر پوری ہوئی۔

آیت بالا میں لفظ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ مزید تدبر طلب ہے سکینہ الٰہی کا فیضان یہ ہے کہ قلب کی حالت کبھی آئندہ بھی متزلزل نہ ہو۔ لہٰذا یہ ایک پیشگوئی ہے کہ بیعت الرضوان والے ہی وہ با ایمان بزرگ ہیں جن کے ایمان میں کبھی تزلزل واقعہ نہ ہوگا۔

غزوہ احزاب کی پیشگوئی مسلمانوں پر یہ بڑے زور کا حملہ تھا۔ یہودی۔ قریشی۔ نجدی۔ کنانی وغیرہ سب ہی قبائل اس حملہ میں شامل ہو گئے تھے اور غضب یہ تھا کہ مدینہ کی آبادی کے اندر رہنے والے یہودی ان حملہ آوروں سے ملے ہوئے تھے مسلمانوں کی کمزوریونکی اطلاع اور ان کی تدابیر کی خبر لمحہ بہ لمحہ دشمنوں کو پہنچا رہے تھے مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آرہے تھے۔ اور وہ کفار کی شرکت وقوت کو دیکھکر گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔ اعداکی یہ فوج مختلف لشکروں کا مجموعہ تھی۔ ہر ایک لشکر حزب کہلاتا تھا۔ اور مجموعہ کو جمع کہتے تھے۔ کفار کو اپنے باہمی اتفاق اور مکمل سازوسامان پر بڑے بڑے غرور تھے۔ اب کلام اللہ سنو۔

ایک فوج ہے جو بہت سے لشکروں پر مشتمل ہے اسے اسی جگہ ہزیمت ہوگی۔ فرمایا۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ کیا دشمن یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سب متفق ہو گئے اور سب چڑھ آئے ہیں۔ اسلئے فتح ونصرت ہماری ہوگی۔ مگر تم عنقریب دیکھ لوگے کہ تمام جمعیت ہزیمت کھائیگی۔ اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے۔

اسی پیش گوئی کے مطابق ہوا کہ نزول آیات سے پچیس دن بعد محاصرہ رکھنے والے قبائل کی فوجوں میں پھوٹک پڑ گئی۔ اور وہ راتوں رات سب چمپت ہو گئے۔ اور اس واقعہ کے بعد پھر کسی غیر قوم کو مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہودیوں اور منافقین کے معاہدات پر پیشگوئیاں

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِھِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ

آپ نے منافقین کی حالت پر غور کیا۔ جو اپنے بھائیوں کا فرا اہل کتاب سے کہہ رہے ہیں۔

(١) اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل چلیں گے۔

(٢) ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بات نہیں مانیں گے۔

(٣) اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تمکو ضرور مدد دینگے۔

اس معاہدہ پر پیشگوئی

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ لَئِنْ أُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ۔

اللہ بتلاتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اگر یہودی نکالے گئے تب منافق اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔

اور اگر یہود سے جنگ ہوئی تو منافق یہودیوں کو مدد نہ دینگے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنو نضیر نکالے گئے۔ اور منافقین نے نہ اُنکا ساتھ دیا۔ اور نہ اُنکو مدد دی قرآن مجید نے یہ بھی بتلا دیا تھا وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ کہ اگر منافقین ان یہودیوں کی مدد بھی کرینگے۔ تب بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے اور پھر یہودیوں کو مدد بھی نہ ملے گی۔

یہودانِ بنو قریظہ کے موقعہ پر منافقین نے اُن کو مدد بھی دی لیکن پھر ہزیرانِ اسلام کے سامنے سے بھاگنا ہی پڑا۔ اور بالآخر یہودیوں کے ساتھ منافقین کی طاقت و قوت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اور پیشگوئی کا یہ آخری حصہ بھی پورا ہوگیا۔

یہودیوں کے کفر کی خبر اور ایسی قوم کے اسلام کی خبر (پیشگوئی) جو کبھی کفر نہ کریگی

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ (انعام ع ١٠) یہ وہ لوگ ہیں جنکی قوم کو ہمنے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی اگر یہ لوگ اسلام سے انکار کرینگے تو ہمنے ایسی قوم کو تیار کر رکھا ہے جو کبھی انکار و کفر نہ کرے گی

یہ آیت سورہ انعام کی ہے اور سورہ مذکورہ مکیّہ ہے جبکہ اسلام نے ابھی مکّہ سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ پیشگوئی میں بتلایا گیا ہے۔ کہ اگر یہ سود خوار یہودی ایمان نہ لائینگے تو کیا ہوا۔ دیکھو وہ بڑے بڑے خود سر قبائل جو حکمرانی و مطلق العنانی میں (یہود) سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے وہ آباد و قضاعہ۔ اور ربیعہ مضر سب کے سب تیرے منادی توحید ہونے والے ہیں۔

۵۵

شہر بن باذام ملک صنعاء
منذر بن ساوی ملک البحرین
جیفر و عیاذ (فرزندان جلندی) فرمانروایان عمان
تیری اطاعت میں آنے والے ہیں۔

اصحمہ نجاشی ملک حبشہ
کیدر شاہ دومۃ الجندل
تیرے زیر فرمان ہونے والے ہیں۔

وہ ذی الکلاع حمیری جسے اُسکی رعایا سجدہ کیا کرتی تھی۔ اور جسکے جلو اُسکے اٹھارہ ہزار غلام چلا کرتے تھے۔

وہ ذی ظلیم۔ ذی زود۔ ذی مران۔ ذی عمرو جو شاہان تاجدار تھے اور جنکے خاندانوں میں پشتہا پشت سے تخت و تاج چلا آتا تھا۔
تیری خدمت میں کمربستہ حاضر ہونے والے ہیں۔

ان شاہان تاجدار کے حالات کو پڑھو۔ جن کا علاقہ حجاز سے بڑا۔ جنکی فوج آنحضرت ؐ کے حاضر باشان بارگاہ سے بہت زیادہ تھی۔ جو نہ کسی کے رُعب میں آنیوالے تھے اور جن کو کوئی طمع و حرص مال و منال کی نہ تھی۔ جنکے علاقجات میں مبلغین اسلام کے سوا کبھی ایک مجاہد و غازی بھی نہ گیا تھا۔ کیونکر خود بخود انشراح خاطر۔ اور طوع کلی و رغبت طبعی سے مسلمان ہو گئے تھے۔

یہ سب کچھ رب العلمین ہی کی قدرت کے کام تھے۔ کہ ایک یتیم بیوہ کے بچہ کی ہیبت اسقدر چھا جاتی ہے کہ بادشاہ لرزہ براندام ہیں اور ایک خاک نشین سنگ بر شکم بستہ کی محبت دلوں میں اتنا قیام پکڑ لیتی ہے کہ سب کے سب جان و مال کو فرش راہ پاک کئے ہوتے ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

آیت میں لفظ وَکَلْنَا پر غور کرو۔ وُہ ہی پیشگوئی ہے۔ ادہر ان لوگوں کے دلونکو منقاد کر دینے کی اور ادہر حضور فداہ ابی و امی کو یہ نظارہ دکھلا دینے کی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ وہ ملک جو خلیج فارس۔ بحر احمر۔ بحر روم۔ اور کوہستان شام کے درمیان واقع ہے سرتاسر ایک ہی کلمہ کا گویا ایک ہی ملت کا شیدا ایک ہی ذات قدسی صفات پر فدا اور ایک ہی دین فقیہہ پر عمل پیرا ہو گیا تھا۔

دیکھو پیشگوئی میں کتنی وسعت تھی۔ اور کس صداقت کے ساتھ نزول آیت سے دس بارہ سال کے اندر اندر ہی نور گستر ہوئی۔

ارتداد اور مسلمانوں کی تعداد میں بیشی و فزونی کی پیشگوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (مائدہ ۷ع آیت)

اے ایمان والو۔ تم میں اگر کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا۔ تو خدا ایسی قوم کو لائیگا۔ جسے وہ محبت کریگا۔ اور جو خدا سے محبت کرتے ہونگے۔ وہ ایمان والوں کیلئے متواضع اور کافروں کیلئے سخت ہونگے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرینگے۔ اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے نہ ڈرینگے"

آیت میں بطور پیشگوئی بتلایا گیا۔ کہ مسلمانوں میں سے کوئی کوئی مرتد بھی ہو جایا کریگا۔

پھر بطور پیشگوئی بتلایا کہ ایسے انفرادی نقصان کے وقت اللہ تعالے بڑی بڑی قوموں کو گرویدہ اسلام فرمادیگا۔ خدا کے ساتھ اُن کے حالات محبت و خلوص کے ہونگے۔ اہل ایمان سے اُن کے تعلقات تواضع و انکساری کے ہونگے۔

دشمنان دین کے ساتھ وہ بغلبۂ فتح و عزت و نصرت کا کرشمہ دکھلائینگے۔

وہ دنیا کی جھوٹی تعریف یا جھوٹی ہجو سے بالاتر ہونگے۔ وہ عملاً و فعلاً خدا کی راہ میں سرفروش و جاں نثار ہونگے۔

اس آیت کا ابتدائے اسلام سے تا ایندم ہمیشہ ظہور مصداق رہا ہے۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ ہمیشہ رہیگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد مسیلمہ کذاب اٹھا۔ اور اُسکے ساتھ ہزاروں لوگ ہو گئے۔ اِن کا ارتداد بھی نرالا تھا۔ مسیلمہ اور اُسکے اتباع سب کے سب دبی زبان سے نبوت محمدیہ کا اقرار کرتے تھے مگر مسیلمہ کیلئے بھی نبوت ثابت کرتے تھے۔

اِسی قوم کے اندر ثمامہ بن اثال الحنفی اور اُن کے اتباع ایسے موجود تھے جو مرتدین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے اور اُنہوں نے قومیت یا قرابت کا ذرا لحاظ نہیں کیا۔

اسود عنسی نے دعوی نبوت کیا۔ اور اُسکے مقابلہ میں اللہ تعالے نے فیروز اور داذویہ کو جو فارسی الاصل اور صاحب فضل و کمال ہیں کھڑا کر دیا جنہوں نے اُس کی تمام شوکت و قوت کو خاک میں ملا دیا۔

طلیحہ و سجاح نے بھی دعوی نبوت کیا اور اُسی اطراف کی اقوام و قبائل نے اُن کو ایسا سیدھا بنایا۔ کہ بالآخر ارتداد سے توبہ کر کے داخل اطاعت اسلام ہو گئے۔ اور پھر کبھی خدمت اسلام میں کوتاہی نہ کی۔

ملوک بنی اُمیہ کا ظلم و جور بڑھ گیا۔ تو اللہ تعالے نے اہل خراسان کو اُٹھایا۔ اور اُنہوں نے اُن کی سلطنت کو تہہ و بالا کر ڈالا جس کا نتیجہ عباسیوں کا صاحب دیہیم و اورنگ ہونا نکلا۔

عباسیوں نے جہاد میں تہاون کیا۔ تو اللہ تعالے نے سلاطین اندلس کو مغرب میں اور آل بویہ و آل سبکتگین کو مشرق میں اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے کھڑا کر دیا۔

تباہی بغداد میں خود مسلمانوں نے کفار کا ساتھ دیا اور ترکان خونخوار کے ہاتھوں سے اس عروس البلاد کو غارت کرایا۔ اللہ تعالے نے خود اُس قوم ترک میں اسلام داخل کر دیا۔

وہ ترک جنہوں نے بغداد کو ایسا تباہ کیا تھا۔ کہ شہر کی گلیاں خون سے رنگین اور دریائے دجلہ قلمی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ تھا۔

یوروپ میں اسلام کا جھنڈا قائم کرنے والے ثابت ہوئے۔ وہی خادم حرمین شریفین کہلانے کو سلطان بن سلطان کہلانے سے زیادہ فخر کرنے والے ہوئے۔

آریہ نے ملکانہ میں شدھی کا رواج دیا۔ اور کچھ مسلمانوں کو مرتد بنایا۔ تو خود اُنہی میں سے کنور عبدالوہاب خاں جیسے اُٹھے جنہوں نے ہندو ملکانوں میں اسلام پہنچایا۔

شمس الاسلام، محمد ابن خالد لطیف گوبا جیسے ہندو بیرسٹروں تعلیمیافتہ لوگوں نے اسلام کا اعلان کیا اور خود آریہ کے مبلغین نے آگرہ وغیرہ کے علماء کے ہاتھوں پر بیعت اسلام کی۔

یورپ میں کنگ جارج کے قریبی بھائی سر جارج ہملٹن نے اظہار اسلام فرمایا۔ اور اس طرح پر اسلام تخت انگلستان کے قریب تر پہنچ گیا۔

لارڈ ہیڈلے محمد پکتھال۔ خالد شیلڈریک جیسے صاحبان علم وفضل غاشیہ برداران اسلام بنے نئی دہلی کے رقبہ میں اگر کوئی پرانی مسجد شہید ہوگئی۔ تو دار السلطنت فرانس کے شہر پیرس کے وسط میں مسجد جامع تیار بھی ہوگئی۔ اور جرمنی کے شہر میں آٹھ ہزار نمازیوں پر سایہ کرنیوالی مسجد بھی رونق افزائے فضا بنگئی۔ شہر لندن میں بھی مسجد کیلئے زمین حاصل کی جاچکی ہے۔ اور تعمیر شروع ہونے والی ہے۔

ملکانہ کے جاہل علاقہ میں چند نفوس نے اسلام چھوڑا۔ تو چین و افریقہ کے ممالک میں کئی کروڑ مسلمانوں کا اضافہ بھی ہوگیا۔ قسطنطنیہ میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد میں نمایاں ترقی ہوتی یہ جملہ برکات وآثار اور ترقی تعداد افزونی شمار وکثرت انوار اسی آیت مبارکہ کی پیشگوئی کے تحت میں معدود ہیں۔ اور یہی حالت تا انجام دنیا برابر چلی جائیگی ایک شخص کے مرتد ہونیسے دس داخل اسلام ہونگے۔

لوگوں کا یہ بھرم بھی جاتا رہیگا کہ اگر ہم لوگ بھی غیروں کو اپنے دھرم میں شامل کرلیا کرتے تو مسلمانوں کا مقابلہ کرسکتے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ

یہودیوں کے متعلق ۹ پیشین گوئیاں

(۱) یہودی مسلمانوں کا معمولی اذیت وآزار کے سوا اور کوئی نقصان نہ کرسکینگے۔ اور اگر مسلمانوں سے لڑائی میں مقابل ہوئے تو پیٹھ پھرا کر بھاگ جاینگے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۗ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ

یہودی پس پردہ سازشیں کرتے رہے۔ قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ خود جاسوسی کرتے رہے۔ بغاوت کرنے والوں کو چپکے چپکے روپیہ پیسے کی امداد اور سلاحات سے اعانت کرتے رہے۔ اس پر بھی اُن کا کلیجہ ٹھنڈا نہوا۔ تو میدان میں نکل آئے۔

یہ لوگ فنون حرب سے زیادہ واقف تھے۔ سارے عرب میں آلات قلعہ شکن انہی کے پاس تھے منجنیق کا استعمال صرف یہی لوگ جانتے تھے اس لئے عرب کا ہر ایک قبیلہ ان سے دبتا تھا ایسے لوگوں کی شکست فاش کی پیشگوئی ایسی تھی جس کا کفار کو ہرگز یقین نہ ہوتا تھا۔

لیکن ارباب تاریخ کے سامنے یہودان بنو قینقاع۔ بنو نضیر۔ بنو قریظہ۔ خیبر۔ فدک۔ تیماء کے واقعات موجود ہیں ہر ایک کا انجام اسی پیشگوئی کے مطابق ہوا۔

آیت بالا میں تین پیشگوئیاں ہیں۔

الف۔ ایذا دہی سے بڑھ کر وہ کوئی نقصان مسلمانوں کا نہ کرسکیں گے۔

ب۔ مقابلہ میں آئے تو کھلی شکست کھائیں گے۔

ج۔ شکست کے بعد کوئی اُن کی مدد کو بھی کھڑا نہ ہوگا۔

سینکڑوں میل کے بسنے والے متعدد قبائل پر ایسی زبردست پیشگوئی کا اعلان صرف وہی پروردگار عالم فرما سکتا ہے جو مشارق الارض ومغاربہا کا مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے اُسی کو فتح ونصرت عطا فرماتا ہے۔

۲۔ یہودی موت کی تمنا نہ کریںگے	قُلْ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ

یہود کا عام دعویٰ یہ تھا۔ کہ ہم فرزندان خدا ہیں۔ اور ہم ہرگز یدگان الہ ہیں۔ قرآن نے بتلایا کہ اگر تم کو اس دعویٰ کی صداقت پر خود یقین ہے تو اپنے لئے موت کی دعا مانگو۔

یہ مسئلہ ہے کہ اولیاء ربانی کیلئے حیات دنیوی حجاب ہے۔ یہ حجاب اُٹھ جائے تو دوست دوست کے وصال سے شاد کام ہوجائے

عربی میں مثل ہے اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت وہ پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتا ہے)

کسی ولی کی جانب سے تمنائے موت کے معنی عرضداشت وصال ہیں۔ اور ایسی عرض و معروض کا بار بار پیش کرنا۔ اور ہر بار اس پر اصرار کرنا لوازم محبّت و ولائت میں سے ہے۔

یہاں یہودیوں سے فرمایا گیا۔ کہ ایک دفعہ ہی موت کی تمنا کا اظہار اپنی زبان سے کرو۔ اسکے بعد بطور پیشگوئی فرمادیا۔ کہ یہودی ایسا کبھی نہ کرینگے۔ اور اسکی وجہ بھی بتلادی کہ اگرچہ ایسے ایسے دعاوی کی لاف وگزاف ان لوگوں کی زبان پر جاری ہے مگر اندر سے دل پکڑا ہوا ہے۔ معاصی و سیئات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما ہوا ہے۔ دل و دماغ پر افعال شنیعہ کا اتنا قبضہ ہے کہ موت سے نفرت ہے۔ خدا کے حضور میں جانے سے طبیعت گریز کرتی ہے۔

یہودی اگر سچے ہوتے تو قرآن کے جھٹلانے اور اپنے دعویٰ کی زبانی صداقت جتلانے کے لئے یا مسلمانوں کے سنانے ہی کو ایک دفعہ ہی کہدیتے کہ "الٰہی موت دے" لیکن یہ اخبار تو منجانب اللہ ہوچکا تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس لئے اتنا لفظ کہتے ہوئے زبان پر قفل پڑجاتا تھا۔ اور منہ پر مہر لگ جاتی تھی۔ اور ایسے موقعہ پر کافر و مشرک بھی یہودیوں کی "خر در گل ماندہ" حالت کو دیکھ کر ہنس دیتے تھے۔

اس پیشگوئی کا مدعا یہ تھا کہ دنیا جہان کے سامنے یہودیوں کے جھوٹے ادعا (اولیاء ابناء خدا ہونے) کی حقیقت کو ظاہر فرمادیا جائے۔ اور بتلادیا جائے کہ اس صاحب جبروت اور ملک الملکوت کے حضور میں کسی آفریدہ و مخلوق کو بڑا بول بولنے کی جرأت نہیں ہوسکتی

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران ع ۱۲)	یہودیوں کے متعلق تیسری پیشگوئی

اور ڈالدی گئی ہے ان پر ذلت۔ جہاں کہیں بھی وہ جائیں۔ بجز اسکے کہ اللہ کی ذمہ داری سے رہیں یا لوگوں کی ذمہ داری سے رہیں"

اس آیت میں بتلایا گیا ہے۔

الف۔ کہ آئندہ کو یہود دنیا میں ایک آزاد قوم کی شان سے آباد نہ رہ سکیں گے۔

ب۔ بتایا گیا ہے کہ وہ ذلت و مسکنت کا نشانہ بنے رہیں گے۔ یعنی انکی اپنی سلطنت کوئی نہ ہوگی

ج۔ بتایا گیا ہے کہ یا تو اُن کو مسلمانوں کے ماتحت جزیہ گزار ہو کر رہنا پڑیگا۔ اسی کو بحبل من اللہ فرمایا کیونکہ ذمی قوم کو خود اللہ تعالےٰ نے حقوق عطا فرمائے ہیں۔

د۔ یا اُن کو دیگر اقوام کا ٹیکس گزار اور باج دِہ ہو کر رہنا پڑیگا جسے آیت میں بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ فرمایا ہے۔ گویا ایک آیت کے اندر چار پیشگوئیاں ہیں۔

اس آیت کے مابعد زمانہ پر نظر ڈالو۔ کیا کسی جگہ دنیا کے پردہ پر اس قوم کی حکومت قائم ہے؟ کیا اِن لاکھوں کروڑوں میں ایک بھی شخص ایسا ہے جو غیر قوم کا ٹیکس گزار نہ ہو۔

ہاں بِحَبْلٍ مِّنَ اللہِ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ترکی۔ ایران۔ مراکو۔ ٹیونس میں مسلمانوں کے ماتحت بطور جزیہ گزار پلے جاتے ہیں۔

اور بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا اثر یہ ہے کہ وہ روس۔ وامریکہ۔ انگلستان وفرانس وغیرہ میں دیگر اقوام کے ماتحت آباد ہیں۔ اور جملہ اقسام کے ٹیکس ادا کرتے ہیں جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں یہودیوں نے کروڑوں۔ اربوں روپیہ (متحدین) کو اس لئے دیا کہ اُن کی بھی ایک چھوٹے سے رقبہ پر آزاد سلطنت تسلیم کر لی جائے۔ ہر ایک قوم نے جو سینکڑوں من سونا اُن سے لے رہی تھی سمجھ رکھا تھا کہ مفتوحہ علاقہ میں سے اُن کی درخواست کو پورا کر دیا جائیگا۔

جب جنگ عظیم ختم ہوگئی اور ایفائے مواثیق کا وقت آیا۔ تو یہودیوں سے کہا گیا کہ وہ سب فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں۔ اور وہاں کی حکم بردارانہ حکومت اُن کو مل سکتی ہے۔

یہ شرط ابھی تک پورے طریق سے پوری نہیں ہوئی اور فلسطین کے سابقہ باشندوں نے ابھی تک یہودیوں کے حقوق کو بھی تسلیم نہیں کیا۔

خیر تفصیلی صورت کو چھوڑ کر دیکھنا تو یہ ہے کہ یہودیوں کے سامنے کیا چیز پیش کی جاتی ہے۔ حکم بردارانہ حکومت !!۔

اب قرآن مجید کے الفاظ کو غور سے پڑھو کہ بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا لفظ کتنا وسیع پڑا ہوا ہے ایک کتا کسی امیر کے پاس پہنچ جاتا ہے تو وہاں دودھ۔ گوشت وغیرہ سب کچھ ملتا ہے ہاں گلے میں زنجیر بھی ڈال دی جاتی ہے تو گویا اس کا یہ تمغہ ہے کہ وہ غیر کی [illegible]

[illegible] آزاد انسان [illegible] انسان کو [illegible]

نہیں جیسی سٹرڈاگ کولتی ہے۔

اس لئے خواہ فلسطین میں وہ کامیاب ہوجائیں یا نہ ہوجائیں مگر بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی زنجیر ضرور گلے میں پڑی رہے گی۔ اور یہ وہ زبردست پیشگوئی ہے جس کے سامنے تمام یورپ کے وزراء دول کی ڈپلومیسی بھی عاجز ہے۔

یہودیوں کے باہمی فرقوں کے اندر عداوت ابدی کی پیشگوئی

وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (مائدہ ع)
ہم نے اُن کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک کا ڈالدیا۔

اسوقت یہودیوں میں الگ الگ دو توراتیں ہیں۔ ایک توراۃ یونانیہ ہے اور دوسری سامریہ۔ ایک کتاب کے معتقد دوسری کتاب والیکو قطعی کافر جانتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ بات کے روادار بھی نہیں۔ قرآنی پیشگوئی کے مطابق یہ بغض یہ عداوت تاقیامت اسطرح قائم رہیگی۔

عیسائیوں کے متعلق پیشگوئیاں

عیسائی دنیا میں مال دنیوی سے متمتع رہیں گے

(۱) عیسائیوں کو دنیوی مال ومتاع ملیگا۔ پھر آخرت میں ان کا فیصلہ ہوگا۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهَٰذَا أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ (یونس)

ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا لیا ہے اللہ تو اس سے پاک ہے اور وہ تو بے نیاز ہے اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اُسی کی ملک ہے کیا تمہارے پاس اسکی کوئی سند بھی ہے؟ یا اللہ کے خلاف بے علمی سے باتیں بناتے ہو۔ کہدیجئے کہ جو لوگ اللہ کے خلاف جھوٹ کا افترا کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائینگے۔ دنیا میں اُنکے لئے کچھ حصہ ہے پھر ان کی بازگشت ہماری جانب ہے۔

آیت میں صاف پتہ نصاریٰ کا ہے جو مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں اور انہی کی بابت "متاع

فی الدنیا فرمایا گیا ہے۔ عام لوگ جب نصاریٰ کی کثرت، دولت اور فراوانی زر و مال کو دیکھتے ہیں تو حیران رہجاتے ہیں کہ اس تثلیث پرست قوم پر اسقدر افضال و الطاف کیوں ہیں مگر آیت ربانی نے بتلا دیا کہ یہ نہ لطف ہے نہ فضل ہے بلکہ متاع فی الدنیا ہے جسکے ساتھ لَا یُفْلِحُوْنَ لگا ہوا ہے (یعنی فلاح و نجاح سے محرومی)۔

یہ تو ممکن ہے کہ کم بین کوتاہ نظر لوگ اس دولتمندی کی تمنّا کرنے لگیں۔ اور قارون کے دیکھنے والوں کی طرح یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ کہنے لگیں۔ لیکن کیا کوئی شخص پسند کر سکتا ہے کہ قارون کی دولت مع انجام قارون، اسکے حصہ میں آئے؟ یقینًا کوئی خردمند ایسا پسند نہ کریگا لہذا ہم باطمینان کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی با ایمان "متاع فی الدنیا" کا مصداق بننا پسند نہ کریگا جسکے ساتھ فلاح اور نجات کی نفی لگی ہوئی ہو۔ خیر یہ بحث تو الگ ہے اس وقت باقتضائے مقام یہ لکھنا کافی ہے کہ نصاریٰ کے موجودہ تموّل اور تعیش کی پیشگوئی قرآن پاک میں موجود ہے اور یہی امر قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری پیشگوئی کہ عیسائیوں کے باہمی فرقوں میں ہمیشہ عداوت رہیگی

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (مائدہ)

ان میں وہ بھی ہیں جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں ہمنے ان سے عہد لیا۔ انہوں نے بڑا حصہ اس کا فراموش کر دیا جسکے ان میں عداوت اور بغض کو قیامت تک کیلئے بھڑکا دیا۔

رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ یونی ٹیرین، گریک چرچ، اسٹین چرچ، انگلش چرچ، امریکن چرچ کے اختلافات اور بغض و عداوت اور تکفیر باہمی کے حالات سے جو شخص کو معلوم ہیں وہ آیت بالا کی تصدیق بخوبی کر سکتا ہے۔ اور جان سکتا ہے کہ یہ کلام یقینًا منجانب اللہ ہے۔

تیسری پیشگوئی کہ نصاریٰ بہ نسبت دوسرے مذاہب اہل اسلام سے زیادہ تر قریب ہیں اور یہود و مشرک زیادہ دور و بعید ہیں

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی (مائدہ)

اہل ایمان سے محبت میں قریب تر تو ان کو پائیگا۔ جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔

عراق و شام کے عیسائیوں اصحمہ نجاشی۔ اکیدر۔ عدی بن حاتم۔ ابو مریم غسانی وغیرہ حکمرانان ملک کا مطیع اسلام ہو جانا اسی پیشگوئی کے تحت میں تھا۔ آج بھی انگلستان و فرانس

اور امریکہ میں جسقدر اشاعت اور ترقی اسلام کی ہو رہی ہے وہ اسی آیت کے تحت میں آئے

سلطنت روما و ایران نیز قریش و اہل ایمان کے متعلق پیشگوئی

جس میں دو پیشگوئیاں شامل ہیں

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۔

روما الارض کے قریب مغلوب ہو گیا ہے اور وہ مغلوبی کے بعد چند سالوں ہی میں غالب آ جائیگا حکم تو اللہ ہی کا ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ (۲) اور اس روز مومنین بھی اللہ کی نصرت سے شادمان ہونگے۔ اللہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔ وہی تو غلبہ و قدرت والا ہے اور وہی رحم کرنے والا ہے۔

اَلْاَرْض سے مراد وعدہ کی زمین فلسطین ہے اور ادنی الارض سے شام و ایشیا کوچک کا علاقہ ہے۔ جہاں روما والوں کو خسرو پرویز نے شکست پر شکست دی تھی۔ اور اُن کو ان ممالک سے نیز مصر سے باہر نکال دیا تھا۔ کلام الٰہی میں یہ اطلاع دیگئی تھی کہ نو سال کے اندر اندر روما والے پھر ایران والوں پر غالب آ جائینگے۔

یہ پیشین گوئی اُن دنوں بالکل خلاف قیاس و گمان سمجھی جاتی تھی۔ اتنی بڑی شکست کے بعد ایسی فاتح قوم پر غالب آ جانا اور وہ بھی نو سال کے اندر اندر اہل دنیا کو محال معلوم ہوتا تھا لہذا اُبی بن خلف نے اسی آیت کو قرآن مجید کے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا۔ اور ابوبکر صدیق کو مجبور کیا کہ اگر وہ صداقت قرآن پر اعتماد رکھتے ہیں تو شرط لگائیں۔ یہ واقعہ سنہ نبوت کا ہے۔ صدیق اکبر نے شرط لگالی۔ کیونکہ اسلام میں اسوقت تک شرط لگانے کی نہی نہوئی تھی۔

نزول آیت سے ۷ سال کے بعد ایسا ہی ہوا۔ روما میں جو خانہ جنگی اور اندرونی بدنظمی ہو رہی تھی وہ جنرل ہرقل کے بادشاہ ہو جانے سے جاتی رہی۔ روما والوں نے پھر از سر نو

اپنے از دست رفتہ ممالک کو واپس حاصل کرلیا۔ اور مصر و شام فلسطین و ایشیا کوچک پھر سلطنت قسطنطنیہ کے ماتحت ہو گئے۔

(ب) الفاظ قرآنیہ بشارت و بشارت پر مشتمل تھے یعنی یہ بھی بتایا گیا تھا۔ کہ مومنین کو بھی اُس روز نصرت الٰہی حاصل ہوگی۔ ایسا ہی ہوا۔ اُدھر اہل کتاب نے آتش پرستوں پر فتح حاصل کی اور ادھر بدر کے میدان میں اہل توحید کو اہل شرک پر غلبہ تام حاصل ہوا۔

غور کرنا چاہیئے کہ ایک سطر کی عبارت میں چار قوموں اور چار ملکوں اور دو عظیم الشان سلطنتوں کے متعلق کھلے لفظوں میں پیشین گوئی کرنا وہ بھی بہ تعیین سن و سال۔ اور پھر اس کا ظاہری الفاظ میں پورا ہو جانا کیا انسانی علم یا انسانی قدرت کی حدود میں ہے۔

ان پیشگوئیوں سے قرآن حمید کا کلام اللہ ہونا بخوبی ثابت ہوگیا۔

فصل

قرآن حمید کا اخبار مستقبلہ کو بیان کرنا ہمنے بطور برہان پیش کیا ہے۔ اسیطرح قرآن پاک کا اخبار ماضیہ کو بیان کرنا بھی ایک زبردست دلیل اُسکے کلام اللہ ہونے پر ہے۔

قوم ہود۔ و قوم صالح کا تذکرہ کسی اسرائیلی صحیفہ میں نہیں مگر قرآن پاک نے اُسے بیان کیا عاد ارم۔ عاد اولیٰ کا ذکر بھی صرف قرآن حمید ہی نے سنایا۔ سیل عرم کا واقعہ نہایت عظیم الشان تھا اس کا بیان بھی قرآن حمید ہی میں ہے۔

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد مصر پر کچھ عرصہ تک اسرائیلیوں کی حکومت کا پتہ وَاَوْرَثْنَاهَا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ قرآن پاک ہی کے بتانے سے لگا۔ ورنہ توراۃ اس سے خاموش ہے جیسا کہ مصر کی تاریخ مصر میں معجزات موسوی کے وقوع سے ساکت ہے۔

مسیح اور اُسکے کا رنامونکا ذکر نہ رومائی ہسٹری میں ہے اور نہ یہود کی تحریروں سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ واقعہ کہ مریم صدیقہ کو بھی مدتوں تک تثلیث کا ایک اقنوم تسلیم کیا جاتا تھا عیسائی

نہیں مانتے تھے۔ اور نہیں جانتے تھے۔ قرآن مجید کے اعلام کے بعد جب عیسائی محققین نے اسکے لئے کدو کاوش کی تب انکو بیان قرآن کی صداقت کا علم ہوا۔

خانہ کعبہ کی عمارت کا بطور مسجد دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونا۔ اہل تاریخ سے پوشیدہ تھا لیکن اب یہ واقعہ بالکل مسلّم ہے۔

قرآن مجید کا یہ بیان کہ ہر ایک قوم میں اللہ کے رسول بھیجے گئے۔ اور انہوں نے خود اسی قوم کی زبان میں تبلیغ فرمائی اور حجت الٰہی ان پر ختم کی۔ تمام مذاہب کیلئے ایک کنز مدفون تھا۔

اور اسی لئے اسرائیلی پارسیوں کو جھٹلاتے تھے۔ اور پارسی اسرائیلیوں کو۔ اور پھر یہ دونوں ملکہ اہل ہند کے مکذب تھے اور اہل ہند ان دونوں کی تکذیب کرتے تھے۔

پھر یہ تینوں ملکہ مصریوں کو جھوٹا بتاتے تھے۔ اور مصری ان تینوں کا جھوٹا ہونا سچ سمجھتے تھے
پھر یہ چاروں ملکہ مشرق بعیدہ چین و جاپان کو دروغ گو کہا کرتے تھے۔ اور چین و جاپان ان چاروں کو۔

اسطرح کذب و دروغ اور بطلان کا سلسلہ ساری دنیا کو گھیرے ہوئے تھا۔ قرآن کریم ہی نے اس راز کا انکشاف کیا۔ اور قوموں کو قوموں سے ملکوں کو ملکوں سے قریب تر ہونے کا طریق بتایا۔ قرآن عظیم ہی نے اس سلسلہ کے ختم کر دیئے جانے کی اطلاع دی۔ اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما کر اقوام عالم کو اس دعوت عامہ۔ اور وحدت کلیہ اور اتحاد کلیہ کا سبق پڑھایا۔

قرآن کریم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمانا ہی ایسا تھا کہ یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں، ہندوؤں، مصریوں اور چینیوں کے قول اور زبان پر مہر لگ گئی اور [illegible] کسی کو اس بانی کا سننے والا، سرور [illegible] گفتگو کرنے والا۔ وہی بانی کا حامل [illegible] نہیں کیا۔

اور یہی قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر دلائل قطعیہ سے قوی ترین دلیل ہے۔

اب یا خصائص القرآن کو ختم کیا جاتا ہے اور قرآن پاک کی [illegible] آیت [illegible] سبحانی
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا [illegible]

باب سوم

فصل نمبر ١

اسلام ہی دین التوحید ہے

آج دنیا پر ثابت ہو گیا کہ ہر ایک مذہب کی صداقت کا معیار اور اسکی سچائی کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔

اب تو یہ نظارہ ہے کہ بت پرست بھی اپنے ٹھاکروں اور دیوتاؤں کو وسائط کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اور اہل تثلیث اور اہل ثنویہ بھی تثلیث و تثنیہ میں توحید ثابت کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں، ویدانت والے بھی "دوتیا ناستی" کہنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد اور وحید دین ہے جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔

(١) اسلام ظاہر کرتا ہے کہ جملہ انبیاء و رسل کی بعثت صرف اسی مسئلہ توحید کی طرف تھی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

(سورہ انبیاء)

تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا۔ اسے یہی وحی کی کہ "میرے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں لہٰذا تم سب میری ہی عبادت کرو"

فرمایا

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (زخرف ع ۵)	اپنے سے پہلے رسولوں کے حالات معلوم کرو کہ کیا ہمنے کبھی بھی اور کسی کو بھی ذات پاک رحمٰن کے سوائے معبود ٹھہرایا ہے جسکی عبادت لوگ کیا کریں

اسلام ہی کی تعلیم ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (سورہ نساء ع ۵)	اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اور اللہ کی عبادت میں کسی شے کی ذرا بھی ملاوٹ آمیزش اور شرک نہ کرو

توحید ہی کا بیان فرمایا گیا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ (شوریٰ ع ۱)	کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو بھی کارساز بنا لیا ہے۔ کہہ دو کہ کارساز تو صرف

اللہ ہی ہے۔

توحید خالقیت اور توحید قدرت کے متعلق فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (الحج ع ۱۰)	اللہ کے سوا لوگ جن جن کو پکارتے ہیں وہ ایک مکھی بھی تو نہیں بنا سکیں گے۔ خواہ وہ سب مل جل کر ہی ایسی کوشش کریں اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین کر لے جاوے تو وہ اُس سے کچھ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ یہاں تو طالب اور مطلوب دونوں رہ جاتے ہیں ان لوگوں نے

تو اللہ کی قدر و شان کو اسکی قدر و شان کے مطابق جانا ہی نہیں۔ بیشک قوت و الاغلبہ والا تو صرف اللہ ہی ہے۔

آیات بالا پر فکر و تدبر اور غور و تعمق سے مکرر نظر ثانی کرنا واجب ہے۔ کہ الوہیت۔ ربوبیت رحمانیت۔ ولائت اور قدرت کی صفات میں اللہ تعالےٰ کا واحد و وحید ہونا ثابت کیا گیا ہے اور اسی ثبوت کے ساتھ ساتھ شرک جلی و خفی کی نفی فرمادیگئی ہے۔

یہ اسلام ہی کی توحید ہے جس کا ثبوت کلام اللہ العزیز سے ملتا ہے۔ اور جسکی تائید

علم و عقل اور سمع سے ہر منزل ہر گام پر ہوتی ہے۔

یہ اسلام ہی کی توحید ہے جو فطرت صحیحہ اور عقل سلیمہ کے براہین سے مشید ہے اور جس کا مخاطب ہر ایک وہ قلب سلیم ہے جو روحانیت کی زندگی سے مستفیض ہے۔

اسلام کی توحید کا مسئلہ عیسائیت کی تثلیث کیطرح نہیں جسکو پادری لوگ فہم سے بالاتر اور عقل سے بلند تر کہا کرتے ہیں۔ اور جسپر بغیر سمجھنے کے ایمان لانیکو واجب بتایا کرتے ہیں۔ اسلام تو ابتداء دعوت ہی میں ہر ایک انسان پر اپنی حجت اسطرح قائم فرماتا ہے

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (حج)

کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے۔ کہ ان کے دل سمجھنے والے اور انکے کان سننے والے ہو جاتے ہاں آنکھیں بے نور نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ دل جو سینہ کے اندر ہیں بے نور ہو جایا کرتے ہیں۔

آیت بالا میں قلوب و عقل۔ آذان اور سمع ابصار اور عمی کے الفاظ موجود ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ اسلام سمع و بصر کو اور قلب و بصیرت کو مخاطب ٹھراتا۔ اور انہی براہین پر اثبات توحید کے ایمان کو استوار کرتا ہے۔

یہ اسلام ہی ہے جس نے توحید کو مکمل بیان کرنے میں توحید فی العبادت۔ توحید فی الاستعانت توحید فی العلم۔ توحید فی القدرت۔ توحید فی التصرف۔ توحید فی الذات۔ توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوانات قائم کئے۔ اور ہر ایک عنوان کے تحت میں اللہ تعالے کے کلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ان مسائل کو محکم و قوی بنایا۔ آیات ذیل پر پورے غور سے تدبر کرو تاکہ عنوانات بالا کے متعلق آپ کے معلومات میں وسعت پیدا ہو ایمان بڑھے اور یقین ترقی پائے۔

الف ۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم صرف تجھ ہی سے استعانت چاہتے ہیں۔

صاحب کشاف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے وَتَقْدِيمُ الْمَفْعُولِ لِقَصْدِ الِاخْتِصَاصِ یعنی لفظ نَعْبُدُ اور لفظ نَسْتَعِينُ سے پہلے إِيَّاكَ لانے سے یہ فائدہ نکلا کہ عبودیت اور استعانت

کا خاص اللہ ہی کے لئے ہونا ثابت ہو گیا۔

توحید فی الاستعانت کے متعلق ہے سورہ یوسف میں ہے۔

(ا) وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ۔	صرف اللہ ہی ہے جس سے استعانت لی جاوے

سورہ انبیاء میں ہے۔

(ب) وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ۔	ہمارا پروردگار ہی کمال رحمت والا ہے اُسی

سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

(ج) اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ	اے اللہ اپنے ذکر اور شکر کے لئے اور بہتر
وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔	عبادت ادا کرنے پر میری مدد فرما۔

توحید علم کے متعلق ملائکہ کا بیان۔

(ھ) سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا	اے رب تو جملہ عیوب اور نقائص اور ادناس سے
مَا عَلَّمْتَنَا (البقرہ)	پاک ہے ہمکو علم نہیں لیکن اتنا ہے جتنا تونے

ہمکو سکھلا دیا۔

حضرت عیسیٰ کا بیان میدان محشر میں جملہ خلائق کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ ہوگا۔

(و) تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ	جو میرے دل میں ہے اُسے تو جانتا ہے اور جو
نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (مائدہ)	تیری ذات کے اندر ہے میں اُسے نہیں جانتا

تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔

(ز) وَعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (زخرف)	قیامت کا علم تو اُسی کے پاس ہے۔
(ح) اِنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ (ھود)	یہ کلام تو اللہ کے علم کے ساتھ اُتارا گیا ہے۔
(ط) وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (انعام)	خزینے غیب اُسی کے پاس ہے۔

(ی) اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم عَلِیْمٌ ہے۔

جب یہ غور کیا جاوے کہ قرآن مجید میں اس اسم علیم کا استعمال کرنے دیگر اسماء حسنیٰ کیساتھ

مقرون ہو کر وارد ہوا ہے تو ترکیب ذیل نظر آئے گی۔

علیم قدیر۔ علیم خبیر۔ علیم حکیم۔ واسع علیم۔ علیم حلیم۔ خلاق العلیم۔ عزیز علیم۔ فتاح علیم۔ سمیع علیم۔ شاکر علیم۔ کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کمال علم کے ساتھ قدرت و خبرت۔ حکمت و وسعت۔ حلم و خلق۔ عزت و فتح۔ سمع و شکر کے اوصاف کا ہونا بھی ضروری ہے اور جو علم کہ ان صفات کے ساتھ ساتھ ہو وہ انسان و ملک کے علم سے (خواہ وہ انسان و فرشتہ کتنا ہی ذی علم کیوں نہ ہو) بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

توحید فی القدرت کی بابت آیات ذیل پڑھو۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر) — ہم نے ہر ایک شے کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے

وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا (فصلت) — زمین کو برکت دی اور زمین کے اندر جملہ اقوات کو خاص انداز سے رکھا۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ (المؤمنون) — ہم نے پانی اوپر سے حسب اندازہ نازل کیا۔

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ) — اللہ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔

وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ (شوریٰ) — وہ جب چاہے گا۔ تو اپنی قدرت سے سب مردہ بدنوں کے گوشت پوست کو جمع فرما دیگا۔

ان آیات میں دکھایا گیا ہے کہ ہر شے کو ابتداءً ہستی میں لانا۔ پھر اس کے لئے قدر و اندازہ مقرر کرنا۔ پھر اسے معدوم کر دینا۔ پھر اسے موجود کر دینا۔ اسی مالک الملک کی قدرت کے اندر ہے آسمان کی برکتوں اور زمین کی طاقتوں پر اسی کی قدرت محیط رہتی ہے۔ مادہ اور روح اسی کی مخلوق۔ اور اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ فتح و شکست قوموں کا اقبال و ادبار زمانہ کا انقلاب موسموں کی تغییر۔ جمادات و نباتات و حیوانات اور انسان و ملائک کے خواص و ماہیت اور کیفیت و احوال سب اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ یہ وہ قدرت ہے کہ انسانوں کا جاننا یا نہ جاننا قانون قدرت اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ قدرت ہے جس تک انسانوں کے تجربات یا ایجادات محدود نہیں رہ سکتے۔ اس صفت میں اسی مالک کو یکتائی و وحدت حاصل ہے۔

توحید فی الذات والصفات کا بیان بھی بہت وسیع ہے۔ فرمایا۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا (طٰہٰ) | اللہ تو میں ہی ہوں۔ میں ہی معبود ہوں۔ اور تو کوئی بھی معبود نہیں۔

شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (اٰل عمران) | اللہ نے بتایا۔ اور ملائکہ واہل علم نے بھی ظاہر کیا۔ کہ وہی اللہ ہے اُسکے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اُسی کا عدل وانصاف قائم ہے اُسی کا معبود ہونا برحق ہے۔ دوسرے کا نہیں۔ وہی عزیز وہی حکیم ہے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ (اٰل عمران) | اللہ ہے اُسکے سوا اور کوئی بھی الہ نہیں۔ اُسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب کو حق کے ساتھ بھیجا یہی کتاب اپنے سے پہلی تعلیم کی تصدیق کرتی ہے۔ اُس نے قبل ازیں توراۃ وانجیل کو نازل فرمایا۔ کہ لوگوں کی راہ نمائی ہو۔ اُسی نے قرآن کو اُتارا۔

ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ (اٰل عمران) | وہی ہے جو انسانوں کی صورتیں ارحام میں اپنے منشاء کے موافق بناتا ہے۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ۔ ذِی الطَّوْلِ (مومن) | یہ کتاب اُس اللہ نے اُتاری جو قدرت اور علم والا ہے وہ گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔ وہ توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ وہ سخت عذاب اور جود وعطا والا ہے

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مومن) | تمہارے پروردگار کا فرمودہ ہے کہ مجھے پکارو۔ مجھ سے مانگو میں سنونگا میں قبول کرونگا۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَالنَّہَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ (مومن) | اللہ وہی ہے جس نے رات کو تمہارے نفس کیلئے بنایا کہ تم اُس میں آرام لو۔ اور دن کو آنکھیں روشن کرنے والا بنایا۔ بیشک اللہ کے فضل واحسان انسان پر بہت ہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (مومن ع ۷)

اے لوگو یہی اللہ ہے جو تمہاری پرورش کرنے والا ہے وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے اُسکے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (مومن رکوع ۷)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے رہنے کو زمین بنائی اور آسمان کو خیمہ بنایا۔ اُسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمکو خوب رُو بنایا۔ اُسی نے تمکو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ لوگو۔ تمہارا پروردگار یہی تو ہے۔ ہاں اللہ بڑی برکتوں کا بخشنے والا ہے وہی سب موجودہ اشیاء کا پالنے والا ہے وہی زندہ ہے وہی سب کا معبود ہے اور کوئی معبود نہیں لہذا تم اُسی کی عبادت ساری سچائی کے ساتھ بالکل اُسی کے بنکر کیا کرو۔ خوبی اور کمال اور وصف وجمال کی سب اقسام کا مالک وہی ہے جو تمام جہانوں کی پرورش فرماتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (انعام)

انسان کے حواس ظاہری و باطنی اُسکا ادراک نہیں کرسکتے اور وہ جملہ قوی کا ادراک رکھتا ہے۔

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (شوریٰ)

اُسکی مثال جیسی بھی کوئی شے نہیں۔ وہ سمیع ہے اور بصیر ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کے ملک ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور اندازہ کا دیتا ہے وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (نحل)

اللہ کیلئے کہاوتیں اور مثالیں نہ بیان کیا کرو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ

اللہ ہے وہی معبود ہے اور کوئی نہیں وہی زندہ و پائندہ ہے۔ اونگھ یا نیند کا اُس پر اثر نہیں آسمان اور زمین اور اُن کی سب چیزیں اُسی کی

اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (بقرہ ع)	ہیں کون ہے جو اُسکے پاس شفاعت اذن کے بغیر کرے وہ سب کی اگلی پچھلی حالتوں کو جانتا ہے مگر مخلوق اُسکے علم کا ذرا بھی احاطہ نہیں کرسکتی اُس کا علم آسمانوں اور زمینوں سے فراخ تر ہے وہ آسمان و زمین کی حفاظت

سے تھک نہیں جاتا وہ سب سے بالاتر ہے اور سب سے بزرگ تر ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (سورہ اخلاص)	بتا دے کہ وہی اللہ ہے۔ اللہ ایک ہے اللہ سب کی حاجات کو پورا کرنے والا ہے وہ پیدا نہیں ہوا۔ اُس سے کوئی پیدا نہیں

ہوا۔ اُسکی کفو کا کوئی بھی تو نہیں۔

ناظرین! ہمنے ان آیات کو جمع کردیا ہے۔ اگر انکے معانی اور فوائد پر کچھ تحریر کیا جائے تو اسکے لئے کتاب ضخیم درکار ہے۔

تدبر کرنے والے کو پتہ لگ جائیگا کہ جو توحید اسلام سکھلاتا اور قرآن پیش کرتا ہے وہ فلاسفروں کی توحید سے بالکل ارفع و اعلیٰ ہے جو جوہر و عرض اور قدیم و حادث ہیولیٰ اور مادہ کے متعلق الفاظ اور فرضی اشکال کا مجموعہ ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق استقدر منفی الفاظ بیان کئے جاتے ہیں کہ یقین اور ایمان کیلئے کوئی مثبت صفت باقی ہی نہیں رہتی۔

نیز اسلامی توحید اُس اعتقاد تجسم سے بھی بالاتر ہے جسکے الفاظ اللہ تعالےٰ کو ایک مجسم ثابت کرتے ہیں اور اُس اعتقاد تنزیہہ سے بھی اعلیٰ ہے جس پر نفی صفات کو تقدم نہیں دیا جاتا ہے۔

آیات قرآنیہ سے عرفان صحیح حاصل ہوتا ہے اور اسی عرفان سے قلب سلیم نور یقین سے منور ہوجاتا ہے وللہ الحمد۔

بیان توحید میں اسلام کا یہ اسلوب خاص خصوصیت رکھتا ہے۔

فصل نمبر ۲

اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے

(۱) مذہب کا بحیثیت مذہب نمایاں جوہر یہ ہے کہ اُس میں روحانیت موجود ہو۔ اگر کسی مذہب میں روحانیت موجود نہیں۔ تو اُسے مذہب کہنا غلط ہے۔ بلکہ وہ ایک سوسائٹی (جمعیت) ہے۔ دنیا میں جسقدر مذاہب قدیم پائے گئے ہیں۔ اُن میں سے کوئی مذہب بھی ایسا نہیں جس نے روحانیت کی موجودگی کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ عام اس سے کہ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح تھا نیز قطع نظر اس سے کہ روحانیت کا مفہوم بھی درست سمجھا گیا۔ یا نہیں۔

یہ مسلّم ہے کہ انسان نام ہے روح جسم کے مجموعہ کا۔ جسم کی ضروریات جسمانی اور مادی اشیاء سے پوری ہو جاتی ہیں جن اشیاء پر زرقہ اور عیش، آسودگی و آرام، ناز و نعمت اور شادمانی و مسرت کے نام اہل دنیا استعمال کرتے ہیں۔ یہ جملہ اشیاء جسمانی ہوتی ہیں۔ اور اُنکے استعمال سے جو التذاذ (لذت) حاصل ہوتا ہے۔ وہ بھی مادیت کو لئے ہوئے ہوتا ہے۔

لہٰذا قابل غور یہ رہ جاتا ہے۔ کہ روح کی شادمانی و مسرت کی اشیاء کیا ہیں؟ اور کیونکر حاصل کی جا سکتی ہیں؟ اس عنوان کے تحت میں ان لوگوں سے خطاب کی ضرورت نہیں۔ جو روح انسانی کے وجود سے منکر اور روحانیات سے قطعاً بے خبر ہیں۔ کیونکہ ہمارا مقصود اسلام کو مذاہب عالم کے سامنے پیش کرنا ہے نہ کہ منکرین مذہب کے خیالات کی تنقید۔

(۲) گو بعض نے روحانیات کا ذکر صاف لفظوں میں نہیں کیا۔ وہ انسان یا روح انسان کیلئے صرف یہی [illegible] کمال [illegible] کہ انسان [illegible] کی بندشوں سے آزاد ہو جائے اُس کی تعلیم [illegible] اس کا [illegible] اخلاقی انسانی کے بیان سے آگے [illegible] ہے۔

[illegible]

مراتب ایمان کیلئے ضروری ہے۔ اُن کی تعلیم میں رد شرک موجود ہے مگر اُسیقدر جو شرک اعظم کے رد کیلئے ضروری ہے۔ بعد ازیں روحانیات کا ذکر نہیں کیا گیا جسکی وجہ افراد امت کی پست فطرتی۔ دنیا طلبی تھی۔

ج۔ داؤد علیہ السلام کی زبور میں باب مناجات کھولا گیا ہے جدہ کو اللہ کے حضور میں تضرع وزاری کا طریق سکھلایا گیا ہے۔ لیکن ان مناجاتوں میں بھی نصرت اور فتح اور دشمن کی ہلاکت وخسران کو سب سے بڑا مدعا بنایا گیا ہے۔ اور چند مناجاتوں کے سوا باقی سب کی سب اسی رنگ میں رنگین ہیں۔

د۔ سیدنا مسیح علیہ السلام نے آسمانی حکومت اور آسمانی بادشاہت کا لفظ سنایا۔ یہ الفاظ یقیناً روحانیت کے مظہر ہیں۔ حضور نے سارے دل سے اپنے خالق کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ذکر کیا۔ یہ خالص روحانیت کا سبق تھا لیکن افسوس کہ سامعین کے عدم ذوق۔ اور عدم وجدان اور فقدان تحمل و برداشت کیوجہ سے اس نیک اُستاد کو بھی یہی کہنا پڑا۔ کہ اس مضمون کی تکمیل "روح الحق" فرمائیگا۔ (یوحنا ۱۶: ۱۳ تا ۱۴)

(۲) حدیث پاک میں روحانیات کی تعلیم کو "الاحسان" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس مشہور ومتواتر حدیث میں جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین نے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم نے روایت کی ہے اس لفظ کے معنے یہ بتلائے گئے ہیں۔

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ	احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ پھر اسطرح کہ اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا۔ تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث میں دو مقامات کا ذکر فرمایا گیا

ایک یہ کہ انسان خود کو ایسے مقامات پر پہنچا دے کہ منظور نظر رحمت بنجائے۔

دوسرا بلند تر مقام یہ ہے کہ اُس مقام پر تمکن حاصل کرے کہ انوار عرفان کا ناظر ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ روحانیت کا مقصود یہ ہے کہ رابطہ قلب۔ اور نسبت روح رب العالمین کے ساتھ درست اور صحیح ہو جائے۔ اور اس مقصود کے حصول کا

ذریعہ "بندگی" ہے۔

اس مقصود کی شرح۔ اور حصول مقصود کی توضیح میں اسلام نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ اسقدر زیادہ ہے کہ اُسکے مقابلہ میں دیگر مذاہب کے بیانات سو واں۔ یا ہزارواں حصہ بھی نہیں سمجھے جاسکتے لہذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "اسلام ہی روحانیات کا مذہب ہے"

عبودیت

اسلام نے عبودیت کا بیان نہایت وضاحت سے کیا ہے۔ کیونکہ روحانیات کا محل اسی بنیاد پر بلند ہوتا ہے۔

بتایا کہ عبودیت کے مظہر قلب اور زبان اور جوارح ہیں۔ اب مختصر سی تفصیل سنو!

الف۔ واجبات قلب پانچ ہیں۔

(۱) نیت۔ عادت و عبادت میں فرق کرنا نیت کا کام ہے۔

مراتب عبادت کا تفاوت قائم کرنا نیت کا کام ہے۔

(۲) اخلاص۔ اخلاص کا مدعا وحدت مطلوب ہے۔

(۳) صدق۔ اس کا مدعا وحدت طلب ہے۔

(۴) انابت۔ سعی کامل اور توجہ کامل کے ساتھ رجوع الی اللہ کا نام انابت ہے۔

اور توبہ اسی کا پہلا زینہ ہے۔

(۵) محبت۔ حبۃ القلب (دانہ دل) کی آبیاری محبت ہی سے کی جاتی ہے اور یہی ایک دانہ پھلتا پھولتا ہوا سات بالیاں بن جاتا ہے اور ایک بالی میں سو سو دانے بن جاتے ہیں۔

ب۔ واجبات زبان پانچ ہیں۔

(۱) وحدانیت و رسالت کی شہادت۔

(۲) دوام ذکر۔

(۳) التزام دعا۔ کسی مدعائے خاص کیلئے دعا کرنا اور شے ہے اور فرائض عبودیت کی ادائگی کیلئے دعا کو لازم بنا لینا اور شے ہے۔ یہاں یہی صورت مقصود ہے۔

(۴) تبلیغ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی لفظ کے اندر شامل ہیں۔

(۵) تعلیم۔ ناواقف کو بتانا۔ نادان کو دانا بنانا۔ علوم شرعیہ کا پھیلانا۔

ج۔ واجبات جوارح کی تفصیل غور سے دیکھو۔

(۱) واجبات سمع۔ کلام اللہ۔ اور حکم رسول اللہ پر کان لگانا نصیحت اور کلمۂ حق کو غور سے سُننا

(۲) واجبات بصر۔ کائنات عالم کو عبرت و حیرت سے دیکھنا۔ بصارت و بصیرت سے کام لینا۔

(۳) واجبات ذوق۔ اکل حلال حرام اور نشیلی چیزوں سے پرہیز

(۴) واجبات اعضاء۔ خضوع و خشوع۔

(۵) واجبات جسم۔ قلب کی اطاعت کرنا ضمیر کے خلاف کسی عضو سے کام نہ لینا۔

یہ سب پندرہ اقسام ہیں اور انہی کے مجموعہ کا نام عبودیت ہے۔

فنا و بقا

یہاں دو عبادات یعنی فنا و بقا کی شرح بتلانا ضروری تھا۔

حدیث بالا میں جس اولین مقام فَاِنَّهٗ یَرَاكَ کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے اسی کو اصطلاح صوفیہ میں فنا کہتے ہیں۔ اس لفظ سے فنائے لغوی مراد نہیں بلکہ فنا سے مراد ماسوا کا زائل کرنا ہے۔ اور انانیت سے غائب ہو کر شہود حق تک پہنچ جانا ہے۔

اسی فنا کے تحت میں توبہ۔ تذکر۔ ورع۔ زہد۔ اخبات۔ تبتل۔ خوف و رجا آجاتا ہے

یہ امر بالاتر واضح ہے کہ اسلام مسئلہ توحید کے اثبات میں کائنات کے ایک ایک ذرہ کو انسان کے مشاہدہ اور غور و تفکر و تدبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام ذوق سلیم۔ اور وجدان صحیح کی راہ پر علم اور عقل اور تجربہ اور مشاہدہ کی مشعل کو روشن کرتا ہے اور پھر اس راہ کے سالک کو مندرجہ ذیل منازل کی سیر کراتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ (قتال)	اور جو ہدایت پاتے ہیں اللہ اُن کی ہدایت کو بڑھاتا اور انہیں تقویٰ عطا کرتا ہے۔
وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم)	ہدایت والوں کو ہدایت میں ترقی پر ترقی دیتا ہے۔
فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا (توبہ)	ایمان والوں کے ایمان میں افزونی بخشتا ہے۔

اور بعد ازاں منزل مقصود پر پہنچا کر یہ بشارت عظمیٰ پہنچاتا ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (فجر)	اے اطمینان یافتہ نفس اپنے رب کیطرف رجوع کر خوشی کیساتھ اور بشارت کیساتھ۔

توحید کی ضد شرک ہے۔ ردِ شرک کے دلائل علیحدہ بیان فرمائے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (سورۃ انبیاء ع ۲)	اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی معبود ہوتا تو نہ زمین قائم رہتی نہ آسمان قائم رہتا

فرمایا۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ (انبیاء ع ۲)	کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی الٰہ بنالیا ہے ان سے کہہ دو کہ اس اعتقاد

کے ثبوت میں کوئی برہان تو پیش کرو۔

اسلام ہی بتلاتا ہے کہ تمام رسل کی اولین اور آخرین دعوت یہی کلمہ مبارکہ تھا۔

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (اعراف ع ۸)	اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اسکے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں۔

یہی وہ کلمہ مقدسہ ہے جو الوہیت رب العالمین کو دلوں میں قائم کر دیتا ہے اور یہی وہ کلمہ توحید ہے جو دل کو شرک سے پاک صاف بنا دیتا ہے

یہی وہ کلمہ ہے جو اثبات کو لقا عطا کرتا ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جو نفی کو فنا دکھلاتا ہے

اسی آیت کو اعراف میں چار بار انعام میں ۲ بار اور آل عمران میں دہرایا گیا ہے۔

بیان توحید کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (انعام)	ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والا اور تربیت کرنے والا تو اللہ ہے

اب کیا اسکے سوا اور کسی کو ولی و کارساز بنانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کیا کسی اور کو بھی دل کا مالک ٹھہرانے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے کیا میں ایسا کروں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ	ان سے پوچھو کہ اسکے سوا کیا میں دوسرا رب

رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (انعام ۲۰۶) | اُکی پرورش کرنے والا ہے کیا تیں اور کی تلاش اپنا رب بنانے کیلئے کروں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ | وہ اللہ جسکے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (قصص ۹) اُسکے ساتھ دوسرے کو مت پکارو۔ دیکھو ہر ایک شے موت اور ہلاکت اور فنا والی ہے۔ صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو موت اور فنا سے برتر ہے۔

غیر اللہ کو پکارنے والے خواہ عیسیٰ مسیح۔ اور عزیر نبی اور دیگر بزرگان دین کے پکارنے والے ہوں۔ یا فرضی اور خیالی دیوتاؤں کے پکارنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا۔ کہ اُن میں اور اللہ تعالیٰ میں ما بہ الامتیاز کیا ہے۔

وہ عیسائی جو تسلیم کرتا ہے کہ مسیح کو پکڑا گیا۔ پھانسی پر لٹکایا گیا۔ قبر میں دفنایا گیا۔ اُس پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہوسکتا۔

وہ مسلمان جو حسین علیہ السلام کی بابت تسلیم کرتا ہے کہ وہ کربلا کے دشت میں گرسنہ و تشنہ ذبح کئے گئے اُن کے پاک جسم کی ناپاک خبیثوں نے بے حرمتی کی۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہوسکتا۔

وہ کرشن مہاراج جس نے اپنی راجدھانی کو اپنی آنکھوں سے لٹتے اور اُجڑتے دیکھا جس نے اسی اندوہ وغم میں اپنے کو آپ ہمالہ کی برف کا لقمہ بنایا۔ وہ بھی معبود نہیں ہوسکتا۔

وہ سدھارتھ گوتم جو بُدھ (یعنی بیدار) کے نام سے روشناس ہوا۔ اور جس کی لاش نیپال کی ترائی میں بمقام کشن آرا جلائی گئی۔ اور اُس لاش کی راکھ آٹھ مختلف مقامات میں تقسیم کیجا کر ہر ایک جگہ یادگاری گنبد تیار کئے گئے۔ کبھی بھگوا (لائق عبادت) اور ارھم (ذات پاک) نہیں ہوسکتا۔[۱]

---

[۱] بودھ مذہب کا ہر ایک شخص بودھا کی مورتی کے سامنے پھول چڑھاتا ہے۔ اور بودھا کی صفت و ثنا میں ایک منتر پالی زبان کا پڑھتا ہے۔ جس میں قریبًا ۱۵ لفظ بودھا کی تمدح کے ہیں بھگوا۔ ارھم۔ بھی اُنہی الفاظ میں سے ہیں۔

وہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ۲۸ صفر ۱۱ھ نبوت سے ۱۲۔ ربیع الاول تک بیمار رہے جس نے ۱۲ کی سہ پہر کو انتقال اور رفیق اعلیٰ سے وصال فرمایا۔ جو ۱۴ کو بعد مغرب لحد منور میں لٹائے گئے۔ جو اپنی شانِ علیا کے اعتبار سے امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ علامت تدفین و قبر کی وجہ سے کبھی معبود و مسجود نہیں ہو سکتے۔ الغرض آیت بالا کے اِس نشان واحد نے توحید کو نہایت مستحکم کر دیا ہے۔

رغبت۔ تعظیم اوامر و نواہی۔ تصفیہ و تہذیب۔ استقامت۔ صبر۔ تفویض۔ ثقہ۔ تسلیم۔ اخلاص تواضع۔ فقر و غنیٰ۔ تاسف۔ و حزن۔ اضطراب۔ غیبت شامل ہیں

اور بقا کے تحت میں حیا۔ رضا۔ شکر۔ صدق۔ ایثار۔ فتوت۔ مروت۔ انبساط۔ ادب۔ انس ذکر۔ علم۔ حکمت۔ تعظیم۔ سکینہ۔ طمانیت۔ غیرت۔ شوق۔ ذوق۔ شہود۔ سرور۔ تمکن۔ مکاشفہ حیات بالعلم۔ حیات بالوجود۔ قبض۔ صحو۔ معرفت۔ یقین۔ صدق۔ تحقیق شامل ہیں[1]

اِن مقامات کی تعریف اور احوال کی تفصیل اور نفس و قلب و روح انسانی کے ساتھ انکے ارتباط۔ اور نتائج ارتباط۔ اور ثمرات نتائج بیان کرنے کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ اور باایں ہمہ علماً و عملاً ان کی ماہیات تلفظی سے برتر۔ اور احوال سے متعلق ہیں۔ اس مجمل ذکر سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جس مذہب میں روحانیات کا اسقدر ذخیرہ وافر موجود ہے اُسی کو روحانی مذہب کہلانے کی شان حاصل ہے۔

ہم یہ دقیق بحث چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس مختصر بیان ہی سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ روحانیت کے بیان میں اسلام ہی کو درجہ خاص حاصل ہے۔

---

[1] فنا و بقا کے تحت میں جن مقامات کا ذکر تحریر کیا گیا ہے۔ ان کے الفاظ سے یہ اشتباہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ان سے مراد صرف لغوی معانی ہیں بلکہ علم الاحسان (تصوف اسلامی) کی وہ اصطلاحات ہیں جن کے علوم و معانی سے اہل اللہ کے علماء ماہرین بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ان الفاظ کا ثبوت اور استنباط ہوتا ہے۔

فصل نمبر ۳

اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْأَعْمَالِ۔ | میں بزرگ ترین اخلاق اور نیکو ترین اعمال کی تکمیل کیلئے نبی بنایا گیا ہوں"

اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاق رذیلہ کے منبع چار ہیں۔

جہل، ظلم، شہوت، غضب۔

(۱) تاثیرات جہل میں سے ہے کہ اچھی شئے کو بری۔ اور بری شئے کو اچھی شکل میں نمایاں کرتا ہے۔ کمال کو نقص اور نقص کو کمال دکھاتا ہے۔

یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ اگر میں عورتوں کی باتوں میں پھنس گیا تو جاہل ہو جاؤں گا۔

(۲) تاثیرات ظلم میں سے ہے کہ کسی شئے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔

خوشنودی کے مقام پر خفگی۔ سخاوت کے مقام پر بخل۔ بخل کے مقام پر بذل۔ نرمی کے مقام پر سختی۔ سختی کے مقام پر نرمی۔ مقام انکسار پر تکبر۔ اور مقام وقار پر انکسار۔ یعنی حقوق کا غلط استعمال اور غلط استعمال پر دعویٰ استحقاق۔

قرآن پاک میں ہے۔ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ حقوق الٰہیہ کا غصب کرنا اور ان حقوق کا استعمال دوسروں کیلئے جائز سمجھنا بزرگ ترین ظلم ہے۔

(۳) تاثیرات شہوت میں سے ہے کہ حرص بخل۔ اور [illegible] ہوتی ہے [illegible] پر حملہ کیا جاتا ہے۔ وفا، نفس اور پاکبازی کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے [illegible] مقصد کو اس کا حق عطا

فرما دیا ہے۔ فرمایا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل) | زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ کھلی بے حیائی ہے اور بہت بری سڑک ہے۔

(۴) تاثیرات غضب سے تکبر، کینہ، حسد، بغاوت اور سفاہت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار درخواست کی۔ کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائی جائے۔ حضور نے ہر دفعہ اُسے یہی جواب دیا۔ لَا تَغْضَبْ غیظ و غضب سے دور رہو

اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاق محمودہ کے سرچشمے چار ہیں۔

صبر۔ عفت۔ شجاعت۔ عدل۔

(۱) صبر کے نتائج ہیں۔ برداشتِ مصائب۔ غصّہ پی جانا۔ عدم ایذادہی۔ بردباری۔ خاکساری گھبراہٹ کا نہ ہونا۔ حملہ نہ کرنا۔

صبر کا ذکر قرآن پاک میں تقریباً (۹۰) مقامات پر ہے۔ اور ان مقامات میں صبر کو (۱۶) اصناف پر بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے۔ اور نصف ایمان کا نام شکر ہے۔

(۲) عفت کے نتائج ہیں۔ رذائل و قبائح سے اجتناب۔ قولاً و فعلاً پاکیزگی۔ عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے۔ اور حیا کا اثر ہر ایک خلق نیک پر ہے۔

عفت سے جھوٹ۔ بخل اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔

(۳) شجاعت کے نتائج ہیں آپ اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا۔ برترین اخلاق کا جو یار ہنا۔ مال و جان سے دوسرے کی امداد کرنا۔ طیش و غضب سے دور رہنا۔ اپنے نفس کی باگ عقل کے سپرد کر دینا۔

حدیث پاک میں ہے لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دیتا ہے۔ پہلوان تو وہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے۔

(۴) عدل کے نتائج ہیں اعتدال اخلاق اور افراط و تفریط کو چھوڑ کر وسط کو اختیار کر لینا۔

عدل بتاتا ہے کہ جود و سخا اُسے کہتے ہیں جو بخل اور اسراف کے درمیان ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ حیا وہ ہے جو ذلت و بے شرمی کا میانہ ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ شجاعت اُسے کہتے ہیں جو جُبن اور تہوّر کا وسط ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ حلم یہ ہے کہ تکبّر و اہانت کے بیچ بیچ ہو۔

تشریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام نے اخلاقِ حسنہ کے بیان میں کسقدر زیادہ حصّہ لیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

(۱) خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (اعراف)

معافی و درگذر کو عادت بناؤ۔ نیک کام کرنیکی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

حدیث پاک مسلم میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ اچھے خلق ہی کا نام نیکی ہے۔

صحیحین میں ہے خِیَارُکُمْ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا نیک اور بہتر وہ ہے جسکے اخلاق اچھے ہوں۔

ترمذی و ابو داؤد نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ۔

قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار شے اچھا خلق ہوگا۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی شے بھاری نہ ہوگی اللہ تعالٰے ہر ایک بے حیا۔ بد زبان سے بغض رکھتا ہے

ترمذی نے روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیْهِقُوْنَ۔

قیامت کے دن تم میں سے وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا۔ جو اچھے اخلاق والا ہے۔ گرچبا چبا کر باتیں بنانے والے خوش کلامی جتانے والے۔ اپنی خوش گپی سے دوسرونکو موقع نہ دینے والے مجھے ناپسند ہونگے

[illegible]

صحیح ترمذی کی روایت میں ارشاد نبوی ہے۔

اِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهٖ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ۔	اچھے خلق والا اُس درجہ کو حاصل کر لیتا ہے جو نفلی عبادت اور نفلی روزہ رکھنے والے کا ہوتا ہے

ان احادیث سے صاف ثابت ہوجاتا ہے۔ کہ تکمیل ایمان اور قرب رسول اور پسندیدگی مالک کے مدارج کا دار و مدار اخلاق حسنہ ہے۔

اخلاق حسنہ کے بیان میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا تعلق انسان کی خود اپنی ذات سے بھی ہے۔ اور ابناء جنس سے بھی اور رب العالمین کے ساتھ بھی۔

خود اپنی ذات کے متعلق یہ ہے کہ آپ اپنے کو ناقص سمجھے اور سمجھ لے کہ ناقص کے افعال بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان تہذیب اخلاق میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

ابناء جنس کے متعلق یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا دہی کی برداشت کرے۔ مگر خود اُنہیں ایذا رسانی کا ارادہ بھی نہ کرے۔

رب العالمین کے ساتھ حسن خلق کے معنے یہ ہیں۔ کہ جو معاملہ تیرے اور رب العالمین کے درمیان ہے۔ اُسے موجب شکر قرار دے اور احکام یا افعال الٰہی کے بارہ میں۔ اور کبھی دل و زبان پر ادب اور شکر کے سوا کوئی لفظ جاری نہو۔

شیخ الاولیا سند الاصفیا سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کُنْ مَعَ الْحَقِّ بِلَا خَلْقٍ وَمَعَ الْخَلْقِ بِلَا نَفْسٍ اللہ کے ساتھ تیرا معاملہ یہ ہونا چاہیئے کہ اُس میں مخلوق کا ذرا تعلق نہ ہو۔ اور مخلوق کے ساتھ تیرا معاملہ ایسا ہونا چاہیئے کہ تیرے نفس کا اُس میں کچھ حصہ نہ ہو۔

یہ ہیں وہ اخلاق حسنہ جن کی تکمیل اسلام نے قولاً و فعلاً فرمائی ہے۔

تھوڑی سی تفصیل اور بھی سن لیجئے۔

الف۔ اسلام فقراء و مساکین کا حصہ مال زکوٰۃ میں واجب ٹھہراتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ اس صنف کی کل آمدنی کا آٹھواں حصہ اُن کو ضرور مل جانا چاہیئے۔

ب۔ مال غنیمت کے خمس میں سے مساکین و یتامیٰ کا پانچواں حصہ الگ کیا جاتا ہے۔

ج۔ آمدنی فئے میں بھی کل کا ایک خمس مساکین و یتامیٰ کا حصہ ہے۔

د. ابنا سبیل بھی ان ہرسہ ابواب سے حصہ یاب ہوتے ہیں۔ اور اس انتظام سے کل عالم اسلام مسافر کیلئے اپنا گھر بن جاتا ہے۔

ھ۔ قرضداروں اور قرض کے تحت میں زیر بار لوگوں کی رہائی کا انتظام سلطنت اسلامی پر ڈالا گیا ہے۔

و۔ غلاموں کی آزادی کیلئے زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ خاص طور پر علیحدہ کیا گیا ہے۔ اور لبعد ازاں اسی صیغہ میں چندہ دہی کو ضروری ولابدی قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی مذہب نے فقراء و مساکین اور یتامیٰ و ایامیٰ اور غلامان و مقروضین کیلئے سلطنت کے بجٹ میں مستقل رقوم درج کرنیکے احکام دیئے ہوں۔ تو اُن کی نظیر پیش ہونا چاہیئے۔

(ج) اسلام پابندی معاہدات کو نہایت ہی زور کے ساتھ محکم فرماتا ہے اور فریق معاہد کی معاہدہ شکنی کے بعد بھی اگر الٹی میٹم کی نوبت آجائے تو دشمن کو چار ماہ کی مہلت عطا فرماتا ہے

(ب) اسلام اخلاقی تعلیم صرف نمائش و نمود کے طور ہی پر نہیں دیتا ہے۔ بلکہ جوارح و اعضاء کے ساتھ ساتھ وہ دل و دماغ کو بھی اسی تعلیم کا پابند بناتا ہے۔ ذرا احکام ذیل پر غور کرو۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا	اے نبی کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے۔ (ابناء جنس کے مقابلہ میں) فحش بے حیائی

کی سب قسموں کو جنکا تعلق ظاہری یا باطنی حالات سے ہو۔ اور شرک جسکی کوئی دلیل نہیں۔ (خود اپنے مقابلہ میں) گناہ کی جملہ اقسام (سلطنت کے مقابلہ میں) بغاوت و سرکشی۔ (اللہ کے مقابلہ میں) بے علمی کے ساتھ باتیں بنانا۔

حکم ثانی سنو۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ (سورہ نحل)	اللہ جن چیزوں کے کرنیکا حکم دیتا ہے وہ یہ ہیں عدل اور احسان اور قرابت والوں سے فیاضانہ سلوک۔ اللہ جن چیزوں کے کرنیسے قطعاً روکتا ہے

وہ یہ ہیں۔ سب بے حیائیاں۔ سب ایسے کام جو قابل انکار ہوں اور بغاوت۔

تیسرا حکم

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء)	مندرجہ ذیل اشخاص کیساتھ احسان کیا کرو۔ (۱) والدین (۲) یتامیٰ (۳) مساکین (۴) ساتھ لگتا ہمسایہ (۵) دور کا ہمسایہ (۶) تمہاری رفاقت میں رہنے والا شخص (۷) مسافر (۸) لونڈی غلام۔

صحیح بخاری میں ہے جسکی شرارت سے ہمسایہ مامون نہیں وہ صاحب ایمان ہی نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے جسکی فتنہ پردازی سے ہمسایہ کو چین نہیں وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔

صحیحین میں بروایت ابوہریرہ ہے اَلسَّاعِيْ عَلَى الْاَرَامِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ رانڈ عورتوں اور مسکین لوگوں کے کام کاج کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسا ہے۔

صحیح بخاری میں بروایت سہل بن سعد ہے اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔ جنت میں میں اور یتیم کا خبر لینے والا ایسے ہونگے جیسے یہ دو انگلیاں (شہادت اور درمیانی انگلیوں میں ذرا سا فرق دکھلا کر سمجھایا کہ اسطرح)

ابوداؤد میں علی مرتضےٰ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا

اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔	نماز۔ نماز۔ اور لونڈی غلاموں کے متعلق اللہ کا تقویٰ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ۔	۱۔ غرور میں آکر لوگوں کی طرف سے اپنا منہ کج نہ کیا کرو ۲۔ زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ ۳۔ اللہ تو ہر ایک چال باز۔ فخر کرنیوالے کو پسند نہیں کرتا ۴۔ اپنی رفتار میں میانہ روی رکھ۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (لقمان)

۵۔ اپنی آواز کو پست و نرم رکھ

۶۔ دیکھو آوازوں میں سخت و درشت آواز تو گدھے کی ہے۔

قوم اور ملک کے متعلق اخلاق

(۱) وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا (حجرات)

۱۔ اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تب سب لوگ ملکر اُن دونوں میں صلح کرا دیں۔

(۲) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔ (حجرات)

۲۔ اے ایمان والو کوئی قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے شاید وہی اُن سے اچھی ہو۔ نہ عورتیں عورتوں سے ٹھٹھا کریں شاید وہی اُن سے اچھی ہوں تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا بُرا لقب تجویز کرو۔

(۳) وَاجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا (الحجرات)

۵۔ بچو بہت گمانوں سے کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے
۶۔ کسی کا عیب تلاش نہ کرو۔ اور نہ کسی کی چغلی کیا کرو۔

غیر مذاہب والوں سے سلوک

لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (ممتحنہ)

جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے ساتھ نہ تو دین کیلئے جنگ کی ہے اور نہ تم کو خارج از وطن کیا اُن سے نیکی کرنے اور صحیح صحیح انصاف کرنے میں تمکو اللہ نے کبھی بھی منع نہیں کیا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں سے پیار رکھتا ہے۔

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء ع ۶)

اللہ کا حکم تمہارے لئے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اسی کو ادا کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کیساتھ کیا کرو۔

ایسے احکام بیسیوں ہیں۔ اور یہ وہ اخلاق ہیں جنپر قرون اولی کے مسلمانوں نے عمل کرکے دکھلایا۔ اور جنکی تعلیم اُنہوں نے علماً اور عملاً ہر دو طریق سے کل دنیا کو دی۔

اسلام کے سوا دیگر مذاہب کی تاریخ کے اوراق کیا دکھلاتے ہیں۔ اہل نظر خود آنکھ کھول کر دیکھ لیں۔

فصل نمبر ۴

اسلام ہی نے رحم وعدل کے مسئلہ کو حل کیا

موجودہ عیسائیت کی بنیاد دو اصولوں پر ہے۔

(۱) آدم نے گناہ کیا۔ اور اُسکی تمام نسل اُسی گناہ سے آلودہ ہے۔

(۲) خدا کے رحم نے چاہا۔ کہ لوگوں کو گناہ سے پاک ٹھہرائے لیکن خدا کے عدل نے چاہا کہ گناہ کا خمیازہ ضرور اُٹھانا ہوگا۔

خدا نے اس مشکل کو اسطرح سے حل کیا کہ اپنے بیٹے کو دنیا میں بھیجا۔ وہ لعنتی ٹھہرا۔ جہنم میں گیا دُکھ۔ درد اور عذاب اپنے اوپر برداشت کئے اور وہ گنہگاروں کا کفارہ بنا اسطرح عدل پورا ہو گیا۔ رحم خدا نے تب گنہگاروں کو معاف کر دیا۔

اسلام نے ہر دو اصول بالا کی صحت فرمائی۔

الف۔ گناہِ آدم کے متعلق فرمایا کہ توبہ کیوجہ سے آدم علیہ السّلام کو معافی ملگئی تھی۔ اور آدم گناہ سے پاک ٹھہرے تھے لہذا بنی آدم کو گناہ کا ورثہ میں ملنا قطعاً غلط ہے۔

(۱) فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (بقرہ) | آدم نے اپنے ربّ سے کچھ کلمات سیکھے۔ اُن کلمات کیوجہ سے اللہ نے اُس پر رجوع کیا۔ اللہ تو بہت رجوع کرنے والا۔ اور رحم کرنے والا ہے۔

(۲) ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ | پھر ربّ نے آدم کو برگزیدہ کیا۔ اور اُس پر توجہ فرمائی

وَھَدٰی (طٰہٰ ۶؍۷) اور اُسے راہ دکھائی۔

ب۔ عدل ورحم کے متعلق اسلام نے بتلایا کہ بے گناہ کو گنہگار کے بدلے سزا دینا سراسر ظلم ہے۔ اس لئے پاکباز مسیح کا لعنتی ہو کر جہنم میں جانا بھی غلط ہے۔

علیٰ ہذا گنہگاروں پر رحم کی غرض سے کسی بے گناہ کو عذاب دینا بھی رحم کے قطعًا خلاف ہے۔

(۱) حقوق اللہ۔ جو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کے متعلق مکمل رحم اور پوری رأفت وشفقت سے کام لیتا ہے۔

(۲) حقوق عباد۔ بندوں کے حقوق بندوں پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ عدل سے کام لیتا ہے اس مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یُغْفَرُ کُلُّ ذَنْبٍ لِلشَّھِیْدِ اِلَّا الدَّیْنُ شہید کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں مگر قرضہ نہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حقوق کی یہ جداگانہ تقسیم اور ہر ایک تقسیم کا رحم اور عدل کے تحت میں ہونا ایک ایسا فیصلہ ہے جو اسلام ہی نے صادر کیا ہے۔

ورنہ موجودہ عیسائیت نے یا آواگون کے چکر میں گھومنے والوں نے تو اس مسئلہ کو سخت پیچیدہ اور ناقابل حل ہی بنا دیا تھا۔

کرم اونسار کا مسئلہ پرمیشر کو رحم سے معرا ٹھہراتا تھا۔ اور کفارہ کا مسئلہ عدل کا منافی تھا۔

اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس نے افراط وتفریط کو چھوڑ کر اعتدال حقیقی کی سڑک قائم فرما دی۔

فصل نمبر ۵

اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے

موجودہ زمانہ میں علمی فضیلت کا بیان۔ یا شرافت علمی کے دلائل بیان کرنا تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں تمام عالم کے جملہ ممالک اور اقوام نے علماً و عملاً تسلیم کر لیا ہے کہ "علم" کے برابر اور کسی صفت انسانی کا درجہ نہیں۔

لیکن جس زمانہ میں اسلام کا آغاز عرب و حجاز میں ہوا۔ اسوقت تمام دنیا فضیلت علمی کے راز سے بالکل جاہل و غافل تھی۔

عرب تو نوشت و خواند سے بھی معرّا و مبرّا تھا۔ اور اسے اپنی اس حالت پر ناز بھی تھا۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی تعلیم کا نام و نشان نہ تھا۔ جو تعلیم پادریوں میں پائی جاتی تھی۔ وہ صرف بائبل کے حروف کے سیکھ لینے تک محدود تھی۔ اسکے ساتھ ترجمہ و تفسیر شامل نہ تھے۔ یا اُن بے سروپا داستانوں کو علم حقیقی کا درجہ دیا گیا تھا۔ جو یہودیوں میں کبھی بطور ناول لکھی گئی تھیں۔ اور پھر اُن کا درجہ وحی کے برابر تسلیم کر لیا گیا تھا۔

ہندوستان پر شری مدبھاگوت اور ۱۸ پرانوں کی حکومت تھی۔ بہت زیادہ ترقی کی حالت میں مہابھارت اور رامائن کے قصے سنہانے علم سمجھے جاتے تھے۔

یہی حال چین اور ایران کا تھا۔ یورپ قطعاً جہالت کدہ تھا۔

اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اسلام ہی علماء کا مامن و ملجا بنا۔

(۲) دیوتاؤں۔ اور فرشتوں کی برتری سے ہنود اور یہود کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور انسان کو ہمیشہ اُن کے سامنے ایک پرستار اور پجاری کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔ مگر اسلام نے بتایا کہ ابوالبشر تو ملائکہ اور دیوتاؤں کا بھی مسجود ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ابوالبشر صفت علمیہ میں اُن سے بڑھ گیا تھا۔ وہ بیان جو سورہ بقرہ میں موجود ہے

اسکا مقصود علم ہی کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے۔

اب آیت مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ (مائدہ ع ۱) کی تفسیر پر غور کرو۔ کہ وہ کتا جو محض الجوارح سے تعلیم و تعلم کے بعد شکار کرتے ہیں جارحہ انسانی کا منصب حاصل کر لیتا ہے اور اس کا شکار خود انسان کے شکار کا حکم دیتا ہے۔

جب ان دونوں مثالوں پر غور کیا جائے گا کہ اسلام نے تعلیم کیوجہ سے شکاری کتے کا درجہ جارحہ انسانی کے مساوی تسلیم کر لیا۔ اور انسان کا مسجود ہونا بوجہ افزونی علم قرار دیا تو ہر ایک شخص سمجھ سکیگا کہ اسلام کسقدر زیادہ علم کی فضیلت کا مظہر ہے۔

ہاں قرآن پاک میں ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ)

اللہ درجات بلند فرماتا ہے (۱) انکے جو تم میں سے ایمان والے ہیں (۲) اور انکے جنکو علم ملا ہے۔

یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

یہ قرآن مجید ہی ہے جسکی وحی کے ابتدائی فقرات میں یہ کلمات طیبات موجود ہیں۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (سورہ علق)

پڑھ۔ اور تیرا رب تو بڑے کرم والا ہے اسی نے قلم کے ذریعہ علم کی تعلیم دی ہے اسی نے انسان کو ان علوم کی تعلیم دی جنکو وہ نہ جانتا تھا۔

غور کرو۔ پڑھنے کی تاکید اور قلم کو نشر علوم کا ذریعہ بتانے کا بیان۔ انسان کا قابل تعلیم ہونا انسان کا نا معلوم علوم کی تعلیم سے مشرف ہونے رہنا کیسے اسلوب پاک میں بیان فرمایا گیا۔ اور قرأت و تحریر کے وسائل اختیار کرنے کے بعد کسطرح انسان کو روز افزوں معلومات کے حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض انبیاء کی دعائیں خاص خاص رنگ میں تھیں مثلاً دعائے نوح علیہ السلام یہ ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ

اے رب بخشدے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہو۔ اور

وَالْمُؤْمِنَاتِ (نوح ۲۶) — مومن مردوں اور مومن عورتوں کو۔

دعاء ابراہیم علیہ السلام ہے۔

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ (ابراہیم ۳۵) — مجھے اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچائیو

دعاء سلیمان علیہ السلام

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي (ص ۳۵) — اے رب مجھ کو بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو شایاں نہ ہو۔

دعاء زکریا علیہ السلام

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (آل عمران) اے رب مجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا فرما۔

لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خلاصہ موجودات اور سرور کائنات ہیں کی دعا سب سے الگ اور سب سے جامع تر تھی۔ وہ دعا یہ ہے۔

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طٰہٰ) — اے رب مجھے علم میں افزونی عطا فرما

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کا درجہ جملہ نعمائے عالیہ سے برتر ہے۔

قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطابات اور القاب عالیہ مثلاً خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین بھی ہیں۔ اور انہی کے پہلو بہ پہلو حضور کی توصیف ان الفاظ میں بھی فرمائی گئی ہے۔

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ — وہ کتاب اور حکمت کا معلم ہے وہ ان علوم کا معلم ہے جسے انسان نہ جانتے تھے۔

ہر دو آیات سے علم کی فضیلت بخوبی نمایاں ہے۔

بیشک اسلام ہی ہے جس نے علوم کی عام تعلیم دی ہے اور اسلام ہی ہے جس نے السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ اور انصار و مہاجروں کے علوم کو توسیع اور تو مفتوحہ ممالک میں پوری فیاضی کے ساتھ پہنچایا ہے۔ نظائر ذیل پر غور کرو۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب الصحیح ہیں اور انکی کتاب صحاح ستہ میں سب سے اوّل درجہ پر ہے۔ یہ بخارا کے باشندے ہیں۔ ان کے نسب میں

مغیرہ پہلا شخص ہے جو داخل اسلام ہوا۔

امام ہمام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ اہل فارس سے ہیں اور ان کے دادا ہی داخل اسلام ہوئے تھے۔

سیبویہ۔ ابو علی اور زجاج جو ائمہ لغت ونحو ہیں عربی الاصل نہیں۔

امام اللغت اسمٰعیل بن محمد جوہری اور استاد مجد الدین ابو الطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی بھی غیر عرب کے باشندے ہیں۔

ابو الفرج جسکی تصانیف عربی زبان میں خوب مشہور ہیں۔ مالٹا کا باشندہ ہے۔

ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کا موجد ہے ٹیونس میں پیدا ہوا تھا۔

مؤرخ الشہیر برہان الدین موصل کے ہیں۔

مقریزی بعلبک میں پیدا ہوا تھا۔ امام مسلم صاحب الصحیح اور امام ابو داؤد صاحب السنن گو نسلاً عرب ہیں مگر وطن ان کا عرب نہ تھا۔ ان نظائر سے واضح ہے کہ یہ اسلام ہی کی علم نوازی ہے کہ اُس نے بدو ظہور سے ہر ایک قوم پر ابواب علم کو کشادہ کر دیا تھا۔ اور اندرون ہندوستان سے لیکر انتہائے سوڈان تک اور بلاد خراسان سے لیکر سرحد مراکش تک دروس علمیہ کا افتتاح خیر القرون ہی میں ہوگیا تھا۔

انبیا علیہم السلام کو جو شرف وکرامت جملہ مخلوق الٰہی پر حاصل ہے اُسے بھی اللہ تعالےٰ نے وصف علم ہی سے نمایاں فرمایا ہے۔

يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ (مریم) ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں اے باپ مجھے علم حاصل ہوگیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا (نمل)	داؤد وسلیمان کو ہم نے علم عطا فرمایا تھا۔
وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا (یوسف)	جب یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو ہم نے ان کو علم سکھایا تھا

لوگ طلب علم کی تاکید کے ثبوت میں اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّينِ پڑھا کرتے ہیں۔ ان الفاظ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح ثابت ہونا تو قطعاً غلط ہے مگر قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ جو ... ہے جو اولوالعزم رسول اور صاحب

کتاب نبی چند مسائل کی تعلیم کیلئے ایک دوسرے نبی (خضر) علیہ السلام کے پاس پہنچے تھے اور عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِیْ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا کے الفاظ میں اپنی طلب کا اظہار کیا تھا۔ کہ جو آپکو معلوم ہے میں اُسے سیکھنے کو آیا ہوں۔

اللہ تعالٰے نے دلائل توحید کے ثبوت میں علماء کو بھی پیش کیا ہے جیسا کہ اس مسئلہ کو اپنی شہادت اور ملائکہ کی شہادت سے مستحکم فرمایا ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ (آل عمران)	اللہ نے ظاہر کر دیا ہے کہ اُسکے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں ملائکہ اور صاحبان علم کی شہادت بھی یہی ہے۔

اللہ تعالٰی نے نبوت محمدیہ کے ثبوت میں علماء اہل کتاب کی شہادت کو بھی پیش کیا ہے۔

(۱) اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (شعراء ۲۶)	کیا ان کے لئے یہی نشانی کافی نہیں کہ علماء بنی اسرائیل کو اس کا علم ہے۔
(۲) وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا	کافر کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں کہدے کہ خدا
قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (رعد)	مجھ میں اور تم میں شہید ہے اور وہ شخص بھی گواہ ہے جسکے پاس توراۃ و انجیل کا علم ہے۔

دلائل اسلام جسطرح مبنی بر علم ہیں۔ اسیطرح اُن کا مطالبہ بھی ادیان دیگر سے کیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے دعاوی کو بروے علم ثابت کریں۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (انعام ۱۸۶)	اُن سے پوچھئے کہ تمہارے پاس کچھ علم بھی ہے تو اُسے ہمارے لئے پیش تو کرو۔
(۲) نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (انعام)	اگر تم سچے ہو تو مجھے کسی علم سے یہ بات بتاؤ۔

کج بحثی کرنے والوں پر بھی اسلام کا یہی اعتراض ہے کہ وہ علم کے بغیر باتیں بناتے ہیں

(۱) لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ (آل عمران)	جس چیز کا علم نہیں۔ اُس میں کج بحثی کیوں کرتے ہو۔
(۲) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ	اُس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھکو علم نہیں بیشک

السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (اسرائیل)	کان، آنکھ، دل (یہ سب) اس کی بابت پوچھے جائیں گے۔

ان آیات و احکامات کی تعمیل میں علم بردارانِ اسلام یعنی اسلاف کرام نے جو کچھ کیا آج تمام یورپ اس کا شاہد ہے۔

سلطنت عباسیہ بغداد میں، اور سلطنت امویہ اندلس میں اور سلطنت فاطمیہ مصر میں جن دنوں قائم تھیں۔ ان میں تنافس باہمی صرف ترقی علم اور حمایت علما کی بابت پایا جاتا ہے۔ ہر ایک کی سعی و کوشش یہ تھی کہ اسی کی سلطنت سب سے بڑھ کر مربی علم و علما ثابت ہو۔ سمرقند کی رصدگاہ اندلس کی رصدگاہ کے مقابلہ میں موجود تھی۔

بغداد نے علوم و فنون کو ہند اور چین اور تاتار تک پھیلا دیا تھا۔ تو اندلس نے اٹلی و فرانس اور جرمن کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا۔

سلاطین اسلام کے دربار میں یہودی، عیسائی، ہندو، مصری، چینی، یونانی، فلاسفر اسی طرح احترام کے ساتھ پرورش پاتے تھے جس طرح حجازی حضرمی یمنی اور فرزندان مہاجر و انصار۔ علوم منقول۔ اور ادب و نحو کے ساتھ ساتھ علوم ریاضیہ فلسفہ ہیئت کا رواج تھا۔ مشرق و مغرب و افریقہ میں مدارس عام کھلے تھے۔ اور ہر ایک مدرسہ کے ساتھ کتب خانے اور دار القیام بنے ہوتے تھے۔ بغداد میں وزیر نظام الملک کا بنایا ہوا مدرسہ نظامیہ وہ تھا جس میں چھ ہزار طالب علموں کی خوراک کا انتظام منجانب مدرسہ کیا جاتا تھا۔ اسی سے دیگر مدارس کا اندازہ لگاؤ۔

اسلام نے علوم کو جس خصوصیت سے خلائق کے سامنے روشناس کیا ہے وہ ایسا طریق ہے جس سے اقوام ماضیہ قطعاً بے علم رہی ہیں۔

اسلام علوم کو دو اقسام پر تقسیم کرتا ہے۔

(۱) [illegible] اور اسکے حصول کے تین ذرائع ہیں۔

۱۔ [illegible]۔ وہ جملہ علوم جو مشاہدہ و اکتشافات سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ [illegible]۔ وہ جملہ علوم جو استقراء پر مبنی ہیں۔

۳۔ قلب۔ وہ جملہ علوم جو تجارب انسانی کا مجموعہ ہیں۔

ب۔ خفی۔ اور اسکے حصول کے بھی تین ذرائع ہیں۔

۱۔ ایمان۔ جو جز و معلوم سے جز و نا معلوم کا یقین دلاتا ہے۔

۲۔ فراست صادقہ۔ جو حواس عشرہ کے بعد امور مخفی کے راز پر مطلع ہوتی ہے۔

۳۔ معرفت۔ جس کا آغاز مادیات کے انجام سے ہوتا ہے۔

(۱) اسلام نے ایک اور علم کا ذکر کیا ہے جو اکتسابی نہیں اور خالصتہً وہبی ہے۔

اسے علم لدنی کہا جاتا ہے۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے۔

اس علم کا متعلم مبدء فیاض کی رحمت خاصہ سے سبق لیتا ہے اور اس کا علم جملہ علوم و براہین کا سلطان ہوتا ہے اسی علم کے سایہ میں

عبودیت

متابعت

صدق

کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کمال کا نتیجہ نفی دعوی ہے۔

اسی علم کا عالم اگر کوئی فعل سرانجام دیتا ہے تو مَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ کو وجہ موجہ قرار دیتا ہے۔ اسی علم کا عالم جملہ علوم پر نطق ہمایوں سے کلام کرتا ہے۔ اور وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کا تاج اُسکے سر پر رکھدیا جاتا ہے۔

فریفتگان مادہ۔ ابتک مادہ کی حقیقت سے واقف ہوئے اور نہ مادہ کی حرکت کی کوئی توجیہہ اُن کی سمجھ میں آئی۔

لیکن اس علم کا عالم روح کی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے اور اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ بتاتا ہے۔ وہ عالم خلق سے بالاتر ایک عالم امر کے حقائق سے مطلع ہوجاتا ہے۔ اور اُن حقائق کی تعلیم سے چشم بصیرت کو روشن بنا دیتا ہے۔ اور غیر محرموں کو معلوم کے دریچے میں بٹھا دیتا ہے

اس تمام مبحث پر غور کرنے سے معلوم ہوجائیگا کہ اسلام ہی دین العلم ہے اور اسلام ہی جامع العلم ہے۔

اِنْ تَذَرُ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ	اگر تم اپنے وارثوں کیلئے دولت چھوڑ کر مرے
اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ	تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تو اُن کو بے زر بے پر

چھوڑ کے اور وہ لوگوں کے سامنے مانگتے پھریں۔

اس حدیث کے ساتھ قرآن مجید کے احکام توریث کو مدنظر رکھو۔ کہ مال میت کی تقسیم کیلئے اللہ تعالیٰ نے کسطرح حصص کا تعین فرما دیا ہے۔

اصول ارث و مواریث

ارث کے اصول نسب اور نکاح اور ولا ہیں اور فرائض ہیں سہام کو چھ اوزان نصف $\frac{1}{2}$ ربع $\frac{1}{4}$۔ ثمن $\frac{1}{8}$۔ دو ثلث $\frac{2}{3}$۔ ایک ثلث $\frac{1}{3}$۔ ایک سدس $\frac{1}{6}$ پر مقرر فرمایا گیا۔

۱۔ نصف کے حقدار پانچ ہیں۔ شوہر $\frac{1}{2}$ (ترکہ زوجہ سے اگر وہ بے اولاد تھی) صلبی بیٹی $\frac{1}{2}$ جو تنہا ہو (یا $\frac{1}{2}$ پوتی) اور اُخت $\frac{1}{2}$ واحدہ (اب و ام سے) یا اخت واحدہ (اب سے) جبکہ اب و ام کا فرزند نہ ہو۔

۲۔ ربع کے حقدار ۲ ہیں شوہر (مع ولد زوجہ) زوجہ (بعدم الولد)

۳۔ ثمن کی حقدار ۱ زوجہ (مع ولد)

۴۔ دو ثلث کی حقدار ۴۔ دو $\frac{2}{3}$ بیٹیاں، یا زائد اس۔ (یا پوتیاں) اور بہنیں $\frac{2}{3}$ (مادر و پدر سے) یا بہن $\frac{2}{3}$ منجانب پدر۔

۵۔ ایک ثلث کی حقدار ۳ ہیں ماں $\frac{1}{3}$۔ (جبکہ میت کا ولد۔ اور اخوۃ واخوات نہ ہوں) ماں کی اولاد $\frac{1}{3}$۔ دو یا زائد کا (جس میں ذکر وانثٰ برابر ہونگے) دادا $\frac{1}{3}$ (میت کے بھائیوں کے ساتھ جبکہ کوئی اور صاحب فریضہ نہو۔

۶۔ سدس کے حقدار ۷ ہیں۔ باپ $\frac{1}{6}$ (جبکہ میت کا ولد موجود ہو) ماں $\frac{1}{6}$ (جبکہ میت کا ولد یا پوتا یا بھائی بہن ہوں) دادا $\frac{1}{6}$ (ولد میت کے ساتھ اور بہنوں کے ساتھ جبکہ کوئی صاحب فرض بھی شامل ہو۔ دادی $\frac{1}{6}$ پردادیاں۔ ماں $\frac{1}{6}$ کی اولاد۔ پوتیاں $\frac{1}{6}$ (صلبی بیٹی کے ساتھ) بہن $\frac{1}{6}$ پدری (حقیقی بہن کے ساتھ)

فرمان رسول کی معنی تقسیم ہے جو علم فرائض کے متعلق ہے بطور کہ ... اور ... تو کہ اگر

اسلام کے نزدیک مال کیلئے محنت و مشقت کرنا اور مال کمانا اور ورثاء کیلئے مال چھوڑ کر مرنا بہتر نہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ ارث کے متعلق اتنے مکمل اور وسیع احکام کبھی صادر نہ فرماتا۔

قرآن مجید میں تو تقسیم حصص بالک کے علاوہ مال کثیر ہونے کی صورت میں "وصیت" کا ہونا بھی ضروری بتایا گیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (بقرہ ع ۲۲)

تم پر لکھدیا ہے اگر کوئی تم میں سے مال کثیر چھوڑتا ہے تو والدین اور اقربا کیلئے معروف طور پر وصیت کرے یہ تقویٰ والوں کے لئے ضروری ہے۔

حفاظت مال کے متعلق ایک اور حکم ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (نساء ع ۱)

اپنا مال و زر بے عقلوں کے سپرد نہ کرو۔ مال و زر کو تو اللہ نے تمہارے لئے وجہ قیام بنایا ہے

بیع و اشتریٰ کے احکام اور خرید و فروخت اور تجارت کیلئے جگہ جگہ تعلیم بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ اسلام دین العمل ہے۔

جملہ سیر نگاروں کو معلوم ہے کہ مہاجرین اولین جو اہل مکہ تھے۔ سب تجارت پیشہ تھے اور انصار اولین سب زراعت پیشہ تھے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں تجارت اور زراعت کی تمثیلوں ہی میں آیات ثواب و جہاد کا بیان فرمایا ہے۔ تجارت و زراعت جس قدر محتاج عمل ہیں اُسے اہل خرد خوب جانتے ہیں۔

تاجر صحابہ کی دولت کا اندازہ کرنے کیلئے دو ایک نظائر پر غور کرو۔

الف۔ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔

اسلام کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اُنہوں نے مندرجہ ذیل رقوم صرف کی تھیں
(۱) ایک دفعہ چار ہزار روپیہ۔ یہ اسوقت انکے کل مال کا چہارم تھا۔ (۲) دوسری دفعہ چالیس ہزار
(۳) تیسری دفعہ چالیس ہزار دینار (۴) چوتھی بار پانسو گھوڑے (۵) پانچویں دفعہ پانسو ناقہ
(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے ایک باغ امہات المومنین کی نذر کیا۔ جو چار لاکھ میں فروخت ہوا۔ (۷) مرتے ہوئے انہوں نے فی سبیل اللہ پچاس ہزار دینار کی وصیت کی

(۸) خیبر وصیت کی کہ ہر ایک بدری صحابی کو چار سو دینار پیش کئے جاویں۔ بوقت تعمیل اصحابِ بدر ایکسو شمار ہوئے (۹) علاوہ بریں اُنہوں نے ایکہزار گھوڑا فی سبیل اللہ دیا۔

(۱۰) نفاذ وصیت کے بعد زر طلا کی تعداد کثیر موجود پائی گئی۔ جسے کاٹتے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے (۱۱) طلا کے بعد ایک ہزار اونٹ۔ ایک سو گھوڑا۔ تین ہزار بکریاں بھی شمار میں آئیں۔

(۱۲) ان کی چار بیویاں تھیں ہر ایک کو اسّی ہزار نقد دے کر مصالحت کر لی گئی رضی اللہ عنہ۔

ب۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے۔ اُنہوں نے وصیت کی تھی کہ اول میرا قرض ادا کیا جائے۔ اور پھر ثلث مال صدقہ دیا جائے اور پھر وراثت کی تقسیم کی جائے۔

قرض شمار کیا گیا۔ تو ۲۲ لاکھ نکلا۔ اُنکے پاس نقدی کم تھی۔ جائیداد زرعی و سکنی بہت تھی گیارہ مکانات مدینہ میں۔ دو مکانات بصرہ میں ایک مکان مصر میں تھا۔ ایک اراضی زرعی کا ٹکڑا تھا۔ جو اکہتر لاکھ میں خرید کیا گیا تھا۔ ان سب کو فروخت کر دیا گیا تو پانچ کروڑ ۲ لاکھ کی رقم حاصل ہوئی۔ قرض ادا کر دیا گیا۔ وصیت نافذ کی گئی۔ اور پھر چار سال تک بموسم حج منادی کی گئی کہ اگر کسی کا قرض زبیر پر آتا ہو تو لیلے۔ بعد ازاں مال تقسیم ہوا۔

اُنکی سخاوت کا یہ حال تھا کہ اُنہوں نے ایک ہزار غلام تجارت پر لگوا رکھے تھے۔ جو یومیہ نفع حاصل ہوتا اُسے خیرات کر دیتے تھے۔ (تہذیب الاسماء للنووی)

میرا مقصود ایسے نظائر کا بالاستیعاب بیان کرنا نہیں مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم نے سابقون الاولون کو کیونکر عمل دنیا اور عمل آخرت کا جویا و شیدا بنا دیا تھا۔

کیا اسکے مقابلہ میں کوئی اور مذہب (؟) کوئی شرف رکھ سکتا ہے جس نے گدیہ گری کو رواج دیا۔ یا وید کی تعلیم جس نے عمر کے آخری حصہ میں انسان کا بن باسی ہونا ضروری بنایا۔ یا عیسائیت کے پاس اس تعلیم کی کوئی توجیہ موجود ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گذر جانا آسان ہے مگر دولتمند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل تر ہے۔

تعلیم اسلام نے جن لوگوں کو مکمل بنایا۔ اُنکی صفت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

لہ تہذیب الاسماء النووی۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور ع ۵)	یہ وہ مردانِ خدا ہیں جنکو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

یہ وہ خوبی ہے جو اسلام ہی میں نمایاں ہے کسی شخص نے اسی آیت کا ماحصل اس فقرہ میں ادا کیا ہے۔ "دست بکار و دل بیار"۔

یہانتک عمل کی بحث معیشت اور تمدن کے پہلو سے کی گئی تھی۔ لیکن تقرّب اور تدین کے اعتبار سے بھی جو اہتمام اسلام نے اعمال صالحہ کے سرانجام دینے میں فرمایا ہے وہ لاثانی ہے۔ ارشادات ذیل پر تدبر کرو۔

(۱) فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (بقرہ)	انیک کاموں کے سرانجام دینے میں سبقت دکھلاؤ۔
(۲) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ أَصِيلًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا	اپنے رب کے نام کی یاد قبل از دوپہر بھی کرو اور بعد از دوپہر بھی۔ اور رات کو بھی۔ اُسی کیلئے سجدہ ہو اُسی کی حمد و ثنا ہو۔ رات کو زیادہ ہو۔
(۳) وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (علق)	سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔
(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (احزاب)	اے ایمان والو۔ اللہ کو یاد کیا کرو۔ بہت یاد کیا کرو۔
(۵) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (مزمل)	اپنے رب کا نام لیا کر۔ اور سب سے منہ موڑ کر اُسی کا بنکر عبادت کیا کر۔

کائنات پر غور کرنا۔ صنعت آلہی سے دل اور نظر کو روشن کرنا۔ خصوصیات بحر و بر۔ اور تصرفات ارضی و سماوی پر تدبر کرنا بھی اسلام نے عبادت کا جزو اور عبادت کرنے والوں کیلئے بلندی مدارج کا باعث قرار دیا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ (بقرہ)

۱۔ آسمانوں کی بناوٹ میں اور زمین کی بناوٹ میں۔

۲۔ رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں۔

۳۔ اُن جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کی نفع رسانی کیلئے چلتے ہیں۔

۴۔ اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے اُتارتا اور زمین کو اُس سے زندگی بخشتا ہے۔

۵۔ زمین پر ہر قسم کے چلنے والے رینگنے والے جاندار وں میں۔

۶۔ ہواؤں کا الگ الگ رُخ بدل کر چلنے میں۔

۷۔ اُس بادل میں جو آسمان و زمین کے اِدھر میں حکم سے باندھے ہوئے ہیں۔

بیشک عقل و عمل والی قوم کے لئے اللہ کی شان کے بہت سے نشان ہیں۔

اِن احکام سے ثابت ہو گیا کہ اسلام دین العمل ہے۔ وہ اہل اسلام کو بہبودی و رفاہیت دنیا کے لئے بھی عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور ذخیرہ آخرت کے لئے بھی عمل کرنے کا ارشاد فرماتا ہے یہ احکام اور یہ جامعیت اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔

فصل نمبر ۸

اسلام ہی بانیٔ اخوت ہے

ایک اخوت وہ ہے۔ جو دو اشخاص کے درمیان خون کیوجہ سے پائی جاتی ہے۔ اس اخوت کے متعلق کچھ تحریر کرنا غیر ضروری ہے۔ اس اخوت میں ہر ایک بھائی کا حق قانوناً۔ رواجاً اخلاقاً مسلم ہوتا ہے اور ایک بھائی دوسرے بھائی کی مدد اور معاونت کا بچپن ہی سے خوگر ہوتا ہے۔

لیکن اس اخوت کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہوتا۔ اور بایں ہمہ اس اخوت میں بھی سینکڑوں مثالیں تاریخ میں ایسی ملتی ہیں۔ کہ بھائی بھائی کا دشمن رہا اور مدت العمر اُنکے تعلقات صاف

نہ ہوئے. بائبل اور قرآنِ مجید میں ہابیل و قابیل کا واقعہ موجود ہے کہ قتل انسانی کی ابتدا اور بھائیوں ہی میں پائی گئی۔

ایک اخوۃ وہ ہے جو اتحادِ عقیدہ کی بنیاد پر پائی جاتی ہے اور ہماری مراد اسی اُخوت سے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اُخوت قائم ہوئی۔ وہ اپنے تقدس میں ایسی ارفع و اعلیٰ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں تلاش کرنا عبث ہے زمین و آسمان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا۔ اور مدینہ میں بھی۔

مواخاتِ مکہ میں مکی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی۔ نصرت علی الحق اور مواسات مطلوب تھی اور مواخاتِ مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب میں وحدتِ اسلامی کا پیدا کرنا ملحوظ تھا۔ توسیع محبت۔ اور استحکامِ انس و مودت اس کی بنیاد تھی۔

مواخاتِ مکہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم	سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	ابن مسعود رضی اللہ عنہ
سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔

مواخاتِ مدینہ

ہجرت سے پانچ چھ ماہ کے بعد جن دنوں مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ اخوت اور معاقدت سے قوی دل۔ قوی بازو بنا یا گیا۔ پچاس جوڑے وہ پہلے تھے جو مسجد نبوی میں سلک اتحاد سے مشرف ہوئے۔

بعد ازاں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھی حضور نے اس سلسلہ کو وسیع فرمایا۔

ابو داؤد میں انس بن مالک کے الفاظ یہ ہیں حَالَفَ بَیْنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فِیْ دَارِنَا

مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثَانِيَه

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

تَاَخَّوْا فِی اللّٰہِ اَخَوَیْنِ اَخَوَیْنِ راہ خدا میں دو۔ دو کس بھائی بھائی بن جاؤ۔

معلوم ہوتا ہے کہ جو مؤنہ رحمۃ للعالمین نے اپنے سامنے قائم فرما دیا تھا۔ اُس پر برابر عمل ہوتا رہا۔ اور یہ سلسلہ اُسوقت تک رہا۔ جبتک کہ مکہ معظمہ فتح نہ ہو گیا۔ او مکہ سے آنے والوں اور ہجرت کرنے والوں کیلئے گروہ غبارِ وحشت بالکلیہ دھل گیا۔

ذیل میں مواخات مدینہ کا بھی ایک مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

مہاجرین	انصار
۱۔ سیدنا ابوبکر صدیق خلیفہ رسول اللہ صلعم	خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما
۲۔ سیدنا عمر فاروق رضؓ امیر المومنین	عتبان بن مالک رضی اللہ عنہما۔
۳۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورین بن عفان رضؓ	اوس بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ
۴۔ سیدنا علی مرتضیٰ امیر المومنین رضؓ	
۵۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ	سعد بن الربیع رضی اللہ عنہما
۶۔ ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضؓ	سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما
۷۔ طلحہ بن عبداللہ القرشی بن عبید اللہ (احد العشرۃ المبشرۃ)	کعب بن مالک بن ابی الوکعب الانصاری الخزرجی السلمی، شاعر النبی رضی اللہ عنہما
۸۔ سعید بن زید	ابی بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہما۔
۹۔ زبیر بن العوام رضؓ	سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہما
۱۰۔ سیدنا زید بن حارثہ رضؓ	اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما۔
۱۱۔ سیدنا بلال رضؓ	ابو رویم الخثعمی رضی اللہ عنہما
۱۲۔ جعفر بن ابی طالب (مقیم حبش)	معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما۔
۱۳۔ عمار بن یاسر رضؓ	حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما
۱۴۔ مصعب بن عمیر رضؓ	ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہما۔

لے ہمارے ذکر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت کو باہمی حلف کے ذریعہ قائم فرمایا۔

۱۵۔ ابوذر دار رض	سلمان فارسی رضی اللہ عنہما۔
۱۶۔ عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب	عمیر بن حمام بن جموح رضی اللہ عنہما
۱۷۔ زید بن خطاب رض	معن بن عدی العجلانی رضی اللہ عنہما
۱۸۔ ابو مرثد غنوی رض	عبادہ بن الصامت الانصاری السالمی رضی اللہ عنہما
۱۹۔ وہب بن سعد بن ابی سرح القرشی العامری	سوید بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہما۔
۲۰۔ ذو الشمالین عمیر بن عبد عمیر بن نضلہ الزہری	یزید بن حارث بن قیس بن مالک الانصاری البنجاری رضی اللہ عنہما۔
۲۱۔ عثمان بن مظعون رض	عباس بن عبادہ خزاعی ذو عقبتین مہاجر و انصاری رض
۲۲۔ طلیب بن عمیر بن وہب القرشی العبدری (ابن عمۃ النبی ص)	منذر بن عمرو بن خنیس الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہما۔
۲۳۔ ابو حذیفہ بن عتبہ رض	عباد بن بشر رضی اللہ عنہما۔
۲۴۔ معاویہ بن ابو سفیان رض	حتات رض

مواخات کا اثر

ہر ایک انصاری اس دینی بھائی کو اپنے گھر لے جاتا۔ اپنا مال و زر۔ اسباب سامنے لاتا۔ اراضی سکنی و زرعی دکھلاتا۔ اور نصفا نصف باہمی تقسیم کر لیتا۔

سعد بن ربیع جب عبد الرحمٰن بن عوف کو گھر لیگئے۔ تو اُسوقت اُنکے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو ابن عوف کے سامنے لے آئے۔ کہا ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لیجئے تاکہ میں اُسے طلاق دیدوں اور وہ تمہاری منکوحہ بنے۔

ان دو بھائیوں میں سے جب کوئی مرجاتا تو دوسرا بھائی اُسکے ترکہ میں سے حصہ بھی لیتا ترکہ بنہانے کا قاعدہ اُسوقت ترک کر دیا گیا جب مہاجرین نے اپنے گھر خود بنا لیئے اور اپنی جائدادیں پیدا کر لیں اور انصار کی معاونت مالی سے مستغنی ہو گئے۔

قرآن مجید میں مواخات کا ذکر

قرآن حمید میں اس مواخات کا ذکر چند مقام پر ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (اٰل عمران ۱۱۶)

اللہ کی جو نعمت تم پر ہے۔ اُسے یاد کرو۔ کہ تم تو ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈالی اور تم بفضل ربی بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم تو آگ کے کنارے پر پہنچ گئے تھے پھر اللہ نے تمکو وہاں سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی نشانی تم پر اسطرح واضح کررہا ہے۔ کہ تم ہدایت یاب ہو۔

قرآنِ مجید نے وَكُنْتُمْ اَعْدَآءً کے الفاظ میں اُن تمام لڑائیوں کیطرف اشارہ کر دیا ہے جو صحابہ کو بخوبی یاد تھیں۔ اور جن میں وہ خود یا اُنکے اقربا و آبا و اجدا و ابنا برابر حصّہ لیتے رہے تھے۔ یہی جنگ بے آب و گیاہ زمین کو انسانی خون سے سیراب کیا کرتی تھی۔

۱۔ خاص مکّہ شہر میں بنو ہاشم اور بنو اُمیّہ کے جھگڑے۔

۲۔ قریش اور مُضر کی خصومتیں۔

۳۔ قریش اور حربِ الفجار۔

۴۔ کنانہ اور بنو قیس کی لڑائی۔

۵۔ عبد مناف[1] اور اُسکے اتحادیوں بنو زہرہ۔ بنو اسد۔ بنو تیم۔ بنو الحارث۔ اور بنو عبدالدار[2] اور اُسکے اتحادیوں بنو سہم۔ بنو جمح۔ بنو مخزوم۔ بنو عدی۔ کی عداوتیں۔

۶۔ مکّہ سے باہر اور عرب کے اندر ملوک کندہ۔ ملوک غسان۔ ملوک حیرہ۔ کی عداوتیں اور ان عداوتوں کی حالت میں سلطنت ایران کا عرب کے ایک حصّہ پر۔ اور سلطنت روما کا عرب کے دوسرے حصّہ پر اور حبش کا عرب کے تیسرے حصّہ پر قبضہ و غلبہ اور پھر ان سلطنتوں کی باہمی جنگ و جدال اور اُس جنگ و جدال کا عربی قبائل پر بلحاظ ماتحتی مخالفانہ اثر۔

۷۔ یثرب کے اوس اور خزرج کی لڑائیاں۔

۸۔ یہودیان بنو نضیر و بنو قینقاع۔ و بنو قضاعہ۔ اور خیبر و فدک و تیما کی شرارتیں۔ اور قبائل عرب کو ہمیشہ مصروف جنگ رکھنے کی پالیسی۔

۹۔ عیسائیان دومۃ الجندل و نجران و بحرین کی ریشہ دوانیاں۔

۱۰۔ بُت پرست قبائل کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں نبرد آزما ہونا۔

۱۱۔ زنادقہ و دہریہ کے منصوبے اور روباہ بازیاں۔

۱۲۔ عیسائیوں کے فرقہ ہائے ثلاثہ کاتولیکی۔ یعقوبی۔ اور پولوسی کے اختلافات شدید۔ اور ان اختلافات کی ترویج میں اہل عرب کو قربانی کا بکرا بنایا جانا۔ یہ سب وہ امور ہیں جو آیت بالا کے لفظ وَكُنتُمْ أَعْدَاءً کے تحت میں داخل ہیں

بعد ازاں ان سب اختلافات کا اُٹھ جانا۔ نزاعات کا انتزاع۔ جھگڑوں کا خاتمہ لڑائیوں کا انسداد۔ جذبات کینہ و انتقام کا محو ہو جانا۔ امن بسیط کا قائم ہو جانا۔ اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایک ہی کلمہ زبان پر۔ ایک ہی اعتقاد دل میں۔ ایک ہی ولولہ دماغ میں ایک ہی مقصود کا منظور ہو جانا۔ ایک ہی مسجود و معبود کا مستحق عبادت و استعانت سمجھ لینا۔

بھیڑیوں کا گلہ بان ہو جانا۔ رہزنوں کا محافظ جان و مال کے لقب سے ملقب ہونا دشمنانِ جان کا ایمانی و قلبی اخوان ہو جانا۔

درحقیقت ایسی نعمت عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا بطور تذکار احسان ضرور ذکر فرمائے اور اسلام اس خصوصیت کو اپنے شرف اور برتری کی دلیل قرار دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مواخات کی تکمیل کرنے والوں میں سے ہر ایک فریق کی تعریف فرمائی ہے۔

مہاجرین کے حق میں فرمایا۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (سورہ حشر)	یہ وہ ہیں۔ جو اپنے وطن اور گھر بار۔ زر و مال سے نکال دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فضل اور رضوان کے جویا ہیں۔ اور اللہ اور رسول کی نصرت کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ راستباز ہیں

آیات بالا میں اُن کی مظلومی اور جبراً وطن سے اخراج اور جائداد سے محرومی۔ اور باایں ہمہ اُن کا ثابت القلب ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل کا خواہاں اور رضوان الٰہی کا جویا ہونا اور جملہ

وسائل معیشت سے محروم ہونیکے بعد بھی اللہ اور رسول کی نصرت میں استمرار استحکام کے ساتھ لگے رہنا۔ بیان فرمایا۔ اور پھر حصر کے طور پر فرما دیا۔ کہ یہی لوگ صادق ہیں۔

دوسرے مقام پر کل دنیائے اسلام کو حکم دیا۔

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۔ تمکو صادق لوگوں کی معیت چاہیئے۔

صادقوں کا حصر اور تعیین آیت بالا میں کر دیا گیا تھا۔

انصار کے متعلق اسی مقام پر فرمایا۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْإِيمَانَ	اور دار الہجرت (مدینہ) کے رہنے والے
مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ	جو پہلے سے ایمان لا چکے ہیں وہ مہاجرین سے
وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً	محبت کرتے ہیں اور جو تھوڑا بہت اُن کو
مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ	دیا جاتا ہے اُسکی بابت اُنکے سینہ میں خلش
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ	نہیں ہوتی۔ وہ بھی ایثار کرتے ہیں۔ خواہ وہ خود
شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (حشر)	ضرور تمند بھی ہوتے ہیں۔ ہاں جو کوئی تنگدلی

سے بچا لیا گیا وہی تو فلاح والا ہے۔

ان آیات میں دار الہجرت کا قیام۔ اور قیامت ایمان۔ اور محبت مہاجرین۔ اور عطیات میں کمی بیشی سے استغنا اور تنگی و افلاس میں بھی ایثار پر عمل کرنا انصار کرام کی صفت بتائی گئی۔

ہر دو آیات پر مکرر غور کرو۔

الف۔ مہاجرین کا ایثار یہ کہ اللہ اور رسول کیلئے گھر بار خویش و تبار کو تج دیا۔

اور انصار کا ایثار یہ کہ خود تنگی اُٹھائی اور مہاجرین کی ضرورتوں کو پورا کیا۔

ب۔ مہاجرین کی فضیلت ایمانی یہ کہ اُنکا مقصود رضوان ربانی ہے۔

انصار کی فضیلت ایمانی یہ کہ ہجرت سے بھی پیشتر ان میں ایمان (بعد از بیعت عقبہ) پہنچ گیا تھا۔

ج۔ مہاجرین کی فضیلت یہ کہ اُنکے جملہ افعال اللہ اور رسول کی نصرت کیلئے ہیں۔

انصار کی فضیلت یہ کہ اُنہوں نے مہاجرین کو محبوب بنا لیا۔ اور خود اُنکے محبت ہو گئے۔

د۔ مہاجرین کی فضیلت یہ کہ وہ صادق ہیں۔

انصار کی فضیلت یہ کہ وہ مُفلح ہیں۔

یہ ہے وہ اُخوّت اسلامی جس کا بانی اسلام ہے۔

یہ ہے وہ محبت ایمانی جس کی بنیاد نہ منفعت مالی پر ہے اور نہ لذت نفسانی پہ یہی وہ اخوّت ہے جو اغراض سے بالاتر اور مادیات کے اثر سے بلند تر ہے۔

ذرا میدان اُحد تک اپنی نگاہ علمی کو وسیع کرو۔

کہ بادشاہ دوجہان کی بیوی۔ چہیتی ملکہ۔ مومنین کی ماں طیّبہ عائشہ صدیقہ پانی کی مشک کندھے پر اُٹھائے ہوئے ہے اور ہر ایک فرزند اسلام کو پانی پلا رہی ہے۔ زخمیوں کے منہ میں قطرہ قطرہ ٹپکا رہی ہے۔ کیا کسی دنیوی بادشاہ کی ملکہ نے بھی کبھی ایسا کام کر دکھلایا ہے۔

ایک صحابی کی سنو۔ حذیفۃ العدوی کہتے ہیں کہ وہ میدان جنگ یرموک میں اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلا۔ پانی ساتھ لیگیا تھا۔ بھائی کے پاس پہنچ گیا۔ اُسے پانی پلانے کو تھا کہ دوسرے زخمی کی آواز آئی "آہ" زخمی نے بھائی کو اشارہ کیا کہ پہلے اُسے پلاؤ وہ اُس کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ ہشام بن العاص ہیں رضی اللہ عنہ۔ اُنہی پانی پلانے لگا۔ تو تیسرے زخمی کی یہی آواز آئی اُس نے کہا پہلے اُسے پلاؤ اُس کے پاس پہنچا وہ جان بحق ہو چکا تھا۔ واپس آیا تو ہشام کو پایا کہ جنت کو سدھار گیا۔ واپس آیا اور بھائی کو دیکھا کہ وہ بھی جام طہور کا سرور حاصل کر چکا تھا۔

میدانِ جنگ اور زخمی اور آخری سانس اور اپنے اپنے نفس کے مقابلہ میں دوسرے بھائی کا (جو خون کا بھائی نہیں بلکہ ایمان کا بھائی ہے) یہ احترام یہ تقدم۔ اسلام کے سوا اور کہاں نظر آسکتا ہے۔

یہ نہ سمجھو کہ یہ اثر اور ایثار صرف عہد نبوت تک ہی تھا۔

سپین کے خلیفہ کی لونڈی زہرا کا نام آپ نے قصر زہرا کے سلسلہ میں سنا ہوگا۔ اس لونڈی نے مرتے وقت وصیت یہ کی تھی کہ اُس کا مال اُن مسلمان کی رہائی میں صرف کیا جائے جو کسی غیر قوم کی قید میں محبوس ہو۔

وصیت کے مطابق تین سال تک یوروپ اور افریقہ اور ایشیا میں تلاش کیگئی۔ کوئی ایسا مسلمان نہ ملا۔ آخر اُسکا روپیہ اس محل کی تعمیر پر اُسکی یادگار میں لگا دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ اس قصر کی لاگت اُن دنوں میں ۵لہ کروڑ تھی۔

کہتے ہیں کہ لاج والے لاج کے اندر ایک دوسرے کو بھائی کہکر بلاتے ہیں۔ اُن کی اخوت اور اسلامی اخوت کا مقابلہ کر کے دیکھو۔ فوراً اقرار کرنا پڑیگا کہ جس اُخوت کو اسلام نے پیش کیا ہے وہ اُسکی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل نمبر ۸

اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں بانیان و ہادیان مذاہب کی شخصیت کے متعلق جو اعتقادات قبل از اسلام موجود تھے اُن پر غور کرو۔

یہودیوں کا اعتقاد ۔۔۔ یعقوب و داؤد و عزیر علیہم السلام کی نسبت کہ ان میں سے ہر ایک خدا کا بیٹا تھا۔ یا پہلوٹا بیٹا تھا۔

عیسائیوں کا اعتقاد ۔۔ مسیح علیہ السلام کی نسبت کہ وہ خدا کا پیارا بیٹا اور قادر مطلق اور ثالث ثالوث (الوہیت کے تین ارکان میں سے ایک) ہے۔

ہندوؤں کا اعتقاد ۔۔۔۔ ۲۴ اوتار کی نسبت کہ پرمیشر نے خود مادی جسم قبول کر کے مادی صورت میں جلوہ گری فرمائی تھی

لہ اوتار اوتار۔ سب سے پہلا۔ جو ۹ دفعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اور ایک بار اکیوں میں نے جامہ انسانی میں آنا ہے۔

(۲) مچھ اوتار۔ مچھلی کی شکل میں ملک دکن میں نمایاں ہوا۔ اور اسکے ظہور کے ... طوفان عظیم آیا اور ۱۷ لاکھ ۲۰ ہزار سال

باقی بر صفحہ آئندہ

مہابھارت کا بیان۔ کرشن جی مہاراج کی نسبت کہ وہ خود خالق علم وعالمیان تھا۔

پارسیوں کا اعتقاد۔ زراتشت کی نسبت کہ وہ جہاں تیرتا یعنی عالم ملکوت سے تھا۔

بودھوں کا اعتقاد۔ مہاتما گوتم بدھ کی نسبت کہ وہ (ارھم) خود ذات پاک تھا۔

سناتن دھرمیوں کا دعویٰ۔ کہ پانچوں پانڈوں کو اکب نورانی کے فرزند تھے۔

تاتاریوں کا دعویٰ کہ آلنقوا بیگم کے بیٹے نور کے فرزند تھے۔

بظاہر یہ معنی رکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے اپنے بزرگوں کی عزت و توقیر کے بڑھانے میں ایک قابل تعریف کام کیا ہے۔

حالانکہ۔ اس اعتقاد کا لزوم یہ ہے کہ انسانیت کا درجہ اتنا کمتر اور فروتر ہے کہ یعقوب و داؤد اور عیسیٰ وعزیر۔ کرشن ورامچندر۔ اور زراتشت وبودھ جیسے اشخاص بشریت میں پائے ہی نہیں جاسکتے۔ بلکہ یہ درجہ بلند اُن ہستیوں کیلئے ہے جو حقیقۃً انسان نہ تھے۔

ایک منصف غور سے بتلائے کہ اُس نے اپنے بزرگ کی صفت کرتے ہوئے انسانیت کو کس قدر ذلیل بنا دیا ہے۔ اور چونکہ اُس بزرگ سے انسانیت کی نفی حقیقۃً کسی طرح نہیں کیجاسکتی اس لئے دراصل اس شخص نے اُن کی بزرگی کو کسقدر صدمہ پہنچایا ہے۔

یہ اسلام ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا۔ اور اللہ تعالےٰ کے برگزیدوں کو انسان بتا کر پھر اُن کا مراتب روحانیات میں برتر اور اعلیٰ تر ہونا ثابت کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

تک زمین زیر آب رہی۔
(۳) کچھ اوتار۔ جسکی پشت پر کوہ مندو کی مدھانی رکھی گئی اور سمندر بلوئی گئی اور ۱۴ نایاب اشیاء کا استخراج ہوا

سلہ ان ۱۴ چیزوں کے نام ہیں۔ (۱) لچھمن اوتار۔ دلہن کی شکل میں عشرت عالم کا سامان جمع ہوا۔
(۲) کوستبھ من۔ نہایت قیمتی ہیرے کی شکل میں جسکی قیمت کا اندازہ نہ ہوسکا (۳) کلپ برکھ ۔ ۔ ۔ ۔ کی شکل میں ایسے پارجات کہ بریچھ بھی کہتے ہیں جسے خزاں نہیں آتی جسکی خوشبو سے سارا عالم معطر ہے۔ (۴) سُرا۔ شراب۔
(۵) دھنتر۔ طبیب کی شکل میں جسکے دہنے ہاتھ میں جونک اور بائیں ہاتھ میں ایلیلہ بوقت پیدائش موجود تھا۔
(۶) چندرماں۔ ماہتاب (۷) کامدھین۔ وہ گئو جسکے تھن سے جو شئے چاہتے ہو دوہ سکتے ہو۔ (۸) ایراوت فیل سفید کی شکل میں جسکے چار دانت تھے۔ (۹) سنکھ۔ سفید رنگ کا بڑی آواز کا جسکے پاس اٹھانے والا فتح پاتا ہے۔
(۱۰) بِکھ۔ زہر ہلاہل (۱۱) امرت۔ آب حیات (۱۲) اُچیں سرواس سات سر والا گھوڑا (۱۳) الَّبھا خوبصورت ۔ ۔ ۔ نیک خوبصورت

اسلام اسے بالکل غلط قرار دیتا ہے۔ کہ جبتک کسی انسانی جسم کے اندر خود الوہیت کا حلول تسلیم نہ کر لیا جائے۔ اُسوقت تک کسی برگزیدہ انسان کو ابنائے جنس کی رہبری و ہدایت کا شرف بھی حاصل نہ ہو سکے۔

اس غلط حلول کے مفاسد کا نتیجہ یہ بھی ہوا۔ کہ ہر ایک ظالم و جبار نے بھی اپنے لئے وہی درجہ تجویز کیا تھا۔ جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے ہادی مذہب کیلئے اُسکے مذہب والوں نے تجویز کیا تھا فرعون رعایا کو مخاطب کر کے کہتا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں)

وہ اپنے دربار والوں سے کہا کرتا تھا۔

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرِي | اے سردارانِ دربار میرے علم میں تو میرے سوا اور کوئی بھی تمہارا معبود نہیں (قصص ۴۶)

کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام جب اسکے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید و تقدیس بیان فرماتے۔ اور فرعون کو بتلاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے۔ جو آسمانوں اور زمین اور خلا و فضا کا مالک ہے تب بھی اُسے یقین نہ آتا۔ جب بتاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے جو تمہارے باپ دادا کا پیدا کرنے والا تھا۔ تب بھی اُسکی دیوانگی دور نہ ہوتی۔ جب اُسے بتایا جاتا کہ رب العالمین تو وہ ہے جو مشرق سے لیکر مغرب تک کے تمام عالم کا خالق ہے تب بھی اُسکی عقل درست نہ ہوتی۔ جملہ دلائل کو سُن سُنا کر منہ سے بکتا تو یہ کہ

لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ (شعراء ۲۶) | خبردار۔ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا سمجھا تو تجھے قید کر دیا جائے گا۔

خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بھی ایک احمق جبار بادشاہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ بھی حیات و موت کے اختیارات رکھتا ہے یہ احمق سمجھتا تھا کہ کسی شخص کو بلا وجہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دینا موت پر قدرت رکھنا ہے۔ اور کسی واجب القصاص کو چھوڑ دینا اُسے حیات بخش دینا ہے۔ ان سب غلط فہمیوں کا سبب واحد یہی ہے کہ انسانیت کو سمجھا ہی نہیں گیا تھا۔

اسلام کا مدعا یہ ہے کہ الوہیت کی صفت عُلیا کا علو قائم ہے۔ اور انسانیت کا درجہ بھی اپنے منتہائے عروج تک پہنچ جائے۔ تب یہ تعلیم دی گئی۔ کہ جملہ مقدسین و متبوعین بھی انسان ہی ہیں

اللہ کی مخلوق۔ اللہ کے بندے۔

الف۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ۔	ہمنے تجھ سے پہلے بھی جنکو رسالت کیساتھ مامور کیا وہ انسان ہی تھے۔ ہماری وحی انکو ملتی تھی۔
ب۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ	ہمنے انکا جسم ایسا نہ بنایا تھا۔ کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور وہ ہمیشہ جیتے رہنے والے بھی نہ تھے۔
ج۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ	وہ تو باعزت بندے ہیں۔ بات چیت میں اللہ کی اجازت سے آگے نہیں بڑھتے۔ اور اللہ کے

حکم پر وہ عمل کیا کرتے ہیں۔

انسانیت کے ثبوت میں یہ بتایا۔ کہ وہ کھانے پینے سے مستثنیٰ نہ تھے۔ نیز وہ ایک وقت پیدا ہوئے۔ اور دوسرے وقت دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اور انکی فضیلت کے ثبوت میں فرمایا کہ وہ صاحب وحی ہوتے تھے منصب دار رسالت ہوتے تھے دربار الٰہی میں اعزاز واکرام والے ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ انکے معاملات کا اظہار اس طرح فرمایا۔ کہ انکی زبان اور انکے جوارح ادب اور حکم کے تحت میں ہوتے۔ حکم کے بغیر اُن کی زبان پر ایک حرف تک نہ آتا۔ اور جب حکم ملجاتا تو اُسکی پوری پوری تعمیل کرتے۔

ان آیات میں قوۃ علمیہ۔ اور قوت عملیہ کا بھی ذکر ہے۔ اور انکے مراتب روحانی کا بھی اظہار۔ اور یہی وہ امور ہیں جن سے مقدسین کا باوجود انسان ہونیکے جملہ کائنات سے برتر وممتاز ہونا ثابت ہے۔

ان بیانات سے انسانیت کا درجہ بلند تر ہوگیا۔ کیونکہ انسانیت ہی شائستۂ رسالت ٹھہری۔ انسانیت ہی سزاوار خطابت ہوئی۔ انسانیت ہی علم الٰہی کے نزول وبروز کا سرچشمہ ٹھہری اور انسانیت ہی اعمال کی تکمیل وتعمیل کے امتحان میں کامیاب ہوئی

بیشک اس مسئلہ کا اظہار خصوصیات اسلام میں سے ہے۔ اور انسانیت اسکی مرہون احسان ہے۔

فصل نمبر ۹

اسلام ہی غیر متعصب دین ہے

اسلام کو بدنام کرنے کیلئے اغیار نے بہت سے جھوٹے الزام اُس پر لگائے ہیں اور بعض الزام تو وہ ہیں جو الزام لگانے والوں ہی میں موجود اور ثابت تھے مگر اُنہوں نے ہوشیاری اور عیاری یہ کی کہ اپنے کرتوت چھپانے کیلئے اُنہی باتوں کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا۔ اور پھر نااہل مسلمانوں کے افعال کو تعلیم اسلام کا نتیجہ قرار دے کر مذہب اسلام کو اُس کا ذمہ وار ٹھہرایا۔

الف۔ تعصب کے معنی یہ بھی ہیں کہ عطاء حقوق کیوقت کسیکو حق سے زاید دیا جائے اور کسیکو حق سے کم

ب۔ اسکے یہ معنی بھی ہیں کہ دوسرے لوگوں کی آزادی عقل اور حریت مذہبی پر ناجائز بندشوں کا بار ڈالا جائے۔

ج۔ اسکے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی حمایت میں دیگر مذاہب کو حق حفاظت سے محروم کر دیا جائے۔

د۔ اسکے یہ معنے بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی برکات و انوار کا مستحق خود اپنے ہی آپکو سمجھا جائے اور دوسروں کو اُن برکات و انوار سے بالکل دور رکھا جائے۔

بحمد اللہ کہ اسلام کی تعلیم ان جملہ نقائص سے پاک ہے۔ قرآن عظیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ تعصب کی ان جملہ اقسام کو بُرا بتایا اور اپنے دامن تعلیم کو اس غبار زار سے ہمیشہ بلند تر رکھا۔

تعصب کے ہر چہار اقسام کی نفی کا یقین مندرجہ ذیل آیات قرآنی اور معاملات اسلامی سے بخوبی ہو جائیگا۔

(۱) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (۵۔۱) اے ایمان والو۔ معاملات کو پورا کیا کرو۔

(۲) وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (مائدہ)

اُس قوم کی نفرت جس نے تمکو کعبہ سے روکا تھا۔ تمکو ادہر کھینچ کر نہ لیجائے کہ تم بھی اُن پر زیادتی کرنے لگو۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ)

نیکی اور خداترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اور گناہ وسرکشی میں مدد نہ دو۔

(۳) قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (شوریٰ)

اے رسول کہدیجئے۔ اللہ نے جو کتاب میں اتارا میرا اُسپر ایمان ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کیا کروں۔ ہمارا رب اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ ہمکو ہمارے اعمال تمکو تمہارے اعمال۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں اللہ ہی ہمکو اکٹھا کریگا۔ اور اللہ ہی کیطرف بازگشت ہے۔

(۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (مائدہ ۲۶)

اے ایمان والو تم (۱) اللہ کیواسطے قائم رہنے والے (۲) انصاف کیساتھ سچّی گواہی دینے والے بنجاؤ (۳) اور کسی قوم کی عداوت تمکو بے انصافی کی طرف نہ کھینچ لیجائے (۴) عدل کیا کرو عدل ہی خداترسی سے قریب تر ہے۔ اللہ سے ڈرو۔ وہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

(۵) قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران ۶ ۷)

اے رسول کہدیجئے کہ اے یہودیو۔ اور اے عیسائیو اے کتاب والو۔ آؤ۔ ایک ایسی بات پر سمجھوتہ کریں جو ہمارے تمہارے لئے مساوی ہے (۱) اللہ کے سوا اور کی عبادت نہ کریں۔ (۲) اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائیں (۳) اللہ کے سوا کوئی انسان کسی انسان کو اپنا رب ٹھہرائے

اگر یہ لوگ اس پیغام سے انکار کریں۔ تب ان سے کہدو کہ تم گواہ رہنا ہم تو ان حکموں کو ماننے والے (مسلمان) ہیں۔

(۲) لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ) | دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی دباؤ یا سختی نہیں ہدایت اور گمراہی کو تو صاف الگ الگ واضح کر دیا گیا ہے۔

ان آیات کے بعد کیا کوئی دوسرا شخص بھی اپنی پاک کتاب میں ایسی یا اس سے اعلیٰ تعلیم کی موجودگی ثابت کر سکتا ہے۔

ہاں ان آیات کی تعمیل میں رواداری کے جو نمونے۔ بے تعصبی کے جو ثبوت ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور حضور کے خلفاء راشدین المہدیین نے اور ملوک عظام نے دنیا کے سامنے پیش کئے وہ سب اسلامیہ کتب میں ابتک موجود ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر جو معاہدہ یہودیوں کے ساتھ کیا تھا وہ قابل ملاحظہ ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودی وہ ہیں جنکے ساتھ نہ کبھی بابل کی بت پرست سلطنت نے سلوک کیا۔ اور نہ مصر کی حکومت نے اُن پر رحم کھایا۔ اور نہ یہوداہ کی نسل میں پیدا ہونیوالے مسیح کی اُمت نے اُن کو کبھی انسان یا آدمی سمجھ کر اُن سے کوئی مراعات کی۔

نصاریٰ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ بھی ملاحظہ طلب ہے۔ ان معاہدات کو رحمۃ للعالمین جلد اوّل میں پڑھ لیجئے اور انصاف کیجئے کہ کیا ان سے اسلام اور داعی اسلام کی بے تعصبی۔ سیر چشمی۔ اور کسقدر رواداری ظاہر ہوتی ہے

حکمرانان اُمویہ۔ وعباسیہ۔ واندلسیہ وفاطمیہ کے شان وشوکت کے زمانوں میں اقوام غیر کا پورے حقوق اور آزادی کے ساتھ صدیوں تک آباد رہنا۔

یہودیوں۔ عیسائیوں کا بلا امتیاز اعداء ہر ایک منصب پر فائز ہوجانا ہماری روشن دلیل ہے

ہندوستان پر نظر ڈالئے۔ اس وقت اونچی قوموں کے لئے لفظ آریہ نہایت موزوں سمجھا جاتا ہے مگر آریہ ورت کا جو رقبہ ستیارتھ پرکاش میں محدود کیا گیا ہے۔ اُس میں احاطہ مدراس اور احاطہ بنگال اور شمال مغربی صوبہ شامل نہیں ہو سکتے صوبہ بہار کے اکثر مقامات بھی اس آریہ

ورت کے رقبہ سے باہر ہیں اس احاطہ ہندی نے کروڑوں انسانوں کو شریف قوم یا آریہ کہلانے سے محروم کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی فیاضی دیکھو کہ انہوں نے دریائے انڈو (اٹک) کو قدرتی حد قرار دے کر اس طرف کے رہنے والوں کو ہندو لقب دیا۔ اس نام کے تحت ہیں اس ملک کی رہنے والی سب قوموں کا اجتماع ہو گیا۔ اور ان میں جمعیت پیدا ہو گئی۔ اور کسی کو غیر شریف کہنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔

بعد ازاں جب مسلمانوں کا یہاں کے لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا۔ تو انہوں نے لالہ کا خطاب دیا۔ جس کے معنے بڑا بھائی ہیں اور یہ لغت ابتک سرحد میں اسی معنی میں خود مسلمانوں میں مروج ہے۔ لالہ موسیٰ ایک مشہور بستی اور مشہور ریلوے سٹیشن ہے جو ایک بزرگ مسلمان کے نام سے آباد ہوئی تھی۔

اورنگ زیب کو متعصب کہا جاتا ہے مگر اسکے دربار کے ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے (جسکی بے تعصبی مسلمہ ہے) زیادہ لمبی ہے۔

اورنگ زیب نے راجپوتانہ کی کسی ہندو ریاست کو شامل ملک محفوظہ نہیں بنایا۔ حالانکہ دکن کی چار اسلامی سلطنتوں کو فتح کر کے جزو سلطنت بنالیا تھا۔

ستی اور صغر سنی کی شادی کے خلاف بھی کوئی مداخلت نہ کی۔ دارالسلطنت آگرہ اور دارالخلافہ دہلی کے قرب وجوار میں ابتک ہندو صاحبان کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔

ہندو راجاؤں کو جو خطابات عطا کئے ہیں۔ ان کو ملاحظہ کرو۔ کیسے عظیم الشان ہیں۔ ہر ایک خطاب کے ساتھ نیا علاقہ بھی ضرور ہوتا تھا۔ ذرا اس سلوک کو بھی دیکھئے کہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اچھوت کا درجہ دیا۔ مگر مسلمانوں نے کبھی ان کو اچھوت نہ بنایا۔ تجارت کو بالکل ہندوؤں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا۔ مندروں، پاٹ شالاؤں کیلئے جاگیریں دیں۔ ابھیاگتوں کے لئے لنگر کھولے۔

اپنے سابقہ وطن سے قطع تعلق کر کے ہندوستان ہی کو جینے مرنے کیلئے پسند کیا۔ اپنی زبان کو چھوڑ کر یہاں کے باشندوں کی زبان کو علمی زبان بنایا اور اسی کو محلات اور دربار کی زبان قرار دیا

غور کے بعد بتاؤ بے تعصبی کا ثبوت ان امور سے بڑھ کر کوئی معترض خود بھی اپنے فعل وقول سے پیش کر سکتا ہے؟

بیرونی تجارت عرب اور چینیوں کے ہاتھ میں تھی۔ جب یورپین اقوام نے ہندوستان کی طرف قدم بڑھایا تو اُن کو خیر مقدم کہا گیا۔ اُن کا مال کسٹم ڈیوٹی سے آزاد کیا گیا۔

سیاست حالیہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ رواداری اور بے تعصبی ہی اُن کی سلطنت اور اقتدار کے زوال کا باعث ہوئی۔

مَیں کہتا ہوں کہ ایک سیر چشم مسلمان اس اعتراض کو اپنے اوپر چسپاں کر لینے پر رضامند ہو سکتا ہے مگر وہ یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔

ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر شاید کوئی صاحب غزواۃ و سرایائے اسلام کا حوالہ دیں اور حروب عرب کو تعصب دینی کی دلیل قرار دیں لیکن درحقیقت ایسا کرنا تاریخ اور عِلل واقعات سے ناواقفیت پر مبنی ہوگا۔

ہمنے غزواۃ و سرایا کا مکمل مضمون اسی کتاب کی جلد دوم میں تحریر کر دیا ہے۔ اور بطور نتیجہ دکھلا دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزواۃ صرف اُسی قوم اور خاندان کے ساتھ ہوتے جس میں سے خود حضور اور سابقون الاولون بھی تھے حضور ہی کی قوم نے اسلام کی عداوت و مخالفت میں سارا زور لگایا۔ اور اُنہی سے لڑائیاں ہوئیں۔ لہذا یہ خاندانی جھگڑا کسی طرح تعصب دینی کی دلیل نہیں بن سکتا۔

مَیں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کے جنگ نہ اپنی تعلیم کی اشاعت کے لئے تھے اور نہ دوسرے مذاہب کے لئے موجب اکراہ تھے۔ رب العالمین نے اسلامی حروب کے متعلق جو وجہ بیان کی ہے وہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ	اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدافعت نہ کرتا۔ اور بعض کے ذریعہ بعض کو نہ ہٹا دیتا۔ تب صوامع اور بیع اور صلوٰۃ اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے۔ ضرور گرا دی جاتیں۔ اور اللہ

لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (حج ع ۶) تو اُسکی مدد ضرور کرتا ہے جو اللہ کے مقاصد کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تو قوّت والا اور غلبہ والا ہے۔

صَوَامِعُ۔ صَومعہ کی جمع ہے۔ لغت میں اُس عمارت کو کہتے ہیں جو اوپر سے پتلی ہوتی جائے درویشان قوم ترسا کے خلوت خانے اسی شکل کے ہوتے تھے۔ ہندوؤں کے مندروں کی شکل بھی یہی ہے اور اس نام سے معروف ہیں۔

بِیَعٌ ..... بِیعہ کی جمع۔ عیسائیوں کا گرجا۔

صَلَوَاتٌ ... یہ عبرانی صلوٰۃ کا معرّب ہے۔ عبادت گاہ یہودان۔

مَسَاجِد۔ معبد مومنین المسلمین۔

آیت بالا ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لئے دی گئی کہ وہ جملہ مذاہب کی آزادی کو قائم کردیں بدامنی دور کردیں۔ پارسیوں۔ عیسائیوں۔ یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی شخص نہ گرا سکے۔

تاریخ کا ادنیٰ واقف بھی جانتا ہے کہ ایرانیوں نے بعہد پرویز ایشیا کوچک پر قابض ہونے کے بعد عیسائیوں کے گرجاؤں کو گرادیا تھا۔ اور دس سال کے بعد عیسائیوں نے مکرر غلبہ کے بعد پارسیوں کی پرستش گاہوں کو تباہ کردیا تھا۔

یہودیوں کے عبادت خانے تو سب کے سب شاہان روما کے ظلم و تعصّب کی وجہ سے زمین کے برابر کردیئے گئے تھے حتیٰ کہ یروشلم کی زمین کو بھی جسکی عمارت سنہ ۸۰ء میں نیرو شاہ روما نے گرادی تھی قسطنطین (اوّلین عیسائی بادشاہ) کی والدہ کے حکم سے کوڑا کرکٹ گرانے کی جگہ بنا یا گیا تھا۔ مسلمانوں کی مساجد تو بالکل ہی غیر محفوظ تھیں۔ کیونکہ پارسی و ترسائی و نصرانی مسلمانوں کے خلاف بالاتفاق عداوت پر ڈٹے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُٹھایا۔ اور انہی کے دوش پر معابد عالم کی حفاظت کا بار رکھا۔ اور اُنہوں نے اس بار کو خوش گوار فرض کے طور پر اُٹھایا۔

آیت بالا میں ایک پیشگوئی بھی موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب مسلمان کے جنگ اصول بالا کے لئے ہونگے۔ تب اُن کو منجانب اللہ نصرت عطا کیجائیگی۔ اور وہ ہر ایک اُس قوم کے مقابلہ

میں جو کسی دوسرے مذہب کے معابد کو تباہ کرنے والی ہے۔ ضرور مظفر و منصور ہونگے۔ رب العالمین کے اسی کلام صداقت نظام کا اثر اور معجزہ تھا کہ خلافت صدیق اور فاروق اور ذوالنورین میں اسلامی لشکر کو کسی ایک جگہ بھی شکست نہیں ہوئی۔ بلکہ ہر ایک جگہ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (اللہ ہی کا لشکر غالب آئیگا) کا نظارہ نظر آتا رہا۔ اور اس کامیابی نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے جنگ ٹھیک اسی اصول (حفاظت و احترام معابد مذاہب عالم) پر تھے۔

کیا اب بھی کسی کے نزدیک اسلامی جنگ قابل اعتراض ہو سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں ہی کا حوصلہ تھا کہ اپنی جانیں قربان اور اپنے سینوں کو آماج تیر وسنان بنا کر غیر مسلموں کے معابد کی حفاظت کی۔ کیا کوئی اور قوم بھی اپنی بے تعصبی کا ثبوت اس طریق سے دے سکتی ہے۔

ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھو کہ اسلامی قبضہ سے پیشتر شام و فلسطین و عراق و مصر میں پیشوایان عیسائیت اور فرمانروایان کلیسا نے عام لوگوں کا اور پھر فرقہ داری کے جنون میں خود عیسائیوں کی جان و مال کو کسقدر غیر محفوظ کر رکھا تھا۔

وہ مسائل جن پر صدیوں تک عیسائی فرقوں میں خونریزی جاری رہی۔ یہ تھے

(۱) کیا مسیح ایک جسم اور ایک روح والا تھا۔

(۲) کیا مسیح ایک جسم اور دو روح والا تھا۔

(۳) اگر وہ ایک جسم اور ایک روح والا ہی تھا تب اُسکے جسم میں انسانی روح تھی یا الوہیت کی روح

(۴) اگر اُسکے اندر انسانی روح تھی تب اُسکی الوہیت کی ابتدا کس طرح سے اور کب سے ہوئی۔

(۵) اگر مسیح ایک جسم اور دو روح (انسانی اور الٰہی) والا تھا۔ تب کونسی روح غالب تھی۔

(۶) کیا کبھی روح الوہیت روح انسانی پر اور کبھی روح انسانی روح الوہیت پر غالب بھی آجایا کرتی تھی

(۷) مسیح کا صلیب پر چڑھنا مع روح الوہیت تھا۔ یا بلا روح الوہیت تھا۔

(۸) اگر مصلوبی کے وقت روح الوہیت ساتھ تھی تو روح انسانی کیونکر گنہگاروں کا کفارہ ہونے کی برداشت کی متحمل ہوئی۔

(۹) اگر روح الوہیت شامل تھی۔ تو کیا الوہیت بھی مصلوب ہوئی۔

الغرض ایسی ایسی موشگافیوں نے مسیح کی صاف اور سچی تعلیم کو۔ ایک عجیب گورکھ دھندا بنا دیا تھا نئی نئی بدعات کے ساتھ نئے نئے فرقے بنتے تھے۔ اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنا اپنے نزدیک مسیح کی خوشنودی کا موجب سمجھتے تھے۔

اس خونریزی کو دنیا کے بہت بڑے رقبہ پر صرف اسلامی قبضہ ہی نے بند کیا۔

ایران پر مشترکیہ اصول کی حکومت تھی۔ اور کسی عورت کو زندہ رہنے کا حق نہ تھا جب تک وہ اپنے آپ کو قوم کی مشترکہ جائداد نہ بنا دے۔

پوران دخت و آیران دخت جیسے صاحب تخت و تاج حکمرانوں نے اس اصول کی تعمیل نہ کرنی چاہی تو فوراً ان کو تخت کی جگہ تختہ موت دیکھنا پڑا۔

اسلامی قبضہ ہی نے ایران کے جان و مال کو محفوظ کیا۔ اور اسلام ہی کی بے تعصبی ان کی زندگی کا سبب ٹھہری۔

کتاب ستیارتھ پرکاش میں گوسائیں۔ بیراگی۔ چترانکت (آچاری) وشنو آدک۔ وام مارگی چوبی مارگ فرقوں کے مخش افعال اور فحش منتروں کا ذکر موجود ہے۔ ایسے فرقوں کا وجود ہندوؤں میں باہمی جنگ و جدال کا موجب تھا۔

ہند میں داخل ہونے والی ہندو قوموں نے یہاں کے مفتوحین کو اچھوت قرار دیا تھا ہزاروں سال سے اسی پر اب تک عمل موجود ہے۔ اور بدھ ازم اور جین مت نے ہندوؤں کی نسلوں اور پستکوں کو تباہ کرنے میں اور شنکراچاریہ کے قائم کئے ہوئے مت نے بودھ لوگوں کو ہندوستان سے خارج کرنے میں جو جو کارنامے اس ملک میں کئے ہیں وہ تعصب کی خونی داستان ہے اسی تعصب اور عناد باہمی کا نتیجہ تھا کہ سارے ہندوستان پر کسی ہندو راجا کو شاہانہ حکومت حاصل نہ ہوئی اور یہاں کی ہر ایک چھوٹی حکومت دوسری چھوٹی حکومت سے برسرپیکار رہی۔

اسلام ہی کی بے تعصبی نے ان سب فرقوں کو اور سب حکومتوں کو اور جملہ مذاہب کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہنے کی تعلیم دی۔ اسی تعلیم کو دولت برطانیہ نے اسلامی سلطنت سے اپنے

چار سو میں حاصل کیا ہے۔ اور اُن کو ان سینکڑوں مذاہب پر ملک ہندوستان میں حکومت کرنا نسبتاً بہت آسان ہو گیا مگر اُسکے مقابلہ میں انگلینڈ۔ و ویلز۔ آئرلینڈ۔ وسکاٹ لینڈ پر حکومت کرنا زیادہ دشوار رہا۔ جن میں بلحاظ مذہب صرف دو ہی فرقے پراٹسٹنٹ اور کاتھولیک آباد ہیں

تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں تعصّب نہیں :

فصل نمبر ۱۰

اسلام ہی دین المحبّت ہے

ذرا غور کرو۔ کہ اسلام معرفت الٰہی کی تعلیم کن الفاظ میں دیتا ہے۔

(۱) وہ ربّ العالمین۔ ہر ایک شے جو نمودار ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے جو نشو و نما قبول کر سکتی ہے جو کسی حرکت سے متحرک ہے۔ اُسے وجود بخشنے والا۔ اُسکی ہستی کو قائم رکھنے والا۔ اُسکے خواص کی حفاظت کرنے والا۔ اُسکی ماہیت و کیفیت خاص سے اُسے امتیاز بخشنے والا اُسکی ضروریات حیات کو بہم پہونچانے والا وہی ہے جو اسلام کا اللہ ہے

(۲) وہ رحمٰن ہے۔ یہ لفظ لغوی حیثیت سے لفظ رحمت سے مبالغہ کیلئے وضع ہوا ہے اسکا ترجمہ کمال رحمت والا ہے۔

سلسلہ وحی کا قیام برکات سماوی کا نزول۔ انوار عرفان کا انعکاس اسی رحمت کا نتیجہ ہے ارض و سما اور خلا و فضا کا قیام اُسی رحمٰن کے حکم سے ہے۔ چرند و پرند کی بقا اُسی رحمٰن کے عطیہ سے ہے۔

رحمٰن وہی ہے جو ہر ایک درماندہ کی توانائی ہے۔ ہر ایک پسماندہ کی ہدایت ہے اُسی کی استعانت ہمیں اُسکی رحمت تک لیجاتی ہے اُسی کی رحمت قعر فرش سے انتہائے عرش تک قادر و متصرف ہے۔

(۳) وہ رَحِیْم ہے۔ رحم سے رحیم لغوی حیثیت سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اِس وزن کے الفاظ اپنے معانی کے لحاظ سے معنی دوام پر حاوی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسم پاک "رحیم" ظاہر کرتا ہے کہ رحم ہمارے مالک کی اُن صفات کاملہ میں سے ہے۔ جنکو ذات پاک کیساتھ لزوم و دوام حاصل ہے۔ حدیث ترمذی میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ اَرْحَمَ بِعِبَادِہٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِھَا کیا اللہ کا پیار اپنے بندوں کے ساتھ اُس پیار سے زیادہ نہیں جو ماں کو اپنے بچّہ سے ہوتا ہے۔ فرمایا۔ یہ بات بالکل درست ہے۔

ایک حدیث میں ہے اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔

خواجہ حالی پانی پتی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ[۱] نے اسی کا ترجمہ اپنی مقبول عام وخاص مسدس میں فرمایا ہے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر   خدا مہرباں ہوگا۔ عرش بریں پر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یُرْحَمُ مَنْ لَا یَرْحَمُ جو کوئی خود رحم نہیں کرتا۔ اُس پر بھی رحم نہ کیا جائیگا۔

اللہ تعالیٰ کے رحیم ہونے کیوجہ سے اللہ تعالیٰ نے میراث میں ذوی الارحام (ماں کی طرف کے رشتہ داروں کو بھی) حصّہ دار ٹھہرایا ہے۔ اور اُسی کے رحم نے اس حکم کی اشاعت اپنے نبی کی زبان سے دی ہے۔

اَلرَّحِمُ مِنَ الرَّحْمٰنِ رحم تو رحمٰن سے نکلا ہے۔ جو کوئی اپنے ماں کی قرابت رحم کو نہیں جوڑتا۔ وہ رحمٰن سے اپنا تعلق توڑتا ہے۔

(۴) وہ جَبَّار ہے۔ اسمائے حسنیٰ میں جبّار کے معنے وہ نہیں جو عوام نے سمجھے۔ اور جبر کو ظلم و ستم کا مرادف خیال کیا۔ بلکہ جبّار میں معنی ہیں شکستہ دلوں کی شکستگی کو دور کرنے والا۔ دکھیاؤں کے درد دکھ کو توڑ دینے والا۔

(۵) وہ قَھَّار ہے۔ یہاں بھی قہر بمعنے غیظ و غضب نہیں۔ بلکہ قہر کے معنے حکومت ہیں وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ وہ اپنے بندوں پر حکمران ہے۔

[۱] خواجہ الطاف حسین حالی ایضا ... ان کی وفات پر قلم سے یہ دعائیہ تاریخ تحریر کیا تھا ... مارک ...

(۶) وہ مُحسن ہے۔ بہترین سلوک کرنے والا۔ احسان فرمانے والا۔

(۷) وہ مُجِیب ہے۔ بندوں کی دعا و پرارتھنا کو قبول فرماتا ہے۔

(۸) وہ رَقِیب ہے۔ بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

(۹) اَلتَّوَّاب۔ گنہگاروں کی معذرت قبول فرماتا۔ تازہ القاب سے انکو خوشی بخشتا ہے۔

(۱۰) وہ وَھَّاب ہے۔ بے اندازہ نعمتوں کا عطا فرمانے والا۔

(۱۱) وہ مُقِیت ہے۔ روزی رساں۔

(۱۲) وہ نُور ہے۔ آسمانوں اور زمین کی ضو و ضیا اسی سے ہے شمس و قمر کو روشنی اسی سے ملی ہے آنکھوں کو بینائی اسی نے دی ہے۔ مومن کے دل کا چراغ اسی کے نور سے روشن ہے

(۱۳) وہ فَتَّاح ہے۔ انسان سے مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔ اسکی مشکلات کو حل فرماتا ہے۔

(۱۴) وہ رَؤُف ہے۔ گہرا پیار کرنے والا۔ ولفواز۔ بندہ پرور۔

(۱۵) وہ حَیّ ہے۔ زندہ اور حیات آفریں۔ اور حیات بخش۔

(۱۶) وہ قَیُّوم ہے۔ پائندہ اور قیام بخشندہ۔

(۱۷) وہ عَفُوّ ہے۔ بار بار معاف فرماتا ہے معاف کر دینے کو پسند کرتا ہے۔

(۱۸) وہ وَدُود ہے۔ وفا و محبت اسکی ذات میں ہے۔

(۱۹) وہ ھَادِی ہے سالکانِ راہ کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے

(۲۰) وہ مُغنِی ہے غنا بخشنے والا۔ بندہ کو دوسرے بندہ کی احتیاج سے نجات دینے والا

(۲۱) وہ مُعطِی ہے۔ اسکا عطا و نوال بے پایاں ہے۔

(۲۲) وہ کَرِیم ہے۔ دیتا ہے اور معاوضہ کی اسے ضرورت نہیں۔

(۲۳) وہ رَزَّاق ہے جسم اور روح کے قیام کیلئے بیش خوراک بخشنے والا۔ ہوا اور تحت الثریٰ میں سانس لینے والوں کو ہر ایک کے مناسب غذا عطا فرماتا ہے۔

(۲۴) وہ غَفُور ہے۔ گناہ و خطا کو چھپا دیتا ہے۔ دور کر دیتا ہے۔ اسلام میں اسماء حسنیٰ کا شمار ۹۹ ہے[1]۔ ہمنے اس جگہ ۲۴ نام ایسے پیش کر دیئے ہیں جن پر رحمت اور آثار محبت کا جلوہ موجود ہے اس سے آگے۔

[1] اسماء حسنیٰ پر ایک مستقل کتاب شرح اسماء اللہ الحسنیٰ لکھی ہے اور سلمان کی بھی موجود ہے[illegible]

(۲۵) وَدُوْدُ ہے۔ وُدّ زبان عرب میں محبت کی قسم اعلیٰ کو کہتے ہیں۔ ایک آیت ہے جس میں رحمت اور وُدّ دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ فرمایا۔

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم) رحمٰن انکے لئے وُدّ کو مہیا فرمائے گا۔

ایک دوسری آیت میں غفران اور وداد کو جمع فرمایا ہے وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ۔ (بروج)

بعد ازاں دیکھو کہ حُب اور اُسکے مشتقات کا بھی اللہ و رسول کے کلام میں بکثرت استعمال فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کے ایک ہی مختصر جملہ میں بندوں کی محبت کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کی محبت کا بندوں کے ساتھ ہونا ثابت فرما دیا ہے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (مائدہ) سچے بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اُن بندوں سے محبت کرتا ہے۔

بعد ازاں صراحت مقصود کیلئے یہ بھی ظاہر فرمایا کہ محبت الٰہی کی شائستگی کیسے بندوں کو حاصل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (بقرہ)	اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (مائدہ)	عدل و انصاف کرنیوالوں سے اللہ محبت کرتا ہے
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (توبہ)	تقویٰ والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (بقرہ)	رجوع الی اللہ کرنیوالوں سے اللہ محبت کرتا ہے
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران)	صبر کرنیوالوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ)	پاک صاف رہنے والوں، طہارت والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

ان آیات سے یہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں کہ اوصاف احسان اور توبہ اور عدل و قسط تقویٰ اور صبر اور طہارت کا اپنے اندر جمع کر لینا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے چند آیات مبارکہ میں یہ بھی ظاہر فرمایا کہ کون لوگ ہیں جنکو محبت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ (نساء) برائی کی اشاعت اللہ کو ناپسند ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (بقرہ) | حدود الٰہی کو توڑنے والے قانون شرعی کا احترام نہ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا | اللہ تعالیٰ حیلہ باز۔ اترانے والے کو ناپسند کرتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ (انفال) | خیانت والوں کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (حج) | خیانت کرنیوالے احسان کو ملیامیٹ کرنیوالے اللہ کو ناپسند ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (قصص) | شیخی باز۔ اترانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (قصص) | فساد اُٹھانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ (روم) | کافر اللہ کو ناپسند ہیں۔

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف) | اسراف کرنیوالے اللہ کو ناپسند ہیں۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ۔ (شوریٰ) | ظلم کرنیوالوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

ان آیات سے کیا فوائد حاصل ہوئے۔

کہ برائی کی اشاعت کرنا۔ آئین شکنی۔ حیلہ بازی۔ عیاری۔ خیانت۔ ناشکری۔ احسان فراموشی اترانا۔ غرور۔ فساد انگیزی۔ کفر۔ اسراف۔ ظلم وہ اخلاق ذمیمہ ہیں جنکے ارتکاب سے انسان محبت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

محبت کا اتنا مکمل بیان ثابت کرتا ہے۔ کہ اسلام دین المحبت ہے۔

ب۔ سیدنا و مولٰنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنو۔

لَا تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا | جبتک ایمان نہیں۔ تب تک جنت میں داخلہ نہوگا۔ جب تک آپسکی محبت نہیں۔ تب تک ایمان نہیں۔ (رواہ مسلم وابو داؤد وترمذی عن ابی ہریرہ)

(۲) مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ | آپسکی محبت آپس کے پیار۔ آپس کے تعلقات میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جو چند

اِذَا اشْتَکٰی مِنْهُ تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰی (رواہ البخاری والمسلم عن النعمان بن بشیر رض)

اعضا سے مرکب ہوتا ہے۔ پھر اگر ایک عضو کو تکلیف ہو جاتی ہے تب سارے جسم کے سارے اعضاء بےخوابی و تپ و بے تابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

غور کرو یہاں توادّ۔ تراحم۔ اور تعاطف تین الفاظ کا استعمال فرمایا گیا ہے۔ توادّ بتلاتا ہے کہ خیر اندیشی و خیر طلبی کا وہ درجہ حاصل ہو جائے کہ اپنے اغراض و مقاصد کو دوست کی غرض و مقصد پر قربان کرنا آسان ہو۔

تراحم ظاہر کرتا ہے کہ دوست کی مصیبت کا احساس تمہارے دل میں ہو۔ تعاطف یہ کہ ایک دکھ میں ہے تو اسکا درد دوسرے کو ہے۔ ایک کا کام اٹکا ہوا ہے تو دوسرا اسکی تدبیر میں لگا ہوا ہے۔

(۳) اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَا هُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (اخرجہ ابو داؤد عن عمر الفاروق)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندگان خدا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں۔ نہ شہید لیکن انکا درجہ جو اللہ کے ہاں ہے اسکی وجہ سے نبی اور شہید بھی انکو چاہت کی نظروں سے دیکھیں گے لوگوں نے پوچھا حضور وہ کون ہیں۔ فرمایا۔ یہ وہ محبت کرنیوالے ہیں۔ جنکی باہمی محبت صرف للّٰہیت پر ہے۔ قرابت یا مال وزر کی داد و ستد پر نہیں انکے چہرے نور ہونگے اور وہ نور پر ہونگے جب سارے لوگ غم و اندوہ میں ہونگے مگر ان کو نہ غم ہوگا۔ نہ حزن بعد ازاں حضور نے آیت اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ الآية تلاوت فرمائی۔

اس حدیث پر غور کرو۔ کہ ولایت ربانی کو باہمی محبت ایمانی کا ثمرہ فرمایا گیا ہے۔ اور اس

محبت کا ثمرہ وہ قرب وہ تمکین ہے جو بروز حشر اُن کو حاصل ہو گی۔

(۴) يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي۔ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي (رواہ مسلم ومالک عن ابی ھریرۃ)

اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا۔ کدھر ہیں وہ جنکی باہمی محبت صرف میرے لئے تھی میں آج اُن کو اپنے سایہ میں جگہ دونگا جبکہ میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ والدین کا سایہ کیسے ناز و نعم کا موجب ہوتا ہے۔ اور کسی مہربان حکمران کا سایہ کتنے اقبال و دولت کا ضامن ہوتا ہے، اسی پر الٰہی سایہ کی وسعت و قدر و منزلت کا قیاس کر لو۔ اگرچہ ہم اُن نعمتوں کا قیاس کر ہی نہیں سکتے۔ جنکو نہ آنکھ نے دیکھا ہے۔ نہ کان نے سُنا ہے اور نہ دل آجتک اسکی ماہیت کو سمجھ سکا ہے۔

(۵) يَقُولُ اللهُ تَعَالَى وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِينَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِينَ فِيَّ (رواہ مالک عن ابی ادریس الخولانی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان اشخاص کیلئے واجب اور ضروری ہو گئی ہے (۱) جنکی محبت میرے لئے ہے۔ (۲) جنکا آپس میں مل بیٹھنا میرے لئے ہے (۳) جو میرے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔ (۴) یا میرے لئے بذل و صرف کرتے ہیں۔

محبت کے آثار و موجبات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا۔

اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُونُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَإِنَّ أَحَدَكُمْ مِرْآةُ أَخِيهِ فَإِنْ رَأَى بِهِ أَذًى فَلْيُمِطْهُ عَنْهُ (رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اُسے رسوا کرے نہ جھٹلائے۔ نہ ظلم کرے۔ تم ایک دوسرے کیلئے مثل آئینہ ہو۔ اگر اپنے بھائی میں کوئی تکلیف دہ بات دیکھو تو اُسے دور کر دو۔

(۶) مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواہ الترمذی عن ابی الدرداء)

جس نے مسلم بھائی کی عزت کو بچایا اللہ تعالیٰ اُسکے چہرہ کو آتش دوزخ سے بچائیگا۔

(۳) مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ (الحدیث) مسلم وابو داود و ترمذی عن ابی ہریرۃ

جو کوئی شخص کسی مومن کی دنیوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی تکلیف کو اس سے دور کریگا جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی۔ اللہ دنیا و آخرت کے معاملات آسان فرمائیگا جس نے کسی مسلم کی عیب پوشی کی۔ اللہ اسکے عیوب پر دنیا و آخرت میں پردہ ڈالیگا۔ اللہ بندہ کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔

میں اس بیان کو ختم کرنے سے پیشتر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ لفظ محبت کو عربی زبان نے معنی محبت کیلئے تجویز کرنے سے پیشتر مندرجہ ذیل محاورات کو پیش نظر رکھا ہے۔ حَبَّبَ الْمَآءُ پانی ٹھہر گیا حَبَّ الْبَعِیْرُ اونٹ زانو جما کر بیٹھ گیا۔ حباب بلندی سے ملی ہوئی پاکیزگی۔ حَبٌّ وہ دانہ جو رزق انسانی بنتا اور مایۂ حیات بشر سمجھا جاتا ہے۔ جب حروف ح و ب کا اجتماع صفائی و پاکیزگی۔ بلندی و استقرار اور سبب حیات کے معنی میں مسلم ہوگیا تب اُسے اقوی الحرکات یعنی ضمہ سے اور زیادہ قوی بنایا۔ اور لفظ حُبّ کو مادہ محبت قرار دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس اسلام کے سوا محبت کی ایسی تعلیم موجود ہے تو وہ بھی وضاحت سے بیان کردے۔ ورنہ کم از کم الفاظ پر ہم یا لغوی ترکیب لغوی ہی کے اندر اتنے دقیق معانی کا ہونا جو ہم نے لفظ حُب کے اندر واضح کئے ہیں ثابت کرے۔ الغرض نتیجہ صاف ہے کہ اسلام ہی دین المحبت ہے اور وہ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے محبوب قلوب اور مطلوب جمہور ہو رہا ہے۔

فصل نمبر ۱۱

اسلام ہی مساوات کا بانی ہے

مساوات کے معنے یہ نہیں کہ ایک جاہل بمقابلہ عالم کے۔ اور ایک غدار بمقابلہ ایک وفادار کے اور ایک نا کابل و ناکارہ بمقابلہ ایک فرض شناس کے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

ایسا کرنا تو حقوق انسانیت اور حقوق اخلاق کو تباہ کر دینا ہے۔ ہاں مساوات کے معنے یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً و اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل شدہ ہوں۔

برطانیہ کے شاہی جھنڈے میں انگلینڈ۔ ویلز۔ سکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ شامل ہیں لیکن کسی آئرش کو پرائم منسٹر ہونیکا موقعہ نہیں دیا گیا۔

انگلستان کی آبادی میں بلحاظ مذہب دو بڑی قومیں ہیں پراسٹنٹ اور کیتھولک مگر آجتک کسی کیتھولیکی کو پرائم منسٹری پر ممتاز نہیں کیا گیا۔

ہندوستان کے کسی گورنر پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔ کنگ امپرر کے حقوق کی حفاظت کیلئے خاص قوانین قوانین عدالت سے بالکل علیحدہ ہیں۔

انتخاب ممبران پارلیمنٹ وغیرہ میں ٹیکس دہندگان کے حقوق اُن سے زائد ہیں جو ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔

ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو مال تجارت بھیجے جانے کے قواعد اور محاصل کی شرح بالکل الگ الگ ہے۔

پھر حقوق کے اندر تفاوت باخود ایک ہی مذہب کے ماننے والوں میں بھی نمایاں ہے دیسی عیسائیوں اور یوروپین عیسائیوں کے گرجا۔ اور قبرستان الگ الگ ہیں۔ علیٰ ہذا افسروں اور ماتحتوں کے کلب اور سوسائٹیاں بالکل جدا جدا ہیں۔

پوپ ہمیشہ یورو پین ہی منتخب ہوا۔ بیس صدیوں میں اُس ملک سے جو خداوند مسیح کا زاد
بوم ہے کوئی دیسی پوپ نہیں بنایا گیا۔

لارڈ بشپ آف کنٹربری بھی کبھی ہندوستان یا کسی دوسرے کالونی کا باشندہ
نہیں مقرر ہوا۔

ہندوستان یا کالونی یا انگلستان میں کبھی کوئی کمانڈر انچیف ایشیائی اقوام
سے نہیں لیا گیا۔

اسلام نے انہی امور پر نظر غور ڈالی ہے اور عدم مساوات کے جملہ احتمالات کا خاتمہ
کر دیا ہے اور وحدت اسلامی کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کو خواہ وہ کسی ملک اور قوم کا
باشندہ ہو۔ جملہ حقوق میں بالکل مساوی اور برابر کا سمجھا ہے۔

(۱) برامکہ آتش پرست تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہی کا خاندان ہارون رشید
کی وزارت عظمیٰ پر تمکن تام رکھتا تھا۔

(۲) رائے دہندگی کا حق ہر ایک غلام و آزاد زردار و بے زر کو اسلام میں حاصل ہے۔
(۳) یہی حق عورتوں کو حاصل ہے۔ (۴) عورتیں اور غلام بھی کسی دشمن کو پناہ دینے کا اختیار
رکھتی ہیں جس کی پیروی سپہ سالار پر فرض ہے۔

سلطنت بغداد سلطنت ہندوستان سلطنت مصر میں اہل السنت بادشاہوں کے
وزراء اعظم اور گورنران صوبجات اہل شیعہ بھی ہوتے رہے ہیں۔

(۵) تجارت میں عرب اور غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی اعانت
خاص بھی حاصل نہ ہوتی تھی۔

(۶) مسجدوں اور قبرستانوں میں کبھی امیر و گدا کا فرق نہیں کیا گیا۔

(۷) ثبوت مساوات میں عمر فاروق کے سفر شام کا قصہ زبان زد مشہور ہے کہ اونٹ
پر غلام اور خلیفہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ کیونکہ پچھلی نشست پر اُن کا زاد راہ
ستو (غلام و خلیفہ کے لئے) اور کھجور کی گٹھلیاں (اونٹ کیلئے) لدی ہوتی تھیں۔ جو وقت
آخری منزل پر اسلامی کیمپ میں خلیفہ کے داخلہ کا وقت تھا اور تمام فوج مع سپہ سالار

اپنے خلیفہ کے خیر مقدم کیلئے استادہ تھی اور مختلف اقوام کے لوگ بھی خلیفہ کا تزک و احتشام دیکھنے کو جوق در جوق جمع ہو گئے تھے۔ اسوقت ان تماشائیوں نے دیکھا کہ گرد راہ سے ایک اونٹ نمایاں ہوا۔ اور سب افسر اسیطرف کو آگے بڑھے۔ ایک اونٹ اور افسروں کا اسکے خیر مقدم میں آگے بڑھنا غیر مسلم تماشائیوں کے لئے نہائت تعجب خیز تھا۔ ان میں سے ایک نے ایک مسلم غازی سے پوچھا کہ کیا آپ کا خلیفہ یہی ہے۔ جو اس اونٹ پر سوار ہے غازی نے نہائت متانت سے جواب دیا۔ نہیں وہ نہیں ہمارا خلیفہ امیر المومنین تو وہ ہے جو اس اونٹ کی مہار پکڑے پا پیادہ آ رہا ہے۔ سوار تو ان کا غلام ہے۔

اس قصہ سے بڑھ کر زیادہ صحیح اور زیادہ تر شاندار یہ واقعہ ہے۔ کہ جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں ایک ایک شتر تین تین کس کیلئے مقرر ہوا تھا۔ دو سوار ہو جاتے۔ ایک شخص پیدل چلتا۔ اسیطرح ہر ایک نوبت بہ نوبت پیدل چلا کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری میں علی مرتضیٰ اور ابو الدرداء کا حصہ تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو حضور پیدل چلتے۔ اور وہ دونوں سوار ہوتے۔

دیکھنا یہ ہے کہ لشکر میں جو کوئی بھی تھا۔ وہ حضور پر جان و مال کو فدا کرنے والا اور اس فدویت کو اپنا شرف و عزت جاننے والا تھا۔ پھر وہ کیونکر گوارا کرتے تھے۔ کہ حضور پیدل چل رہے ہوں۔ اور دوسرے لوگ (جنکی نوبت تھی) اونٹوں پر سوار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا رسول اس موقعہ پر سب کو سبق مساوات کی تعلیم دے رہا تھا۔ اور آفتاب مشرق فوق الادب کا نورانی نظارہ جلوہ آرا تھا۔ اگر حضور ہی کی یہ تعلیم نہ ہوتی۔ تو فاروق اور غلام والی کہانی بھی اوراق تاریخ میں نظر نہ آتی۔

(ب) سب سے زیادہ مساوات کا سخت امتحان تزویج کی صورت میں ہوتا ہے جب حسب و نسب میں مفتخر و معزز شخص کو اپنی بیٹی کا پیوند ایسے مرد سے کرنا پڑے۔ جو اوصاف بالا میں اس سے کمتر ہو مگر اسلام میں ایسے نمونہ بکثرت ہیں۔ زینب بنت جحش قرشیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح اولی زید بن حارثہ سے ہوا تھا۔ جن کو اہل مکہ زر خرید غلام جانتے تھے۔ اور جن کو بازار عکاظ سے خرید کرا لیا تھا حکیم بن حزام نے موجود تھا دیدہ ظاہرہ

خدیجۃ الکبریٰ کے خواہرزادہ ہیں)

فاطمہ بنت ولید بن عتبہ قرشیہ حضرت ابو حذیفہ کی برادرزادی ہیں اور قریش کی مشہور ترین خواتین میں شمار کی جاتی ہیں اور مہاجرات میں سے ہیں۔ اُنکا نکاح ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ یہ دو مثالیں تو قرشی عورتوں کی ہیں۔

اب اہل مدینہ کی بھی سنو۔ انصار بھی اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے۔ سردار ہاشم بن عبد مناف قرشی کی شان بلند کا سارے عرب کو اعتراف تھا۔ اُنہوں نے یثرب میں لیلیٰ بنت   سے نکاح کی درخواست کی تو اس مغرور قبیلہ نے یہ درخواست اس شرط پر قبول کی کہ لیلیٰ کبھی مکہ نہ جائے گی اس مکتبر والے قبیلہ کا حال اسلام میں یہ تھا کہ ایک روز بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ظاہر کیا کہ لوگو میں غلام بھی ہوں۔ حبشی بھی ہوں بے زر و مال ہوں۔ اور باایں ہمہ نکاح کا خواستگار بھی ہوں۔ کیا کوئی شخص مجھے بیٹی دے سکتا ہے اُنکے اسیقدر کہتے پر بیسیوں لوگوں کی درخواست تھی کہ بلال اُنکے ہاں اپنا پیوند منظور کریں۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اہل دنیا کی نگاہ میں غلام ابن غلام تھے مگر اسلام نے اُنکی شان کو اسقدر بلند کر دیا تھا۔ کہ زینب بنت حنظلہ ان کی بیوی تھی یہ زینب اس بڑے خاندان کی خاتون تھی کہ شہزادہ امرء القیس اُسکے جد امجد کا مداح شاعر تھا۔ اب اُسی کی پوتی اسامہ کی کفش برداری پر نازاں ہے۔

امیر المومنین علی مرتضےٰ کا ایک واقعہ اُنکے زمانِ خلافت کا ہے۔ غلام کو ساتھ لے کر بازار میں گئے۔ غلام سے فرمایا کہ مجھے بھی کپڑے بنوانے ہیں اور تمکو بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔ تم بزاز کی دوکان پر پہنچ کر اپنے لئے اور اپنے لئے پارچہ جات پسند کرو۔ غلام نے کچھ قیمتی کپڑے پسند کئے امیر المومنین کیلئے کچھ سستے کپڑے پسند کئے۔ اپنے لئے وہ خرید کر لے گئے۔ جب درزی کو دینے لگے تو امیر المومنین نے سستے کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ تمہارے لئے اور قیمتی پارچہ جات کی بابت۔ فرمایا کہ غلام کیلئے قطع کردو۔ غلام بولا۔ کہ آپ آقا ہیں اور امیر المومنین ہیں آپ کو اچھا لباس چاہیئے فرمایا میں بڈھا ہوں۔ تم جوان ہو۔ تمکو اچھے لباس کی زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ ایک بار انہوں نے غلام سے جھگڑتے ہوئے غصہ میں کہدیا۔ او حبشن کے بچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بس بس کسی بیضاء (سفید پوست والی) کے فرزند کو کسی سوداء (سیاہ پوست والی کے) بچے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت تو عمل سے ہے۔ ایک دوسرے موقعہ کا ذکر ہے کہ اُنہوں نے غلام کو مارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم دفعۃً پہ آ گئے۔ فرمایا ابوذر جو قدرت تجھے اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابوذر زمین پر گر پڑے۔ غلام سے فرماتے تھے کہ اپنا پاؤں جوتے سمیت میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری یہ نخوت نکل جائے۔

جنگ بدر میں فوج کی صف بندی ہو رہی ہے۔ ایک صحابی صف کے برابر نہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پتلی چھڑی سے جو حضور کے ہاتھ میں تھی۔ اُسکے پہلو میں چوکا دیا۔ کہ برابر ہو جاؤ۔ اُنہوں نے کہا یا رسول اللہ مجھے تو اس سے ایذا ہوئی۔ میں تو بدلہ لونگا۔ فرمایا میں موجود ہوں۔ وہ بولا کہ میرے بدن پر تو کُرتہ نہ تھا۔ حضور بھی کُرتہ اُٹھا لیں۔ حضور نے کُرتہ اُٹھا لیا تو اُس نے بڑھ کر جسد نورانی کو چوم لیا۔ عرض کیا کہ میرا مدعا اس گستاخی سے یہ تھا کہ دنیا سے رخصت ہوتا ہوا اس شرف کو حاصل کرتا جاؤں۔

اُس نیک انسان کے دل میں چھپی ہوئی نیت خواہ کچھ ہی تھی۔ اسلامی مساوات کا نمونہ تو یہ ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات کیونکر ایک ادنیٰ اُمتی کو بدلہ دینے پر آمادہ ہو جاتے۔ اور جسم مبارک کو آمادہ آزار و گزند بنانے پر بطیب خاطر رضامند نظر آتے ہیں یہی مساوات حقیقی ہے۔ اس مساوات کی حمایت و حفاظت کیلئے علمبرداران اسلام ہر ایک نقصان برداشت کرنے کیلئے رضا مند ہو جاتے تھے مگر مساوات میں کمی نہ آنے دیتے تھے۔

جبلہ بن ایہم سلطنت غسان کا شہزادہ تھا۔ عیسائیت چھوڑ کر عہد فاروقی میں داخل اسلام ہوا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اُسکی عزت فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ طواف کعبہ کر رہا تھا۔ اُسکے شاہانہ چوغہ کا دامن فرش پر گھسٹتا جاتا تھا۔ پیچھے سے ایک اور بدوی بھی طواف کرتا آرہا تھا۔ اُس کا پاؤں دامن چوغہ پر پڑ گیا۔ جبلہ نے لوٹ کر دیکھا۔ تو اُسے ایک بادیہ نشین گنوار نظر آیا۔ جو مستانہ

ولا اُبالانہ حالت میں مصروف طواف ہے۔ اُسکی ظاہری حالت دیکھ کر شاہزادہ کو اور بھی زیادہ غصّہ آیا۔ لوٹ کر ایک تھپیڑ اُسکے رُخسار پر لگایا۔ بدوی نے امیرالمومنین کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا۔ شہزادہ بلایا گیا اور جواب طلب ہوا۔ شہزادہ نے اپنے فعل کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ میں حکمراں ہوں اور یہ ایک فرومایہ شخص ہے اگر میں نے ایک طمانچہ اسکے لگا بھی دیا تو کیا ہوا۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ اسلام میں سب برابر ہیں یا تو اسے رضامند کرو۔ ورنہ بدلہ دینا پڑیگا۔ اُس نے کہا کہ ایک دن کی مہلت دی جائے یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ جبلہ شباشب بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا اُسکے نزدیک اسلام میں سب سے بڑا نقص تھا تو یہ تھا کہ شہزادہ اور گنوار کی وقعت برابر برابر ہے مگر امیرالمومنین اس وصف پر مفتخر تھے کہ عدالت میں ایک ذرّہ خاک راہ اور ایک کوکب حکومت دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ ناظرین کتاب ان واقعات صحیحہ کو ایک کہانی کے طور پر پڑھ جائیں مگر ان واقعات کی قدر و منزلت اُسوقت معلوم ہوگی جب دنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کیجائیگی اور طلب و تجسّس بے حساب کے بعد بھی اسکی نظیر اُنکو نہ مل سکیگی۔

اسلام میں ایسی نظائر بے شمار ہیں میں صرف ایک اور واقعہ لکھکر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔ فاروق اور مرتضےٰ بیٹھے ہوئے تھے دوستانہ سلسلہ کلام جاری تھا۔ ایک یہودی آیا۔ کہا علی پر دعویٰ کرنے آیا ہوں۔ امیرالمومنین نے فرمایا۔ ابوالحسن سامنے کھڑے ہو کر جوابدہی کرو۔ مرتضےٰ اُٹھے دیکھا گیا کہ اُسوقت اُنکے چہرہ پر بل تھا۔ دعویٰ سنا گیا۔ فیصلہ کر دیا گیا۔ مدعی جھوٹا ثابت ہوا۔ وہ چلا گیا۔ تو پھر وہی جلسہ مصاحبت جم گیا۔ فاروق نے کہا میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مرتضےٰ نے فرمایا ضرور پوچھو۔ کہا جب آپکو سامنے کھڑے ہونیکو کہا گیا تھا۔ اُسوقت آپ چیں بجبیں کیوں تھے کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑا ہونے کو بُرا سمجھا تھا۔ فرمایا نہیں نہیں یہ بات نہیں۔ آپکو یاد ہے کہ آپ نے مجھے ابوالحسن کہکر کھڑا ہونیکو کہا تھا۔ کنیت سے پکارنا نشان عزّت ہے میرا خیال اُدھر گیا کہ مبادا یہودی یہ سمجھے کہ عدالت کو مدعاعلیہ کا خاص لحاظ ہے اور اسی لئے مدعی کے مقابلہ میں اُسسے بالفاظ عزّت مخاطب کیا گیا ہے اگر وہ ایسا سمجھ لیتا تو ہماری عدالت پر دھبہ لگتا

عمرو اور علی تو بلند ترین طبقہ کے ہیں جب اسلامی لشکر نے اسکندریہ فتح کیا تو مفتوح رعایا نے استغاثہ کیا کہ انکے ایک بُت کی آنکھ کسی مسلمان نے توڑ دی ہے۔ فوجی افسر نے کہا کہ اگر تم یہ ثابت کردو کہ میری فوج کے کسی شخص کا یہ فعل قیام امن کے بعد اور دیدہ و دانستہ تھا۔ تو میں تمکو اختیار دیتا ہوں کہ تم میری بھی ایک آنکھ پھوڑ ڈالو۔

یہ فیصلہ سنکر سب لوگ شانتی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ان واقعات کے بعد میرا حق ہے کہ میں باواز بلند پکاروں اور دنیا کو بتاؤں کہ مساوات اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل نمبر ۱۲

اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا

انجیل متی میں مسیح کا مشہور قول یہ ہے۔ جو چیزیں قیصر کی ہیں قیصر کو دو ۲۲: ۲۱۔ مسیح نے حکومت کا یہی نمونہ سکھایا ہے۔ اور رعایا کا کوئی حق مال گذاری کی ادائیگی کے سوا معین نہیں فرمایا۔

یجروید اور سام وید کو پڑھ جائیے۔ اُس میں راجا ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور اُسی کے اختیارات کی توضیح کیگئی ہے۔ یہ دونوں حوالجات شخصی حکومت کو مستحکم بنانے والے ہیں۔ نوعی یا جمہوری حکومت کا ان کتابوں میں ذرا نشان بھی نہیں ملتا۔

اسلام نے صاف طور پر حکم دیا ہے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ انکے امور سلطنت باہمی مشورہ پر ہوں گے

ہر چہار خلفائے راشدین مہدیین کا جسطرح انتخاب ہوا۔ ہر ایک کے انتخاب کے وقت جیسی تقاریر آزادانہ ہوئیں انصار یا قریش میں خلافت ہونے پر جو بحثیں ہوئیں خود قریش کے

اندر راجح و مرجوح اور اُسکے وجوہات کی بحثیں ہر ایک کا اپنی اپنی تائید میں دلائل یا آراء کا پیش کرنا آزادی کے ساتھ سب کچھ ہوا۔ عورتوں کا شمار ہوا۔ اور بہترین اشخاص ہی سے جسکی نسبت آراء کا غلبہ ہوا۔ اُسی کو اہتمام سیاست سپرد ہوا۔ خلیفہ کے کام کو باقاعدہ رکھنے کیلئے مہاجرین و انصار اولین کی ایک کونسل اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے دیگر مسلمونکی دوسری کونسل مقرر کیگئی۔ خلیفہ اپنی رائے سے کوئی جدید محصول نہیں لگا سکتا تھا۔ جو محصول لگایا جاتا اُس پر کونسلوں میں مباحثے ہوتے تھے۔ دفتر دار افسروں کے تقرر کے وقت کسی جنگ کے آغاز یا ختم کرنے کے متعلق مثلاً ابو بکر صدیق کا لشکر اسلام کو روانہ کرنا۔ عراق و شام و مصر پر اقدام خالد و ابو عبیدہ کی سپہ سالاری ذوالنورین کے عہد میں عمرو بن العاص کی جانشینی پر عام مشورہ لیا جاتا تھا۔

خلیفہ کا بحیثیت خلیفہ کسی مفتوحہ ملک میں سفر کرنا کونسل کی منظوری کا محتاج تھا مثلاً فاروق کا جنگ ایران و جنگ روم میں خود جانے پر

خلیفہ کو مقررہ وظیفہ ملتا تھا۔ اور وہ وظیفہ سابقہ خدمات یا قدامت اسلام پر مبنی ہوتا تھا۔ خدمات خلافت کے سرانجام دینے کا کوئی خاص معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ فاروق صرف بدریوں کا وظیفہ لیتے تھے۔

خلیفہ کو اپنی پالیسی (اصول حکمرانی) کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ (صدیق اور فاروق کے پہلے خطبات) خلیفہ عامۃ المسلمین کے سامنے اپنے افعال و اعمال کا جوابدہ سمجھا جاتا تھا۔ اور بارہا اُسے جوابدہی کرنی پڑتی۔ (فاروق و مرتضےٰ کی بابت ایسے بہت سے واقعات ہیں)

یورپ میں قدیم ترین پارلیمنٹ انگلستان کی ہے لیکن انگلستان کی پارلیمنٹ بھی خلافت اسلامیہ سے آٹھ نو صدیوں کے بعد کی ہے۔

آج دنیا اس نوعی و جمہوری طرز حکومت کی خوبیوں پر متفق ہے اور اسلام کا یہ احسان جملہ اقوام پر ہے۔

(۲) شوریٰ سے کوئی مقدس ہستی بھی مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آیت) امور سلطنت میں آپ لوگوں سے مشورہ کر لیا کیجئے وہ نبی جو متبوع کل اور سید عالم، صاحب الکتاب، صاحب الشرع ہے جسکا کوئی حکم اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اُسے مشورہ کا حکم دیا گیا تاکہ کوئی شخص بھی تقدس اور کمال کی بنیاد پر اس حکم سے مستثنیٰ نہ سمجھا جائے۔ عہد نبوت کے چند واقعات کا حوالہ درج ذیل ہے۔

۱۔ حدیبیہ سے مکہ کیلئے سفیر کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت پر طے ہوا۔

۲۔ میدان اُحد کو جنگ کیلئے انتخاب کرنیکا معاملہ مشورت میں لایا گیا۔ اور اسی اصول پر طے ہوا۔ رئیس المنافقین اُبی کو اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ اُسکی رائے کی بمقابلہ کثرت آراء کوئی وقعت نہ کی گئی۔

۳۔ جنگ آوران احزاب کی پیش کردہ شرائط کو سرداران انصار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے سامنے پیش کیا گیا اور اُنہی کی رائے پر فیصلہ ہوا۔

۴۔ طائف سے محاصرہ اُٹھائے جانے کو سرداران فوج کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور تب ہی یہ محاصرہ اُٹھایا گیا۔ جب وہ اس پر متفق ہو گئے۔

۵۔ اسیران بدر سے سلوک کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت کے بعد ہی طے ہوا۔

۶۔ عدالت کا اعلیٰ محکمہ (قاضی القضاۃ) بالکل آزاد اور پورا مختار ہوتا تھا۔ اُس پر سلطنت کا رعب یا سلطان کا ذاتی دباؤ کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔

آج آئینی حکومت کے جملہ بادشاہ اور حکمران اسی اصول پر کاربند ہیں۔ اور انہی اصول کو سلطنت و حکمرانی کا بہترین طریق تسلیم کیا جاتا ہے۔

لہذا اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اُس نے جملہ اقوام عالم کو اس اصول سے روشناس کیا۔ اور اس اصول کی برکات سے متمتع بنایا۔

فصل نمبر ۱۳

اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے

عموماً دنیا میں تین چیزیں تمام مذاہب اور جملہ ممالک پر حکمران رہی ہیں کہ اُنکے دائرہ حکومت سے نکلنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔

(۱) نسل (۲) زبان (۳) رنگت۔

بلحاظ نسل جو حقوق برہمنوں کو ہندوستان میں (چھتری۔ ویش۔ شودر۔ چنڈال لوگوں پر رہے ہیں) یا جو حقوق دینی اسرائیلیوں میں بنی لاوی کے لئے خاص ہیں۔ یا جو حقوق سلطنت اولاد یعقوب علیہ السلام میں بنی یہوداہ کیلئے مختص رہے ہیں۔

عرب میں قریش کو دیگر قبائل پر جو تفوق رہا ہے وہ سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

(۲) ہر ایک زبان کو اپنی حکومت کی تائید سے جو برتری دنیا میں بمقابلہ السنۂ دیگر رہی ہے سنسکرت کا غلبہ پراکرت اور تامل وغیرہ زبانوں پر۔ عبرانی کا غلبہ دیگر لغات پر۔ لیٹن کا غلبہ یوروپ کی اور زبانوں پر۔ انگریزی کا اسوقت غلبہ اُن سب زبانوں پر جو برطانی جھنڈے کے تلے آباد ہیں۔ فارسی کا غلبہ اُس وقت کا جب ہندوستان وکابل وخراسان وترکستان میں یہی زبان حکمرانوں کی زبان تھی۔ عربی زبان کی فوقیت دنیا کی سب زبانوں پر اسوقت جبکہ عرب اپنے مقابل میں سب کو عجمی (گونگے) کہا کرتے تھے۔ اپنے اپنے ادوار میں رہا ہے۔ اور اسی اتحاد زبان یا اختلاف زبان پر حقوق انسانیت کی تقسیم ہوتی رہی ہے

(۳) سرخ رنگ یا زرد رنگ یا تانبی رنگ یا گندمی رنگ یا سفید رنگ یا سیاہ رنگ انسانوں کے حقوق ومناصب میں ہمیشہ سے جو امتیازات رہے ہیں۔ اور ہر ایک حکمران قوم نے اپنی رنگت کے سوا دوسری رنگت کے انسانوں کے ساتھ جو جو سلوک کئے ہیں تاریخ عالم ان واقعات پر اشک باری کرکے آنسو بہا رہی ہے۔

اسلام نے جو اللہ احد کا واحد دین ہے۔ ان ہر سہ امتیازات کی دیواروں کو ہٹایا پست و بلند کو ہموار سطح پر کھڑا کیا۔ اور دنیا کے سب ملکوں اور سب قوموں کی شیرازہ بندی کے لئے صرف دین واحد کو پیش کیا۔

(۱) امتیاز نسل کے متعلق فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ (سورہ سجدہ) انسان اوّلین بشر کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر اسکی نسل کو ایک حقیر پانی سے چلایا۔

مختصراً افراد انسانی کو بتایا گیا ہے کہ نہ تو وہ خود نسلی امتیاز کا حقدار ہے۔ اور نہ سب انسانوں کے باوا جان ہی تھے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ سب انسانوں میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

(۲ و ۳) زبان اور رنگ کا فیصلہ بھی فرمایا اور فیصلہ بھی کیسا عجیب و دَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ بھانت بھانت کی بولیاں (زبانیں) اور جدا جدا رنگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نشان ہیں۔ لیجئے اب تو کسی کو بھی اپنی زبان اور رنگ کے متعلق کچھ جھگڑا نہ رہے گا۔

ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیادی تعلیم نہ اختلاف نسل ہے نہ اختلاف زبان ہے۔ نہ اختلاف رنگ ہے۔

بلکہ اسکی بنیاد خدا شناسی پر ہے۔ اور ہر شخص کو اس بارہ میں بخوبی آزادی ہے کہ وہ قرب و رضوان الٰہی کے جس دروازے سے چاہے اُس سے داخل ہو جائے ۔ یہ خصوصیت یقیناً اسلام ہی کو حاصل ہے۔

فصل نمبر ۱۴

اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آجتک قائم ہے

زراتشت بزرگوار جہاں پیدا ہوئے تھے۔ اور جہاں سے اُنہوں نے پند و انذار شروع کیا تھا۔

بودھا گوتم جہاں پیدا ہوئے تھے جہاں اُنہوں نے سخت ریاضات برداشت کی تھیں جہاں اُنہوں نے اپنے اصول پر اپنی پہلی تقریر کی تھی۔

وہ وادی اور میدان جہاں رشیوں نے ویدکی شرتیوں کے درشن پائے تھے۔ وہ مصر اور مصر سے فلسطین تک کی راہ اور خود فلسطین جس سے موسیٰ اور یوشع بن نون کے معجزات وفتوحات کا تعلق ہے جو داؤد و سلیمان کے مستقر خلافت تھے۔ جہاں اسباط اثنا عشر نے حکومت کی تھی۔

وہ پہاڑ اور دشت جہاں پارس ناتھ جی کی تنگھتیں بیٹھیں۔

غرض مذاہب قدیمہ کے جملہ معدن و مخزن آج اغیار کی حکومت میں ہیں۔ اور ان مقامات پر یا تو اُن مذاہب کا اصلی نشان بالکل نابود اور بے نشان ہو چکا ہے اور یا دیگر مذاہب اور دیگر اقوام نے بھی ان مقامات میں سکونت اور حقوق تمدن میں اُنکے برابر کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے اور اُس اصلی مذہب کو اُس جگہ کوئی خاص تفوق اور امتیاز قطعاً حاصل نہیں اصطخر۔ اور بلخ۔ نیپال کی ترائی۔ اور بنارس آریہ ورت (پنجاب و یو۔ پی کا حصہ کشمیر) آبو۔ الموڑہ۔ جگن ناتھ جی۔ اور ست نارائن گنگا و جمنا وغیرہ وغیرہ سب پر نظر ڈال جاؤ۔ تاکہ ہمارے خیال کی صحت و وقعت بخوبی واضح ہو جائے۔

اس عبرت آموز سبق کو یاد رکھتے ہوئے پوری پوری واقفیت اور خبرت کیساتھ آپ حجاز کو بھی دیکھیں کہ ہر ایک وہ مقام جس کو کوئی تاریخی یا مذہبی نسبت ہادی اسلام علیہ السلام

کے ساتھ ہے۔ آجتک مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہے اور آغاز اسلام سے لیکر آجتک ملک کے اس تاریخی واقعہ پر کبھی کسی غیر مذہب کا قبضہ و تسلط نہیں ہوا۔

قبضہ غیر کا اثر لازمی طور پر اور نا معلوم طریق سے ہر ایک ملک کی زبان اور رسوم اور ماثر اور مذہب پر ہوا کرتا ہے۔

ہمکو معلوم ہے کہ پارسیوں کے پاس اُنکے پاک نوشتے موجود نہیں ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر سکندر مقدونی کا قبضہ ایران پر نہ ہوا ہوتا۔ اور طوائف الملوکی نیز خانہ جنگی نے ایران کو ویران نہ کر دیا ہوتا۔ تو اردشیر بابکان جیسا دانش آموز بادشاہ اپنے پاس نوشتوں کی فراہمی سے (تین صدی قبل از اسلام) مایوس نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مصر پر کلیوپیٹرا کے عہد میں سلطنت روما کا قبضہ نہ ہوا ہوتا تو مصر قدیم کے کتب خانجات کبھی تباہ نہ ہوتے۔

اور اگر بت پرست سلطنت روما کے بعد عیسائی سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ مصر پر نہ ہو گیا ہوتا۔ تو اسکندریہ کا مشہور کتب خانہ ہرگز ہرگز بطارقہ .... کی آتش تعصب سے خاکستر نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مہاتما بدھ نے زبان سنسکرت کی تعلیم کی روک کے متعلق تاکیدی احکام جاری نہ کئے ہوتے اور راجہ اشوک اور اُسکے جانشینوں نے سختی کے ساتھ سنسکرت اُپدیشوں اور کتابوں کو فنا کرنے میں طاقت صرف نہ کی ہوتی تو آج دنیا پر سے وید کی اصلی زبان مفقود نہ ہو جاتی۔

اور اگر قدیم رشیوں کے نوشتوں کو کم یا مسخ کرنے کے متعلق کوئی زبردست کارروائی اس مرنجاں مرنج اصول والوں نے نہ کی ہوتی تو آج ہندو دھرم کی کتابوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ مہابھارت جیسی کتاب میں بیس ہزار اشلوک غیر اصلی ہیں اور منوسمرتی جیسی کتاب میں بھی موضوعات اسطرح سے شامل ہو گئے ہیں کہ شمولیت موضوعات کے علم کے بعد بھی فاضل پنڈتوں اور رشی دیانند جیسے شائقین کو بھی یہ بتانا بالکل محال ہو گیا ہے۔ کہ کونسی کونسی عبارت وضعی و غیر اصلی ہے۔

ان نقصانات کی طرف اشارہ ہمنے ضمناً اس دلیل کے تحت میں کیا ہے کہ کسی ملک پر قبضہ اغیار کے تسلط کے اثرات کیا کیا ہوتے ہیں۔

اسلام کو دیکھئے کہ مکہ و مدینہ اور اسکے حوالی و اطراف اور وہ سب مقامات جہاں جہاں رسول پاک کے قدم اقدس پہونچے سرتاسر مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں وہاں کی وہی زبان ہے۔ جو پیارے مکی مدنی کی تھی۔ وہاں کا وہی تمدن ہے۔ جو مقدس رسول کا تھا۔ وہی کتاب ہے جو نبی الامی کی تھی۔ قرآن مجید میں اسلام کو اس شجرہ طیبہ سے تشبیہہ دیگئی ہے جسکی جڑ قائم ہو۔ اور جسکی شاخیں آسمان کی فضا میں پوری بلندی اور پوری فراخی سے پھیلی ہوئی ہوں۔

ہر ایک دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے۔ کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ کی صورت و حالت آجتک اسلام ہی پر صادق و ثابت ہے۔ اور یہ امر بھی خصائص اسلام میں سے ہے۔ اس آیت کی کچھ تفسیر اسی کتاب کے باب خصائص قرآنمجید میں دوسری جگہ درج ہے۔

فصل نمبر ۱۵

اسلام ہی دین تمدن ہے

فطرت انسانی کا راز جاننے والا، حاجات انسانی کے انجاح کی راہ بتانے والا تسلیم کریگا کہ انسان مدنی الطبع ہے۔

لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مختلف ادیان نے کیونکر مدنیت کو روحانیت کا مدمقابل بنایا۔ اور تمدن کو روحانیت کا دشمن ٹھہرایا ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ شہزادہ گوتم (بدھ) نوجوان بیوی اور نوزائیدہ بچے کو سوتا ہوا چھوڑ کر رات کو بھاگ جاتا۔ اور جنگلوں میں رہ کر سخت ریاضت کرتا ہے۔ یا انسانوں کا تعلق چھوڑنا چاہتا ہے تو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اس بیچارے دل سے انسان کا مدنی الطبع ہونا معدوم کر لیا تھا۔

جب ہم وید بیاس جی کو آبادی سے نفور اور مادر و پدر سے دور دور رہتا ہوا دیکھتے ہیں تو کیا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انہوں نے واجبات تمدن کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

جب ہم انجیل میں وہ مکالمہ پڑھتے ہیں جس میں خدا کی راہ میں خصّی بننے کا ذکر ہے۔ تو کیا خیال کر سکتے ہیں کہ انہوں نے آدم و حوا کے جوڑے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

جب ہم روما کے آسمانی گرجا کے سایہ میں لاکھوں منک اور ننوں کو ذوالقعدہ نسلی سے بیزار دیکھتے ہیں تو کیا تصور کر سکتے ہیں کہ انہوں نے خدا کے حکم "انسان اپنی بیوی سے جوڑے گا" کی صحیح تعمیل کی ہے

جب ہم آریہ ورت کے جنگلوں، پہاڑوں کی غاروں کوہستان کی چوٹیوں پر ایسے گرستیوں کو دیکھتے ہیں جن کو عمر کے آخری حصہ میں منو سمرتی نے گھروں سے باہر رہنے کا حکم دیا ہے۔ اور جو اپنی خوراک حاصل کرنے کیلئے غیر معین اور غیر معلوم وسائل پر بھروسہ رکھنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ جو ضعیفی و پیری اور لاچاری و مجبوری کی عمر میں اپنا کوئی رفیق و غمگسار قریب نہیں پاتے تو کیا نوازش سکتے ہیں کہ اس حکم کے وقت تمدن کی حقیقت کو پیش نظر رکھا گیا ہے

جب ہم رشیوں، جوگیوں، سنیاسیوں، منیوں، بیراگیوں کے گروہ کو بستیوں سے پرے پرے دھونی رمائے جٹائیں لٹکائے آسن جمائے دیکھتے ہیں تو کیا یقین کر سکتے ہیں کہ انسانیت کا یہی اعلیٰ معیار ہے۔

جب ہم سینکڑوں لڑکیوں (دیو داسیوں) کو ایک پتھر کی مورت کے ساتھ بیاہی ہوئی دیکھتے ہیں اور قطع نسل انسانی کی تدبیر کو اس مقدس لباس میں جلوہ گر پاتے ہیں۔

تو کیا باور کر سکتے ہیں کہ ان مقننین نے آبادی عالم کا سب سے بڑا گُر دریافت کر لیا تھا۔ یہ سب کرشمے ایسی تعلیم کے ہیں جس نے نہ انسان کو سمجھا اور نہ طبع انسانی کا فلسفہ معلوم کیا۔ اور نہ اس پر عمل کرنے کو کچھ اہمیت دی۔

ایک اسلام ہے جو ان اوہام کو دور کر دیتا ہے جہلا ظنون کو خاک نشین بنا دیتا ہے۔ تمام آثار و ستم۔ اور جور و جفا دور کر دیتا ہے جو مدنیت اور انسانیت کو ترقی کے محل میں سوار کر دیتا ہے جو تجلی کی منفی و مثبت طاقتوں کو مجتمع کر کے تمدن کا گھر صاف و سفید روشنی

سے منور کر دیتا ہے۔

اسلام بتلاتا ہے وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا ترک تمدن محض بدعت ہے۔

عورتوں کے حقوق

اسلام ہی عورتوں کو تمدن میں برابر کی جگہ دیتا ہے اور انکے مساویانہ حقوق کو بحال کرتا ہے

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ | عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔

بچوں کے حقوق

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ | تنگدستی کے ڈر سے تم اپنی اولاد کو نہ مارا کرو۔

والدین کے حقوق

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا | ماں باپ کے ساتھ عمدہ ترین برتاؤ کرو۔

حکومت کے حقوق

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ | اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اور اپنے امیروں کی تابعداری کرو۔

اقسام تعاون

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى | نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

عدم تعاون کے اقسام

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ | گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو۔

ایفائے معاہدات کا حکم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ | اے ایمان والو سب قرار دادوں کو پورا کرو

معاہدات کی ... تکمیل کیجئے

اور بے انسانی کی بیخ

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ (مائدہ)

کسی قوم سے نفرت کا ہونا تمکو اس خیال پر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ عدل ہی کرو۔ ایسا کرنا ہی خدا ترسی کے لئے قریب تر ہے اور تمکو حکم ہے کہ خدا ترسی پر قائم رہو۔

معاہد غیر مسلم اور مسلم غیر معاہدین معاہد غیر مسلم کی رعایت اور نیوٹرل رہنے کی ہدایت

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (انفال)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی۔ اور اپنے مال جان سے انہوں نے راہ خدا میں جہاد کیا ہے۔ جنہوں نے ان لوگوں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی۔

یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کی ولایت کا حق رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا

جو لوگ ایمان تو لائے ہیں مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ تم کو ان کی ولایت کچھ بھی نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر آئیں۔

فساد اور بے امنی کی برائی

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرہ) | اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ (قصص) | دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔

خلافت الٰہیہ کی علامت

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا | خوف جاتا رہے گا اور امن اسکی جگہ سنبھال لے گا

حقوق ملکی کی ادائیگی کی تاکید

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ | رشتہ داروں اور مساکین کا حق ادا کیا کرو۔

عباد الرحمٰن کے صفات حسنہ حقوق تمدن کے متعلق

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا | رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو دنیا میں فروتنی

هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔ (فرقان)	کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور جب جاہل اُن سے بات کرتے ہیں

تو یہ اُن کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔

ب۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا	رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت فضول خرچی اور تنگ دلی نہیں کرتے۔ بلکہ

درمیانی راہ پر قائم رہتے ہیں۔

ج۔ وَلَا یَزْنُوْنَ۔	رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زنا نہیں کرتے۔
د۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ	رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی شہادت

نہیں دیتے۔

سچی شہادت کے ادا کرنے کی وصیت

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (نساء ۲۰۶)	اے ایمان والو۔ انصاف پر قیام کرنے والے اللہ کیلئے شہادت دینے والے بنجاؤ۔ خواہ تمہاری وہ شہادت خود تمہارے خلاف یا

تمہارے والدین اور نہایت قریبیوں کے خلاف ہی ہو۔

اخفاء شہادت کی حرمت

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (بقرہ ۲۶۶)	شہادت کو مت چھپاؤ۔ جو کوئی گواہی کو چھپاتا ہے۔ اسکا دل بھی گنہگار ہو جاتا ہے۔ یہ ضمیر

کو گندہ کرتا ہے۔

ان احکام پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے فوائد تمدن۔ اور حفاظت تمدن اور قیام تمدن کے لئے کیسے اصولی احکام دیئے ہیں۔ اور یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے روحانیات کیساتھ ساتھ دنیات کی تعلیم پر بھی پورا زور دیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلم اللہ کا سچا بندہ الدین کا کامل ہمدرد والدین کا سعادتمند فرزند تمدن کا پورا محافظ اچھا شہری۔ وفادار۔ راست گو۔ صلح پسند۔ فساد کا دشمن نسل انسانی کا دوستدار ہو۔

فصل نمبر ۱۶

اسلام ہی فیض رساں دین ہے جس سے اقوام عالم نے بالواسطہ فیوض بھی حاصل کئے۔

اسلام رحمۃ للعالمین کا سکھلایا ہوا دین ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اسکے احکام جملہ عوام و اقوام کے لئے رحمت ہوں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مختص بہ مسلمین ہوتے تو ان سے دیگر اقوام کا استفادہ دشوار تھا۔

لیکن تاریخ عالم کو اٹھا کر دیکھو کہ جب اسلام نے اپنی تعلیم کو عام کیا۔ اور دشمن و دوست کے سامنے یہ دسترخوان نعمت بچھا کر سب کو صلائے عام سنا دیا۔ اس وقت سے ان اقوام نے بھی جو آج تک اسلام سے دور و نفور رہتی ہیں دربار اسلام سے متواتر فیوض حاصل کئے۔

پارسی عہد قدیم سے یزداں کو خالق نور۔ اور اہرمن کو خالق ظلمات تسلیم کرتے تھے اور وہ یزداں کیطرح کسی دوسرے کو اسکے برابر کا خالق تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے یزداں و اہرمن کی فوجیں ہمیشہ نبرد آزما رہتیں جیسا کہ آریہ ورت میں بھی دیوتاؤں۔ اور راکھشسوں میں ہمیشہ جنگ اور جدو جہد جاری رہتا تھا۔ لیکن آج ان ہر دو مقامات میں یزداں کی برتری اہرمن پر اور دیوتا کی برتری راکھشس پر تسلیم کیجاتی ہے۔

پارسیوں میں غیر معین وقت سے محرمات ابدیہ کی حدود ٹوٹ چکی تھیں۔ شہنشاہ ایران داراب کا باپ بہمن تھا۔ اور یہی بہمن بن اسفندیار اس کا نانا بھی تھا۔ کیونکہ داراب کی ماں ہما دختر بہمن ہے۔

نہ دربار ایران نے اس ناگفتنی رشتہ کو وارثہ تاج و تخت تسلیم کرنے میں چون و چرا کی اور نہ رعایائے ایران نے اس پر کچھ تعجب کا اظہار کیا۔ ملکہ بہمن کے مرجانے پر اسکا تاج اسکی بیٹی

ہمائے شکم پر رکھ دیا گیا۔ اور دنیا میں اس آنے والے مولود کو خوشی خوشی بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

دارا بن دوراب جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا۔ اور اس کے آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اس کے پاس پہنچ گیا۔ اور اس کا سر گود میں لیکر بیٹھ گیا۔ تب دارا نے سب سے زیادہ ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی وہ یہی تھی کہ روشنک بنت دارا کو جسے دارا خود اپنے لئے پرورش کر رہا تھا سکندر اپنی بیوی بنالے قابل غور ہے کہ "جسے وہ خود اپنے لئے پرورش کر رہا تھا" کے الفاظ دارا نے زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کیسی صفائی سے ادا کئے تھے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں بہت عام تھی۔ اور رسم کی عمومیت نے ہی ہر ایک جھجک اور حجاب کو دارا کی طبع و زبان سے اٹھا دیا تھا۔

ایران میں مزدکیہ مذہب اسی لئے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا۔ کہ ملک میں پہلے سے محرمات ابدیہ کی حرمت و احترام کا کوئی وجود موجود نہ رہا تھا۔

مزدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیئے ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنیکا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

پنڈت دیانند سرستی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے۔ وام مارگی۔ چیتر انگت۔ وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں۔ اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جنکو ایک مسلم نقل بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہے کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔ کاشی جی جیسی پوتر جگہ میں آجتک وہ مندر جس کا نام نیپال کھپرا مشہور ہے موجود ہے اور وہ اپنے سونٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ نکلتے سورج کی شعاعیں ان تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں جنکی تقلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اسکے پوجاری ہیں۔ وہ ہر ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اتارتے ہیں اور سننے والے کی حیا و شرم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسے ایسے منظر شبد بناتے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع النظر مورخ بتلائے کہ کیا اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان ذلتوں سے

بلند نہیں کیا۔ اور کیا اسلام ہی کی راہ نمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کئے۔

سلطنت روما کے ایمفی تھیٹروں کے دل ہلا دینے والے نظارے سنگدلی۔ اور گرگ طبعی کے پورے مجسمے کیا اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کئے۔

کیا ان سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اٹھانے خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کسقدر فیوض بالواسطہ عطا کئے ہیں۔

ہاں یہودیوں میں بھی لاوی نے نذر کی قربانی خطا کی قربانی۔ تقرب کی قربانی پیش کرنے میں جو حقوق اپنے لئے خاص ٹھہرا لئے تھے۔

پطرس اعظم کے جانشین پوپ روما نے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کیلئے جن کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔

برہمنوں نے سرگ نرک میں مردہ کی جان کو دھکیل دینے کی جس شکتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا۔ ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ سامریہ کی بنی لادی سے علیحدگی۔ پروٹسٹنٹ کی رومن کیتھولک سے بیزاری۔ آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ انکی اصلاحات کا زمانہ اشاعت اسلام سے پیشتر کا تھا۔ کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس آزادی حاصل کرنے سے پیشتر اسلام کے علمی اور عملی کارنامے انکی آنکھوں اور دلوں کے سامنے نہ تھے۔

ان حقائق پر غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام نے یورپ اور ایشیا میں ترقی اذہان اور آزادی احساس اور تمیز نفع و ضرر کے فیوض بالواسطہ سب کو پہنچائے ہیں۔

سو بیویوں والے بادشاہ کو خدا کا اکلوتا کہنے والے یہودی۔ ایک ہزار خواتین والے بادشاہ کو خلیفہ جیسا لقب لگانے والا بتانے والے اسرائیلی۔ سولہ ہزار گوپیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانیوالے کرشن جیو کو سولہ سنگھار والا اوتار کہنے والے ہندو نشانہ بازی میں جیتی ہوئی دروپدی ایک عورت کو پانچ پانڈوں کی جائز بیوی بتانے والے آریہ ورتی غور کریں کہ آج تعدد ازدواجات کے متعلق انکے خیالات کسقدر ہموار ہو گئے ہیں۔ کیا کوئی شخص انکی وجوہ بابت [illegible] اسلام [illegible] پائیں گے

عملی نمونہ کو قرار دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ عیسائیت کی تعلیم تعدد ازدواج کے بارہ میں خاموش ہے۔ اور ان کا عملی نمونہ اس آئینی قانون کا نتیجہ ہے جو اسلامی حکم سے بہت بعد میں نافذ کیا گیا اور ٹھنڈے خون والے یوروپ نژاد کیلئے صرف ایک ہی بیوی پر محدود رہنا لازم ٹھہرایا گیا۔ تاریخ میں تلاش کرو۔ کہ اس قانون کے نفاذ سے بہت پیشتر قرآن مجید کے ترجمے یوروپ کی چند زبانوں میں اشاعت پذیر ہو چکے تھے۔ اور قرآن مجید کے الفاظ فَوَاحِدَةً ہر ایک سمجھ والے کے دل میں ایسی قانون سازی کی تحریک پیدا کر رہے تھے۔

ان نظائر سے تمدن کو اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ اسلام نے جملہ اقوام کو بالواسطہ کس قدر برکات عطا کی ہیں

شراب سے بھرے جام جم پر فخر کرنے والے اور ساغر ہوش ربا کو جام جہاں نما بتانیوالے ایرانی

دیوتاؤں اور دیویوں کی بھینٹ میں مدھ چڑھانے والے آریہ ورتی

مسیح کے اولین کارنامہ پانی کے مٹکوں کو خم ہائے شراب بنا دینے کا واقعہ فخر و مباہات کے ساتھ سنانیوالے عیسائی

سادہ پانی کے استعمال سے منع کرنے والے اور پانی میں تھوڑی سی شراب کو التزاماً شامل کرنے والے پولوسی۔

میدان ہائے جنگ کو بادۂ آتشین سے گرمانے والے اطالین، اور عرب اور آفریقی

کلیوپٹرا کے ایک پیگ پر فرائض سپہ سالاری کو چھوڑ دینے والے انٹونی۔

کیا اسلام کے اس فیض سے انکار کر سکتے ہیں۔ جو حرمت شراب کے صورت میں اس نے جملہ اقوام و ادیان پر عام کیا۔ نہیں ہرگز نہیں اسلام ہی نے شراب کو ام الخبائث کا لقب دیا۔ اسلام ہی نے اسے روحانیت کا دشمن بتایا۔ اسلام ہی نے اسے شرارت انگیز و عداوت خیز بتایا۔ اسلام ہی نے اسے شیطان (ابلیس و رکشس و اہرمن) کا عمل بتایا۔

جنگ عظیم ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء میں انگلستان اور جرمنی اور امریکہ کے بیچ جنگ سے مجبور ہو اسے ترک کرنا پڑا۔ کیا یہ سب اسلام کے بالواسطہ فیض نہیں۔

بھارت اعظم کی اولادیں مہاراجگی کو خاص کرنے والے، اور اپنی دوسری کو دھتکار

کی خون آشام زمین پر سارے ہندوستان کو کاٹ کر رکھ دینے والے (آریہ ورتی)

کیانِ ایران کو شایان خسروی بتانے والے اور اسی لئے تاتار۔ اور یونان اور بابل کی حکومتوں کو فنا کرنے والے (پارسی)

خاندان "چو" کو زندان آسمانی کہنے والے اور دنیا کی ایک ثلث رعایا اور اُن کے دیوتاؤں سے بھی اوپر ہو کر سیاہ سفید کرنے والے (چینی)

یوروپ پر تفوق و غلبہ کا استحقاق جتانے والے اور خاندان . . . . . کو نوع انسان پر فرمانروائی کا چارٹر رکھنے والے (فرینچ)

غور کریں کہ اسلام کے حکم وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ اور أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ نے دنیا کو کس آئینی حکومت کا جمال دکھایا۔ اُن کو تحفظ نوعی۔ وجنسی۔ اور تعاون افرادی و قومی سے آگاہ بنایا۔

کہتے ہیں کہ انگلستان کی پارلیمنٹ دنیا کی سب پارلیمنٹوں سے قدیم تر ہے۔ اور اسی لئے وہ "اماں پارلیمنٹ" کے لقب سے پکاری جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ درست لیکن کیا اُسکی قدامت قرآن مجید کے اس حکم محکم سے بھی قدیم تر ہے؟

اور اگر نہیں۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہرگز نہیں تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ دنیا کی تمام جمہوری اور آئینی حکومتیں اسلام ہی کے فیوض سے مستفیض اور اُسی کے خوانِ کرم کی ممنون رہیں

برہما۔ بشن۔ مہیش کا ترسول بلند کرنے والے (آریہ ورتی)

خدا۔ عقل کل ونفس کلی کی حکومت ماننے والے (افلاطونی)

باپ خدا۔ بیٹا خدا۔ روح القدس کہنے والے (انگلش چرچ)

باپ خدا۔ بیٹا خدا۔ جان (عیسی) ماننے والے (رشین چرچ)

باپ خدا۔ بیٹا خدا۔ مریم کو اقانیم کہنے والے (قدیم یونانی)

پرماتما۔ آتما۔ اور پرانو کو قدیم جاننے والے (آریہ)

دنیا پر موجود تھے اور اپنی اپنی تثلیث کے پھیلانے میں منہمک تھے۔ آج یہ سب لوگ مسئلہ توحید کی برتری کے اقراری ہیں۔ اور عقیدۂ توحید پر فخر کرتے ہیں۔ اور اپنی اپنی

تثلیث کو بھی سلوک طریق الی التوحید بتانے میں دلائل اور براہین سے کام لے رہے ہیں مسلمان اپنے ان نوعی بھائیوں کی ان ترقیات کو خوشی اور اطمینان سے دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کے انصاف و حق پسندی پر اُمید لگائے ہوئے ہیں کہ یہ سب لوگ ضرور ایک دن اسلام کے اس فیضان بالواسطہ کا اقرار کرینگے۔ اور اس حقیقت تک پہنچ جانے کے بعد وہ اسلام کے فیوض و برکات و انوار سے بلا واسطہ مستفیض ہونیکے لئے تنگ خیالات کے کمرہ کے دروازوں کو کھول دینگے۔ اُنکے دل اپنے اندر کشائش اور انبساط اور اُن کی روح اپنے لئے سرور و نشاط پائے گی۔ اور وہ سب اسلام کے رائت بلند کے نیچے مجتمع ہوجائینگے۔ اور اسلام کی اس خصوصیت کا اعتراف بھی کرنے لگیں گے۔

فصل نمبر ۱۷

اسلام ہی نے ہدائت آلہیہ کو ربوبیت خالقیہ کیطرح کُل عالم کے لئے عام بنایا

بنی اسرائیل کا دعوٰی ہے کہ وحی ربانی کا شرف صرف اسباط یعقوب علیہ السلام کے لئے خاص ہے۔ دنیا کی کسی دوسری قوم کو یہ شرف عطا نہیں ہوا۔

ایران والونکا دعوٰی ہے کہ سروش آسمانی کی آواز صرف ایرج ہی کی نژاد تک پہنچائی گئی۔ اور زرتشت و جاماسپ ہی کے خانوادے اس بزرگی کے تاجدار ہوئے۔ اور سب ملک اس عزت سے دور و دہیں۔

آریہ ورت کا دعوٰی ہے کہ آکاس بانی نے صرف گنگا و جمنا کی وادیوں میں بسنے والونکو درشن دیئے۔ اور دنیا کی سب اقوام اس سے محروم ہیں۔

چین والوں کا دعوٰی ہے کہ اسی ملک کے بسنے والے فرزند آسمانی ہونیکا اعزاز رکھتے ہیں۔ اور

کسی کو اس مشرق اقصیٰ کی روشنی حاصل نہیں

یہ دعاوی اگرچہ کیسے شاندار ہیں اور کسی ایک قوم کی عظمت کو نمایاں کرنے میں بہت بڑا کام کرتے ہیں لیکن ان دعاوی کا نتیجہ کل دنیا کے مقابلہ میں کیا تھا۔

نتیجہ اوّل یہ ہوا کہ ایک قوم نے اپنے سامنے دوسری قوم کو جھٹلایا۔ اور دوسروں کی صداقتوں کو بھی بطلان بتایا۔

جب اسرائیلی صرف بنی اسرائیل کیلئے وحی ربانی کو خاص بتلاتا ہے تو وہ دنیا کے مذاہب کو کاذب ٹھہراتا ہے۔

اور جب کوئی پارسی نژاد آریہ ہی کے اس دعویٰ کا مظہر ہے تو وہ کل عالم کو (جس میں بنی اسرائیل بھی شامل ہیں) دروغ گو ظاہر کرتا ہے۔

اور جب کوئی آریا ورتی ہندوستان دھرمی اپنی بات کو دہراتا ہے تو جہاں و جہانیاں کو (جس میں اسرائیلی و پارسی بھی شامل ہیں) اسٹ کہتا ہے۔

اور جب کوئی چینی کانفیوشس کی تعلیم کو آسمانی کہہ کر دیگر ابناء جنس کو اس شرف سے مہجور تجویز کرتا ہے۔ تو وہ ہر ایک ملک کو جسکے اندر (ہندوستانی ایرانی۔ کلدانی۔ و اسرائیلی بھی شامل ہیں) سیاہ و تاریک بتاتا ہے۔ لہٰذا کوئی مذہب ایسا باقی نہیں رہتا۔ جسکی دوسرے مذہب نے تصدیق بھی کی ہو اور کوئی قوم ایسی نہیں محفوظ رہتی جسے دوسری اقوام کی زبان پر صادق کہا گیا ہو۔

اور جب ہر ایک قوم نے جملہ اقوام کو داغ لگایا۔ تو اب اُس کا بھی کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ خود بچ سکے۔ ان لوگوں نے ساری فضاؤں کو ملکہ پھیلا دیا۔ اور پھر یہ تصور کر لیا۔ کہ اس سے اوروں ہی کے دامن آلودہ ہونگے۔

ان مشہور مذاہب نے اپنے ان دعاوی کے بعد پھر اپنے رقبہ کو اور زیادہ تنگ تر کرنا شروع کیا۔ اسرائیلیوں نے کاہن ہونیکا منصب صرف اولاد ہارون علیہ السلام کے لئے خاص کر دیا۔ اور ہستان دھرمیوں نے برہمن و سردار و کالشی کے پاؤں کو مرگ و ترک کا خراجی بنایا رومن کیتھولک نے سلطنت آسمانی کی کنجیاں پوپ کے ہاتھ میں دے دیں۔ کیونکہ وہ اُس گرجا

کا صدر نشین ہے۔ جسے پطرس نے تیار کیا تھا۔ اور پطرس وہ ہے جسے آسمانی بادشاہت کا کُلی اختیار مسیح نے دیدیا تھا۔

نتیجہ دوم یہ ہوا کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ نفرت ہوگئی۔ اور ہر ایک نے اپنا اپنا چولھا چوکا الگ الگ کرلیا۔ محبت انسانی گم ہوگئی۔ اور قومیں قوموں سے ہمیشہ کیلئے جدا ہوگئیں

نتیجہ سوم یہ ہوا کہ ملکی خصوصیات اور قومی رسومات ہر ایک جگہ دینی اصول میں شامل ہوگئیں اور آہستہ آہستہ ان رسومات کے سامنے دینی اصول کمزور و ضعیف اور بے نشان و گم ہوگئے۔

اسلام ہی نے ان سب خرابیوں کو دور کیا۔ اسلام ہی نے ان جملہ اقوام کے سامنے یہ ایک جدید علمی انکشاف کیا کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ یعنی ہر ایک بستی میں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا۔ بُرے افعال کے بُرے نتائج سمجھانے والا ہو چکا ہے۔

اے اسرائیلیو! تم کیوں ہندوں کے بزرگوں کی تحقیر کرتے ہو۔ اور اے ہندوؤ تم کیوں اسرائیلیوں کے انبیاء کی تکذیب کرتے ہو۔ اے ایرانیو! تمہارا کیا حق ہے کہ اسرائیلیوں اور ہندوؤں کے دعاوی کا بطلان کرو۔

اے چینیو! تمہارا کیا منصب ہے کہ ان تمام شاندار اقوام کے علم اور تہذیب اور تمدن سے آنکھیں موند کر سورج کی روشنی کو جھٹلاؤ۔

اب ملجاؤ۔ اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو اور ہر ایک ملک کے پیشوا و ہادی و داعی کی تعظیم کرتے ہوئے۔ اس ناموس قدرت کو بھی دیکھو۔ جس نے تمام عالم کو متحد و متفق کرنے کیلئے بحر روم کے متصل ایک مقام کو انتخاب کیا۔ جہاں سے متمدن دنیا کی ہر جگہ میں تبلیغ بآسانی کیجا سکتی تھی۔ اور جہاں ٹھہر کر بحر و بر کے وسائل آمد و رفت سے بخوبی کام لیا جاسکتا ہے۔

قدرت نے اس تحریک کی پانچ ہزار سال سے بنیاد قائم کی۔ اور ایک ایسی قوم کو تیار کیا جس نے بے آب گیاہ میدانوں میں رہ کر جس نے آباد و شاداب قطعات سے الگ ہوکر جس نے نفائس مادی میں سے صرف سد رمق پر اکتفا کرکے حفاظت صحیفہ کو اپنا مقصود بنایا۔

اور اسی کی دربانی کو اپنے لئے افتخار شاہی سمجھا۔ حتی کہ وہی سید عالم پہونچ گیا۔ اور وہی سِرِ کائنات ظاہر ہوگیا جس نے اختلاف کو ایتلاف سے اور نفاق و افتراق کو اتفاق سے بدل دیا۔ وہ کیسا زمانہ تھا۔ اُسوقت کی دو بڑی قوموں کی یہ حالت زار ربانی الفاظ میں یوں ظاہر کی گئی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ (بقرہ ۱۴۶)	یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں ہیں۔
وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ (بقرہ ۱۴۶)	نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں ہیں اور وہ کتاب بھی پڑھا کرتے ہیں۔

آیت وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ کا تعلق نصاریٰ سے بھی ہے جو یہودیوں کی کتاب کو عہدنامہ قدیم اور ہولی بائبل کہہ کر تسلیم کرتے ہیں اور باایں ہمہ یہودیوں کی بابت یہ مبالغہ ہے کہ اُن کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔

نیز اسکا تعلق یہودیوں سے بھی ہے جو انجیل ہیں یہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ توریت موسیٰ کی مصدق ہے۔ اور باایں ہمہ انجیل سے انکاری بھی ہیں۔

بہر حال ہر دو فریق (وفد نجران اور علماء یہود یثرب) نے ان فقرات کو دھرایا اور اپنی اپنی تنگ مزاجی اور لاعلمی کا ثبوت دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو فیصلہ کرنا پڑا۔

الٰہی فیصلہ یہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ	اے رسول تیرے رب کیطرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے۔ اُسے پہنچا دیجیے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا۔ تو تم نے رسالت کو نہ پہنچایا۔ اور اللہ تمکو ان لوگوں سے بچائے رکھیگا۔ کہدیجیے کہ اے یہودیو۔ اے عیسائیو۔ اے اہل کتاب ہونیکے مدعیو۔ تم دونوں کچھ بھی (کسی بنیاد پر بھی) نہیں ہو۔ جب تک توراۃ اور انجیل پر۔ اور اس کتاب پر جو

رَبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ ع ۹)	تمہارے رب نے تمہارے لئے نازل کی قائم نہیں ہوجاؤ گے۔

ہاں انمیں سے بہت کی یہ حالت ہے کہ اللہ کے اُترے ہوئے احکام سے وہ کفر اور سرکشی میں زیادہ ترقی کر جاتے ہیں۔ ان کافرونکے گروہ پر آپ افسوس بھی نہ کریں۔

یہود اور نصاریٰ کی تعداد اُسوقت مسلمانونکی تعداد سے بہت زیادہ تھی۔ دو- اور سو کی نسبت اُسوقت ان میں ہوگی۔ یہود زر و مال والے تھے۔ تجارت والے تھے۔ سارے عرب پر اُنکا اقتدار تھا مسلمان اور بُت پرست سب اُن کے مقروض تھے۔

نصاریٰ فوج اور طاقت اور حکومت والے تھے۔ ہر دو کے خلاف ایک ایسا متفقہ فیصلہ سنانا جو ان کی دینی حیثیت کو بالکل لاشے بنا دینے والا تھا۔ آسان نہ تھا۔ لہذا آیات کے شروع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر آمادہ کیا گیا ہے۔ اور بطور پیشگوئی یہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ اس فیصلہ کے بعد خواہ یہود کتنا ہی تڑ پائیں۔ اور نصاریٰ کتنا ہی بھنائیں۔ مگر وہ آپ کو کسیطرح کا گزند نہ پہونچا سکیں گے عصمت الٰہی ہمیشہ آپکو اُنکے آزار سے بچائیگی۔

فیصلہ یہ ہے کہ یہود کو نصاریٰ کے بالمقابل اپنا تعصب اور نصاریٰ کو یہود کے بالمقابل اپنا کینہ و انتقام چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور ہر دو کو توراۃ و انجیل کا اتباع کرنا چاہیئے۔

جو دلیل نصاریٰ کے ہاتھ میں یہودیوں کو دین مسیحی کی دعوت دینے کی بابت ہے۔ وہ اس لئے صحیح ہے کہ نصاریٰ اُنکی کتاب اور اُنکے نبی (موسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

لہذا یہی دلیل مسلمانونکے ہاتھ میں بمقابلہ نصاریٰ اور یہود (ہر دو) حاصل ہے کیونکہ مسلمان دونوں کتابوں اور ان کتاب لانے والوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

نصاریٰ یہود کے سامنے مسیح کی بابت پیشگوئیاں توراۃ سے نکال لیتے ہیں اور انہیں ملزم ٹھہراتے ہیں۔ اسیطرح مسلمان۔ یہود اور نصاریٰ دونوں کے سامنے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیاں بائبل سے پیش کرتے ہیں۔ اور ہر دو پر حجت الٰہی کا اتمام کرتے ہیں۔

اب خلاصہ معلوم ہوگیا کہ جب یہود اس لئے مغضوب ہیں کہ اُنہوں نے تعلیم مسیح سے انکار کیا جبکہ مسیح تعلیم توراۃ کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو نصاریٰ بھی اس لئے ضال ہیں کہ وہ شریعت موسوی کے منکر ہیں۔ جسکی تصدیق مسیح نے فرمائی ہے۔ اندریں حالات یہ دونوں اسلئے بے بُنیاد اور لاشئے ہیں کہ وہ اس کتاب اور نبی کے منکر ہیں جسکا وعدہ موسیٰ کی پانچویں کتاب کے ۱۸ باب کی آیات ۱۵ تا ۱۸ میں موجود ہے۔ نیز جسکی خبر انجیل یوحنا باب ۱۶ کی آیات ۱۱ تا ۱۶ میں موجود ہے۔

الغرض یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔ کہ وہ تمام جہان کا معبود صرف ایک اللہ کو بتاتا ہے۔ اور تمام جہان کا پروردگار صرف ایک رب کو ظاہر کرتا ہے۔

اور تمام عالم کے سامنے صرف ایک دین اسلام کو پیش کرکے جملہ اقوام و ادیان اور ممالک کو اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوض کا یکساں حصہ دار قرار دیتا ہے۔

وہ کسی بزرگ کا مکذب نہیں وہ کسی سابقہ مذہب کا مبطل نہیں ہے بلکہ سب کو سب کے مقبولہ اصول کے تحت میں لاکر متحد بنانے والا اور ربوبیت خالقیہ کیطرح سب سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کاملہ کو منوانے والا ہے۔

مبارک ہے۔ اسلام جس نے جملہ اقوام کو متحد و موافق بنانے کیلئے سب کیطرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور مبارک ہیں وہ قومیں جنہوں نے مقدس داعی کے الفاظ پر لبیک کہہ کر محبت عام کو اپنا مسلک بنایا۔

فصل نمبر ۱۸

اسلام ہی دین البرّ (نیکی کا مذہب) ہے

قدیم یونان اور جدید یورپ کے فلاسفروں نے مذہب انسانی پر غور و خوض کر کے بعد بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ مذہب صحیحہ کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی ہونی چاہیئے (۱) نیکی۔ (۲) صداقت (۳) حسن۔

مجھے اپنے عنوان کی مناسبت سے صرف نیکی کی بابت اس مقام پر تحریر کرنا ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (بقرہ ع ۲۲)

یہی نیکی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا کرو نیکی تو ان لوگوں کی ہے (۱) جو اللہ پر اور قیامت پر اور ملائکہ پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر یقین رکھتے ہیں۔ (۲) جو اپنی ضرورت ہوتے ہوئے بھی قریبیوں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو اور آزادی غلامان میں اپنا مال دیتے ہیں۔ نماز کی پابندی کرتے ہیں زکوٰۃ دیا کرتے ہیں عہد کر کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اور تنگدستی و بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں یہی تو صادق لوگ ہیں۔ اور یہی تو متقی ہیں۔

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (ممتحنہ)

غیر مذہب والوں سے بھی نیکی کرو۔ اور پورا پورا انصاف کرو اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى (بقرہ ۲۴۶)
وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (مائدہ)
وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ (انبیاء)
اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ
لَا يُشْرِكُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا
وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ
رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى
الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ (مومنون ۴۶)

نیکی تو خدا ترسی میں ہے۔
نیکی اور خدا ترسی کے کام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو
ہم نے سب نبیوں کے پاس نیکیوں کے کرنے کا حکم بھیجا
جو لوگ اپنے رب کی تعظیم کی نگہداشت ڈرتے
ہوئے رکھتے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر
کا نہیں بناتے۔ جو اللہ کے دیئے ہوئے مال سے لوگوں کو
دیتے ہیں۔ اور اس بات کی دہشت رکھتے ہیں کہ
انہوں نے اپنے رب کی طرف جانا ہے۔ یہ ہیں وہ
لوگ جو نیکیوں کی طرف جلد جلد جانے والے ہیں
اور یہی ہیں جو نیکیوں کو حاصل کر لینگے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انواع البر (نیکیوں کی قسام) کے اقسام کے متعلق جو احکام دیئے ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل اصول پر مبنی ہیں۔

(۱) عظمت الٰہی کا احساس۔ اور اس احساس کے بعد تعظیم ملے ہوئے ادب کا اثر دل پر محسوس کرنا۔

(۲) احسانات الٰہی کی یاد داشت۔ اور اس یاد داشت سے حیرت کا طاری ہونا۔ اور طیران حیرانیت سے اثرات حیوانی کا کمزور پڑ جانا۔

(۳) اقارب اور ہمسایہ۔ ایامی و یتامی۔ اہل قریہ۔ اہل وطن کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

خندہ روئی سے ملنا۔ راہ میں سے کانٹے یا ٹھوکر کا ہٹا دینا۔ کنوئیں سے پانی نکال دینا بھولے کو رستہ بتا دینا۔ تاریکی کیوقت روشنی دکھا دینا۔ بوجھ اُٹھوا دینا۔

دوسرے کو عزت کیساتھ بلانا۔ نرم کلامی سے بات کرنا یہ سب نیکیوں میں شمار کئے گئے ہیں باپ کا اپنے بچہ کو تعلیم دلانا صدقہ سے بہتر بتایا گیا ہے (ترمذی عن جابر بن سمرہ)

اپنے کنبہ سے بھلائی۔ نیکی کرنے والے کو بھلا اور بہتر بتایا گیا ہے (ترمذی عن عائشہ)

بیٹیوں۔ اور بہنوں کو اچھی تعلیم اور تربیت دینے والے کو مستحق جنت بتایا گیا ہے۔

(ابو داؤد عن ابی سعید)

ایک بلی کو عذاب دینے والے کیلئے دوزخ کا (صحیحین عن ابن عمر) اور ایک کتے کو پانی پلانے والے کیلئے مغفرت کا اعلام فرمایا گیا ہے (ابو داؤد عن ابی ہریرہ)

اور بالآخر فی کل کبد رطبۃ اجر (ابو داؤد) کے ارشاد سے اس عنوان کو مکمل کر دیا ہے۔ ارشاد نبوی کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک جاندار (جو تازہ جگر اپنے اندر رکھتا ہے یعنی زندہ ہے) کے ساتھ بھلائی کرنا موجب اجر ہے۔

ان احکام سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام دین البر ہے۔

فصل نمبر ۱۹

اسلام دین التقویٰ (پارسائی کا مذہب ہے)

(۱) پارسائی کو برباد کرنے والی سب سے بڑھ کر شراب ہے مگر پولوس نے (انطاؤس ۵/۲۳ میں) یہ حکم دیا ہے کہ آگے کو تو صرف پانی نہ پیا کر بلکہ اپنے ہاضمہ اور اکثر کمزور رہنے کے واسطے تھوڑی سی (شراب) پی۔

شراب پینے کا حکم اور سادہ پانی پینے کی نہی کا یوروپ اور امریکہ پر کیا اثر ہوا کہ لفظ تھوڑی کی قید بالکل نہ رہی۔ اور شراب ان تمام خرابیوں کی جڑ ثابت ہوئی جسے قرآن پاک نے اور ارشادات نبوی نے صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا تھا۔

اب محکمہ حفظان صحت نے پولوس کی وجہ علت کا بھی غلط اور باطل ہونا ثابت کر دیا ہے اور بتلا دیا کہ شراب کا برا اثر معدہ جگر دل دماغ اور ششش پر بدترین نتائج پیدا کرتا ہے اعصابی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ جنگ عظیم ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء میں فوجیوں کی جسمانی طاقت بحال کرنے اور بڑھانے کیلئے شراب کی قطعاً ممانعت کی گئی تھی۔ اپنی فوج کے لئے کنگ جارج

نے نمونہ بننا پسند کیا۔ اور زار روس نے اُن کی پیروی کی۔ امریکہ نے شراب کی ساخت ملک میں بند کر دی اور خرید و فروخت پر بھی سخت بندشیں عائد کیں علمِ اخلاق کے ماہرین کا بیان ہے کہ شراب کے استعمال سے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ عالمانِ اقتصادیات کا بیان ہے کہ فقر و فاقہ کا سبب اور تباہیٔ مال کا باعث شراب ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کا بیان ہے کہ جرائمِ سنگین قتل زنا بالجبر رہزنی وغیرہ کا ارتکاب اکثر بحالتِ شراب کی حالت میں ہوتا ہے

(۲) ہندوؤں میں بھی دیوی اور دیوتاؤں کے خوش کرنے کیلئے شراب کا چڑھاوا دیا جاتا ہے۔ پھر جو چیز دیوی اور دیوتا کے خوش کرنے کا سبب ہو اُسے پوجاری اور سیوک کیوں استعمال نہ کریں بعض ہندو اقوام نے شراب میں تقدس پیدا کرنے کے لئے اس کا نام گنگا جل رکھ دیا۔

اسلام ہی وہ پہلا اور تنہا مذہب ہے جس نے شراب کو رِجس بتلایا۔ عملِ الشیطان کہا۔ اور اُمّ الخبائث اُسی کا نام رکھا۔

ایسے نشہ کی مقدارِ قلیل کو بھی جو مقدارِ کثیر میں پہنچکر نشہ آور ہو حرام بتایا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اسلام پارسائی کا مذہب ہے۔

اسلام میں زنا حرام ہے۔ اور اسکی حرمت کو مضبوط و محکم کرنے کیلئے جو حکم دیا گیا ہے اُسکے الفاظ یہ ہیں۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا   زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔

اس حکم سے اُن اسباب اور وسائل کو بھی حرام کر دیا ہے۔ جو زنا تک لے جانیوالے ہیں مردوں عورتوں کا اختلاط۔ اور ہنسی و مذاق۔ ایک ہی مکان کے اندر غیر محرم مرد و زن کی بود و باش دلربائی اور حسن نمائی کے طریقے نظر بازی وغیرہ۔

اسی حرمت کو مضبوط کرنے کیلئے۔ ہمارا سبیلاً بھی فرمایا گیا۔ اور بتایا گیا۔ کہ جو کوئی زنا کرتا ہے وہ اپنے گھر تک زنا کیلئے ایک سڑک بناتا ہے۔ وہ جس سڑک پر چل کر دوسرے کے پاس پہنچتا ہے اُسی سڑک پر چل کر دوسرے اسکے گھر آجاتے ہیں حکم دیا گیا۔

وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ (نساء ۲۶)   کسی عورت کا کوئی مرد آشنا نہ ہونا چاہیئے۔

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (مائدہ ع ۱) اور کسی مرد کی کوئی عورت آشنا نہ ہونی چاہیئے

اس پارسائی کو قائم رکھنے کیلئے تدبیر بھی بتائی اور اسکی تعمیل بھی فرض ٹھرائی۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ مومن مردوں سے کہدیجئے کہ نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (سورہ نور ع ۴) عورتوں کو بھی کہدیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھیں

اس حکم کے بعد یہ بھی فرمادیا

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (اعراف) | فحش کی کھلی چھپی سب قسموں کو میرے رب نے حرام کردیا ہے۔

حکم بالا کی رو سے تو فواحش حرام ہوئے لیکن ابتدائی مراتب ہیں جبکہ فحش کے اقدام اور اقدام کی تیاریاں ہوتی ہیں اُسے اسلام نے لفظ "اثم" سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسکی بابت بھی یہ حکم دیا ہے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (انعام) | گناہ کا بیرونی اور اندرونی حصہ بھی بالکل چھوڑ دو

تعجب ہوتا ہے کہ شراب پینے والی عورتوں۔ مردوں کو فحش آمیز کھلی آزادی دینے والے عبادتگاہوں میں جاکر بھی آتش رخساروں کے حسن سے آنکھیں سینکنے والے۔ نمائش حسن کے پیرایہ میں ننگی تصاویر کھچوانے والے اور مخلوط غسل خانوں میں نہانے والے کھلے پن گھٹوں بھرے ننگے اشنان کرنے والے اسلام کی پارسائی کا اعتراف نہ کریں۔ شاید اس لئے کہ ایسا اعتراف خود اپنی عریانی کے اعتراف کا مترادف ہے۔

اگر اسلام کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ نفسانی جذبات کو اُبھار اُبھار کر اپنی تعداد کو بڑھائے تو وہ شراب کی حرمت کا حکم کبھی نہ دیتا۔ (اور ایسا حکم نہ دینا اسکے لئے کچھ موجب اعتراض بھی نہ ہوتا کیونکہ جو چیز جملہ ممالک میں مستعمل اور جملہ مذاہب میں روا تھی اُسپر خوشی کبھی موجب اعتراض نہ ہوسکتی تھی) اور زنا کی روک تھام کیلئے ایسے سخت قیود عائد نہ کرتا۔ (اور ان قیود کے عائد نہ کرنے سے اُن قوموں کا جو کورٹ شپ کو جائز سمجھتی ہیں یا جوادلا دینے کی غرض سے

بیاہتا عورت کو اور اولاد دینے کی غرض سے بیاہتا مرد کو عارضی جوڑ بنا لینے کی اجازت دیتے ہیں انکے اعتراض بھی نہ ہوتا لیکن اسلام نے عفت و پارسائی کا بلند ترین نمونہ پیش کیا ہے۔ اور وہ فی الحقیقت پارسائی کا مذہب ہے۔

معترضین کے پاس اسکے خلاف دلیل صرف یہ ہے کہ اسلام نے ایک سے زیادہ عورت کو بھی بیوی بنا لینے کی اجازت دی ہے؟

مگر تو کو داؤد کو خدا کا اکلوتا بیٹا (زبور ۱) کہنے والے اور اس کی سو بیویوں پر اور سلیمان کو خدا کا سا دل والا بتانے والے اسکی ایک ہزار بیویوں پر۔ ابراہیم کو خلیل الرحمن ماننے والے اسکی بیویوں اور لونڈیوں پر کرشن جی مہاراج کو اوتار ماننے والے انکی سولہ ہزار ایک سو آٹھ ۱۶۱۰۸ بیویوں پر اور انکو ریفارمر اعظم ماننے والے زمانہ حال کے لیڈر انکی آٹھ مہارانیوں پر کوئی اعتراض زبان سے نہیں نکالتے۔ تو پھر انکا کیا حق ہے کہ وہ اسلام پر ایک سے زاید بیوی کرنے پر اعتراض کریں۔ ہم نے جن محترم ہستیوں کے نام لئے۔ انکے مذہب میں ایک سے زیادہ بیوی کرنے کیلئے کوئی ایسی شرط موجود نہیں۔ جسکا فقدان ان کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کیلئے روک بن سکے مگر اسلام میں شرط عدل موجود ہے۔

اور اس شرط کے فقدان پر (بلکہ صرف فقدان ہی پر نہیں) احتمال فقدان کی حالت پر بھی فَوَاحِدَةً کا ارشاد موجود ہے۔ کیا کوئی مذہب ہے؟ جو اپنی کتاب پاک میں فَوَاحِدَةً کا ہم معنے لفظ نکال کر دکھا دے۔ کوئی مذہب ہے؟ جو مسیح۔ یا موسیٰ یا کرشن و رامچندر کے منہ سے نکلی ہوئی بات فَوَاحِدَةً کے ہم معنے ثابت کر دے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تب اسکو اقرار کرنا چاہیئے کہ یہ بھی اسلام ہی کی مخصوصیات میں سے ہے۔ اور ایک بیوی والے جس قانون پر یورپ کو فخر ہے۔ وہ بھی قرآن مجید ہی کے ایک حکم کا خلاصہ اور ناقص خلاصہ ہے۔

فصل نمبر ۲۰

اسلام دین الصدق سچائی کا مذہب ہے

صدق کی تعریف علماء اسلام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے۔

(۱) عمل اور علم کی موافقت باہمی کا نام صدق ہے۔

(۲) دل اور زبان کی مطابقت کا نام صدق ہے۔

(۳) سر و علانیہ کے مساوی ہونیکا نام صدق ہے۔

(۴) اُس راستبازی کو جس میں تباہی کا اندیشہ ہے۔ اُس کذب سے بہتر سمجھنا جس میں رہائی کا گمان ہے صدق کہتے ہیں ؎

گر راست سخن گوئی و در بند بمانی به زاں کہ دروغت دہد از بند رہائی

مندرجہ ذیل آیات و احادیث پاک پر غور کرو۔

الف۔ صدق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ (آل عمران) اللہ نے تو سچ فرمایا ہے۔

ب۔ صدق اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول پاک کے اوصاف میں سے ہے۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (احزاب) اللہ نے اور اُسکے رسول نے سچ فرمایا تھا۔

ج۔ مریم صدیقہ کا درجہ بوجہ صدق بر تر و بلند تھا۔

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا (تحریم) اُس نے اللہ کے فرمودہ کو سچ سمجھا۔

د۔ اصحاب نبویہ کا درجہ بوجہ صدق ہے۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (احزاب)	یہ وہ جوانمرد ہیں کہ اُنہوں نے اللہ سے جو عہد کئے تھے وہی سچے کر دکھلائے۔

ھ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی صدق کی تعلیم اور صدق کی تصدیق میں ہے۔

اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ | نبی ہے جو صدق لیکر آیا۔ اور اسکی تصدیق بھی کی۔

و۔ صدق کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مؤطا و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی میں موجود ہے۔

اِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَصْدُقُ وَیَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ صِدِّیْقًا۔ وَاِنَّ الْکَذِبَ یَھْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَکْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْکَذِبَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ کَذَّابًا۔

صدق نیکی کی راہ دکھلاتا ہے۔ اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ انسان سچ بولنے لگتا ہے اور سچ کو عادت بناتا ہے حتّٰی کہ اللہ کے ہاں بھی صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ گناہوں کی راہ دکھلاتا ہے اور گناہ دوزخ کی راہ دکھاتے ہیں انسان جھوٹ بولنے لگتا ہے اور جھوٹ کو عادت بنالیتا ہے حتّٰی کہ اللہ کے ہاں بھی جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

ز۔ سنن نسائی میں ہے اور ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے۔ کہ ابوالحوراء نے امام حسن علیہ السلام سے پوچھا کہ آپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسی بات سیکھی۔ فرمایا۔ مینے سیکھا اور یاد رکھا کہ حضور نے فرمایا تھا۔

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَاْنِیْنَۃٌ وَّالْکَذِبَ رِیْبَۃٌ | جو چیز شک پیدا کرے اسے چھوڑ دے۔ اور جس میں کوئی شک نہ ہو وہ لیلے۔ کیونکہ "صدق" تو طمانیت کا نام ہے اور "کذب" شک کو کہتے ہیں۔

ح۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے۔

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ | اہل صدق کا ساتھ دو۔

ط۔ عربی زبان میں صدق کے مدارج علیا کے مطابق اس صدر سے فاعل کے تین صیغے آتے ہیں صادق۔ صدوق۔ اور صدیق۔ اور صدیق وہ برترین درجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی اس خطاب کا استعمال ہوا۔

ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (مریم) اور یوسف علیہ السلام کو بھی صدیق کے لقب سے روشناس کیا گیا۔

سیدہ مریم بتول کو بھی سورہ مائدہ میں وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ فرمایا گیا۔ اور پھر سورہ نساء و سورہ حدید میں اُمت محمدیہ کے افراد ممتاز کیلئے صدیقیت کا درجہ تجویز کیا گیا۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (حدید)

یہی لوگ تو صدیق اور شہید ہیں اپنے رب کے پاس ہیں انکے لئے اجر بھی ہے اور نور بھی۔

ان حوالجات سے ثابت ہوگیا کہ صدق کے شانِ بلند کے اظہار میں اسلام نے کیسے کیسے اسلوب بدیع سے کلام فرمایا ہے۔

اور اس بیان سے عہد حاضرہ کے فلاسفروں کا وہ مطالبہ پورا ہو جاتا ہے کہ دین طبیعی کے لئے صدق کا ہونا شرط ہے۔ الحمد للہ کہ اسلام اپنی خصوصیت کا اظہار چودہ صدیوں سے کر رہا ہے

فصل نمبر ۲۰۱

اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے۔

لوگوں نے صرف عورتوں کے خط و خال و ناز و انداز کا نام حسن رکھ چھوڑا ہے لیکن یہ صرف کوتاہ نظری ہے۔ اور صرف ایام شباب کا محدود مذاق ہے۔

باایں ہمہ دنیا کے مختلف ممالک کے باشندوں کے مذاق اس بارہ میں بھی اسقدر مختلف ہیں کہ حسن نسائی کی متفق علیہ تعریف بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔

روس کے شمال میں صاف شفاف آسمان جیسی نیلی آنکھیں غایت حسن سمجھی جاتی ہیں لیکن اہل عرب ازرق چشم کو نہایت مکروہ سمجھتے ہیں۔

یورپ میں سنہری بالوں کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور ایشیا میں سیاہ ترین چوٹی کو حسن سمجھا جاتا ہے

یوروپ کو سفید رنگت پر ناز ہے مگر حبشیوں کے نزدیک سیاہ رنگ کے سوا اور کسی کو حسین کہلانیکا حق ہی نہیں

جب ہم نے اس مضمون کا عنوان "دین الحسن والجمال" ثبت کیا۔ تو اس سے یہ سمجھنا کہ اسلام بھی حسن نسائی کا سراپا نگار ہے۔ غلط اور قطعاً غلط ہے۔

ہاں اسلام حسن کا ایک بلند درجہ تجویز کرتا ہے اور جمال کو بہترین صنع ربانی قرار دیتا ہے اسلام کی نگاہ میں یہ جہاں سرتاسر حسن کا پیکر ہے اور عالم کی ہر شئے آئینہ دار جمال ہے۔

انسانی حسن و جمال

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ | ہم نے انسان (مرد و زن) کو سب سے زیادہ خوشنما ڈھانچے پر پیدا کیا۔

لفظ التقویم میں اندرونی و بیرونی ساخت دونوں شامل ہیں عالمان علم تشریح جانتے ہیں کہ انسانی دماغ۔ انسانی قلب و دیگر احشا و اعصاب کو دیگر حیوانات کے مقابلہ میں کس قدر برتری حاصل ہے۔ اسکے دانت اور معدہ میں کیونکر نباتاتی غذا۔ اور حیوانی غذا کھانے والے حیوانات کی صفات جمع ہیں۔

صورت کی خوشنمائی

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ - اللہ نے تمہاری صورتیں بنائیں اور ان کو کتنا اچھا بنایا۔

عام اصناف انسان کو وہ زنگی ہو یا فرنگی۔ دیگر حیوانات پر صفائی بشرہ۔ لینت جلد۔ استقامت قد۔ اور خوشنمائی خد کے بارہ میں جو خصوصیت حاصل ہے اسکا بیان اَحْسَنَ صُوَرَكُمْ میں آجاتا ہے۔

بیوی کی صفت

لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم ۱)	تاکہ اس سے آرام پاؤ۔ اور آپس کی محبت و پیار بھی تمکو عطا کی۔

بیوی کا شوہر کے لئے سکون قلب ہونا۔ اور شوہر و زن میں باہمی محبت باہمی کشش کا پایا

جانا دونوں کی خوبی کا باعث ہے۔

ب۔ عُرُبًا اَتْرَابًا (واقعہ) شوہروں سے پیار کرنے والیاں۔ اور ہم مذاق بھی وہ بڑی خوبی ہے جو صنف نسوان کو ممتاز کرتی ہے۔

جمال مواشی و انعام

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (نحل ع ۱)

مواشی جب صبح کو نکلتے اور شام کو چراگاہ سے واپس آتے ہیں تو انہیں تمہارا جمال ہے۔

دودھ دینے والے۔ قلبہ رانی کرنے والے۔ پانی کھینچنے والے جانوروں کو لوگ دیکھتے ہیں۔ گاؤں سے باہر عموماً صبح و شام حیوان بھی جمع ہو جاتے ہیں، اور اُنکے مالک انسان بھی۔ اچھے جانوروں کی تعریفیں ہوتی ہیں اور مالک کا چہرہ یہ تعریفیں سُن سُن کر روشن ہو جاتا ہے۔ آیت میں اسی حالت کی جانب اشارہ ہے۔

سواری کے جانور بھی زینت ہیں۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (نحل)

گھوڑے۔ خچریں۔ گدھے۔ باربرداری اور سواری کا کام بھی دیتے ہیں۔ اور سبب زینت بھی ہیں۔

اِن جانوروں کا باربرداری اور سواری کا کام دینا تو عام طور پر مسلم ہی ہے لیکن اسلام نے زینت کا لفظ ایزاد کرنے سے ثابت کر دیا۔ کہ وہ ہر شئے کی خوبصورتی پر بھی توجہ دلاتا اور اسکی قدر کرنا سکھلاتا ہے۔

جملہ اشیاء ارضی میں زینت و جمال کا ہونا

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (کہف ع ۱)

جتنی چیزیں بھی زمین پر ہیں ہمنے اُن کو زمین کی زینت بنایا ہے۔ تاکہ انسانوں کا امتحان لیں کہ اُن میں سے کون کون اچھے اعمال والا ہے۔

ہر شئے کا زمین کے لئے زینت و جمال ہونا اسلام ہی کی نگاہ سے تسلیم کیا ہے۔ زمین پر بچھا ہوا سبزہ زمین کے لئے اپنی خوشنمائی سے زینت ہے۔ اور آسمان کی طرف بلند ہونے والے درخت اُنکی جھومنے والیاں ڈالیاں۔ اُن کی سایہ گستر شاخیں

اپنے طور پر زمین کی رونق بن رہی ہیں شوخ و شنگ رنگ رکھنے والے پھول بھانت بھانت کا مزہ دینے والے پھل۔ عجیب و غریب اشکال کے اوراق۔ مختلف تاثیرات و خواص رکھنے والے پودے۔ شبا روز بہنے والے دریا۔ اور استقامت کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہنے والے پہاڑ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفید سفید نیچے تکڑے کرنے والی برف۔ اور میدا نوں کی چٹیل زمین پر نرم نرم فرش بچھانے والی ریت۔ آبشاریں۔ غاریں۔ مرغزار اور جنگل۔ وادی و ہامون آبادیاں اور ویرانے اپنی اپنی حالت اپنی اپنی وضع اپنے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے تمام کرہ ارضی کے حُسن کو بڑھانے والے جمال کو ترقی دینے والے ہیں۔

یہ سب زمین کا سنگار ہیں۔ یہ سب زمین کی زینت اور زیور ہیں۔ اُنکی خوبصورتی کو دکھلانیوالا یہی دین الاسلام ہے۔ جو دین الحسن والجمال ہے۔

آیت بالا میں صنعت ربانی کے حُسن و جمال کے بیان کے بعد ایک تقابل بھی موجود ہے اور وہ بندہ کا حُسن عمل ہے۔

وہ قدرت ربانیہ جس نے خود انسان کو صاحب الجمال پیدا کیا جس نے ہر شے کو حُسن و زینت کا خزینہ دار بنایا۔ کیا اُس کا یہ حق نہیں کہ وہ انسان سے بھی احسن اعمال کی توقع کرے؟ ہاں ضرور ہے۔

اگر کوئی شخص قصر سلطانی میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں کی بیش بہا اور قیمتی اشیاء کا ملاحظہ کرتا ہے وہاں کی اعلیٰ زیبائش و آرائش کو دیکھتا ہے۔ تو اُس شخص سے اُسکی قوت ضمیر سے یہی اُمید ہوسکتی ہے کہ وہ وہاں جاکر نہ نقصان کریگا۔ نہ چیزوں کو بگاڑیگا۔ نہ خس و خاشاک پھیلائے گا۔ یہی وہ توقع ہے جو انسان سے اس داوری گاہ عالم میں کیگئی ہے۔

جب خود انسان بہترین جمال والا ہے۔ اور جس کون و مکاں میں وہ رہتا ہے۔ وہ بھی سراپا حسن و جمال ہے۔ تو پھر انسان کا احسن اعمال کو پیش نہ کرنا اور دنیاوی حسنہ و اخروی حسنہ کا طالب نہ ہونا اُسکی عقل و فہم سے بہت ہی بعید ہے۔

جملہ مخلوق کا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے حسین ہونا

(اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ) (سجدہ) ہر شے کو اُسکی اپنی خلقت اپنی بناوٹ میں بہت

خوشنما اور بہت خوب بنایا ہے۔

ہزاروں قسم کے پرندے ہیں۔ ہزاروں قسم کے پھول ہیں۔ ہزاروں قسم کے درخت ہیں ہر قسم کے جاندار زمین کے اندر رہنے والے۔ پیٹ کے بل چلنے والے پاؤں پر دوڑنے والے سمندروں کے اندر رہنے والے سو جود ہیں۔ اپنے اپنے رنگ اپنی اپنی وضع اپنے اپنے خواص۔ اپنی اپنی آواز۔ اپنے اپنے افعال ہیں اس قدر حسین و جمیل۔ خوش منظر اور زیبا پیکر واقع ہوتے ہیں کہ چشم انتخاب کو ترجیح دینا دشوار ہے۔

ختم بالخیر

تاریخ المشاہیر

ہندوستان کے مایہ ناز فرزند اور عہد حاضر کے مشہور مؤرخ علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری مصنف رحمۃ للعالمین و سیشن جج ریاست پٹیالہ کی ایک نئی تاریخی کتاب ہے جو اپنے رنگ میں بالکل نرالی اور اپنی طرز میں بالکل انوکھی ہے صاحب موصوف کی مشہور و معروف کتاب رحمۃ للعالمین کے پڑھنے والے اور اسکی تاریخی خوبیوں و علمی جوہروں کو سمجھنے والے اور اسکے مضامین کی سلاست فصاحت بندش و روانی کو جاننے والے تاریخ المشاہیر کے متعلق بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتاب کس پایہ کی ہوگی اور کتنی خوبیوں و رعنائیوں کا مجموعہ ہوگی۔

فاضل مصنف نے سیرت نبوی پر "رحمۃ للعالمین" لکھکر جہاں اس مسئلہ کو حل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ایسی ذات گرامی نہیں جسکی پیروی سے انسان ایک کامل انسان بن سکے وہاں اس "تاریخ المشاہیر" میں تصویر کا دوسرا رُخ دکھا کر دنیا پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ دیکھ لیجئے اُمت محمدیہ میں ایسے ایسے فاضل گذرے ہیں جنکی مثال دیگر اقوام میں صرف محال ہی ہے بلکہ ناممکن ہے۔

تاریخ المشاہیر میں فاضل مصنف نے ہر فن کے باکمال بزرگوں کے حالات جمع کر دیئے ہیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسلام میں وہ صاحب کمال گذرے ہیں کہ آج بھی لوگ انکی سیرت سے سبق لیکر کمال حاصل کر سکتے ہیں۔

تاریخ المشاہیر میں صحابہ کرام کے حالات بھی ہیں اور تابعین و تبع تابعین کے بھی مفسروں کے حالات بھی ہیں اور محدثوں کے بھی ائمان دین کے حالات بھی ہیں اور صوفیائے کرام کے بھی فقہا کے حالات بھی ہیں اور مشائخ کے بھی قاضیوں کے حالات بھی ہیں اور مفتیوں کے بھی شاعروں کے حالات بھی ہیں اور ادیبوں کے بھی حکیموں اور طبیبوں کے حالات بھی ہیں اور سیاحوں و ظریفوں کے بھی بادشاہوں اور خلیفوں کے حالات بھی ہیں اور وزیروں اور جرنیلوں کے بھی غرضیکہ وہ تمام حالات موجود ہیں جن سے آپ ہر قسم کی نصیحت و موعظت حاصل کر سکتے ہیں

تاریخ المشاہیر پڑھیئے کہ اس میں آپکو امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل امام محمد امام ابو یوسف امام فخر الدین رازی امام غزالی امام جبائی امام کاظم جیسے بیسیوں ائمہ کی پوری سیرت نظر آئیگی اور انکے وہ وہ حالات ملینگے جو اور کہیں نظر نہ آئے ہوں۔

تاریخ المشاہیر ہی وہ کتاب ہے جس میں آپکو امام الاولیا سید عبد القادر جیلانی بشر حافی داؤد طائی اور آقا شمس الدین جیسے بزرگوں روحانی پیشواؤں اور طریقت کے اماموں کے تفصیلی حالات ملیں گے ان کے کارنامے نظر آئینگے اور بڑے بڑے سبق حاصل ہونگے۔

تاریخ المشاہیر ہی وہ کتاب ہے جس سے آپ سلاطین اسلام کا دور اول بھی دیکھ سکتے ہیں اور دور آخر بھی امیر معاویہ کے زمانہ خلافت کے کارنامے بھی پڑھ سکتے ہیں اور حجاج بن یوسف کی داستانیں بھی ملوک حمیر کے آخری بادشاہ معتمد علی اللہ کی سیرت سے بھی سبق لے سکتے ہیں اور قاتل زندان سلجوقیہ کے بانی طغرل بیگ سے بھی ضحاک بن قیس کی سوانح عمری بھی پڑھ

سکتے ہیں اور نظام الملک کی بھی جو خلیفہ کے پہلے اور پچھلے تمام بادشاہوں کے وزیروں کے جرنیلوں بیسیوں سوانح عمریاں اس میں درج ہیں جن سے انسان بڑے سبق حاصل کر سکتا ہے۔

تاریخ المشاہیر وہ کتاب ہے جس میں حضرت حسان بن ثابت رضی جیسے قلمرو الکلام شاعر کے حالات بھی ہیں جنہیں زمانہ نبوی کا نامور شاعر کہنا چاہیئے اور ابو الفضل فیضی کے حالات بھی جو زمانہ اکبری میں چوٹی کا شاعر مانا گیا۔ اس میں ہیثم بن عدی اور ہمام فرزدق جیسے بیسیوں سخنور شاعروں کا تذکرہ بھی ہے اور ابو دلامہ جیسے ظریف تجربہ کار حاضر جواب ادیبوں کی ہسٹری بھی جن سے انسان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔

تاریخ المشاہیر ہی وہ کتاب ہے جس میں آپ کو قاضی شریح قاضی ابو یوسف قاضی احمد بن ابی داؤد طائی صدر الصدور مفتی صدر الدین جیسے نامور قاضیوں اور مفتیوں کے فتوے و فیصلے نظر آئیں گے جو دور اسلامی میں جاری ہوتے تھے اور جنہیں پڑھ کر آج ہم بہت سی عبرت حاصل کر سکتے ہیں

تاریخ المشاہیر کیا ہے اسلامی تاریخ کا ایک گنجینہ بے بہا دو صد سالہ کا خزینہ ہے جسے پڑھ کر ہم بیسیوں سبق حاصل کر سکتے ہیں اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں دوسروں کو اصلاح و فلاح کا رستہ بتا سکتے ہیں اپنے بچوں کو ان تاریخی حکایات سے بہلا سکتے ہیں نوجوانوں کی معلومات میں بیش بہا اضافہ کر سکتے ہیں اور اس ایک کتاب سے دینی و دنیوی رہنمائی کا کام لے سکتے ہیں

تاریخ المشاہیر قریبا پچاس سوانح عمریوں کا مجموعہ ہے گویا آپ اس کتاب کے مطالعہ سے پچاس کتابوں سے بے نیاز ہو سکتے ہیں لکھائی چھپائی نہایت اعلی ہے کاغذ بھی عمدہ ہے ٹائیٹل رنگین خوبصورت اور دیدہ زیب ہے ضخامت سوا دو سو صفحات ہے اور قیمت باایں ہمہ خوبی مجلد صرف عہ اور غیر مجلد صرف ۱۲ آنہ رکھی گئی ہے۔

اصحاب بدر

یہ کتاب رحمۃ للعالمین کے مشہور مصنف اور ہندوستان کے بانیاز مورخ علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری کی آخری تصنیف ہے جس میں آپ نے نہ صرف جنگ بدر کا پورا پورا فوٹو اور مکمل نقشہ کھینچ دیا ہے بلکہ ان تین سو تیرہ صحابہ کرام کے حالات بھی جمع کر دیئے ہیں جو تعلیم و تربیت پا کر لشکر اسلام اور کفر کی اس سب سے پہلی جنگ میں شریک ہوئے تھے اور حضور کے ایک ہی اشارے پر اپنی جانیں قربان کر دینے کیلئے تیار ہو گئے تھے۔ اگر سچ پوچھو تو آج اسلام کی یہ چہل پہل انہیں ۳۱۳ نفوس کے دم قدم کے صدقے میں نظر آ رہی ہے اگر اس وقت حضور کے ساتھ یہ ۳۱۳ ایثار و قربانی کے مجسم پتلے نہ ہوتے تو یقینا آج ہم بھی مسلمان نہ ہوتے پس اب ہمارا فرض ہے کہ انکے حالات پڑھیں انکے ایثار اور قربانی کے نمونے دیکھیں انکے اسلام اور ایمان سے سبق حاصل کریں اور صحیح معنوں میں انکی اقتدا کریں۔

یہ کتاب جس میں ۳۱۳ صحابہ کی سوانح عمریاں درج ہیں ہمیں پکا اور سچا مسلمان بنائیگی ہمارے مردہ دلوں میں زندگی کی ایک روح پھونکے گی ہمارے خون میں اسلامی جوش اور حرارت پیدا کریگی ہمیں ترقی کا قدم اٹھانے کی دعوت دے گی اور ایک دفعہ پھر معراج ترقی پر پہنچا دیگی۔

پس اسکی اشاعت بڑھانے کی ضرورت ہے اور احباب کو منگوانے کی ترغیب دیجئے لکھائی چھپائی نہایت اعلی اور قیمت صرف ۸ آنہ ہے۔

شرح اسماء اللہ الحسنیٰ

گو آجتک اسماء اللہ الحسنیٰ کے متعلق بیسیوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں مگر جسقدر جامع اور علمی شرح یہ کتاب علامہ دوران محقق زمان قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان پنشنر جج پٹیالہ نے لکھی ہے ایسی کوئی کتاب اردو زبان میں آجتک شائع نہیں ہوئی اس کتاب میں فاضل مصنف نے وہ وہ علمی و تاریخی جوہر دکھلائے ہیں کہ آپ نے کہیں نہ دیکھے ہونگے محققانہ طور پر آپ نے اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں کی تشریح انکی لغوی تحقیق انکی فلاسفی انکے مقتضیات انکے خواص انکے فوائد ایسے عجیب انداز اور دلکش پیرایہ میں لکھے ہیں کہ کتاب ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

اگر آپ بحکم حدیث مَن حَفِظَهَا دَخَلَ الجَنّة جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب ورد وظائف چھوڑ کر اسمائے الٰہی کی معرفت حاصل کریں انکے فیض و برکات سے استفادہ کریں انکی حقیقت اور اصلیت سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ ناممکن ہے جبتک آپ اس کتاب کا مطالعہ نہ کریں اسے اول سے آخر تک نہ پڑھیں

اس کتاب میں فاضل مصنف نے ننانوے مشہور ناموں کے علاوہ ڈیڑھ سو دیگر اسمائے الٰہی پر بھی روشنی ڈالی ہے جو مختلف احادیث سے ثابت ہیں لطف یہ کہ شروع کتاب میں ان تمام ناموں کا ایک مفصل نقشہ بھی دیدیا ہے جو نہایت محنت و عرقریزی سے مرتب کیا گیا ہے کیونکہ اس میں دکھایا گیا ہے کہ کون کون نام حدیث کی کس کس کتاب میں آیا ہے اور کس کس امام نے اسے لیا ہے اور کہاں لیا ہے۔

اگر آپ شریعت کی حقیقت اور طریقت کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور پڑھیں کیونکہ یہ ان دونوں فنون کی جامع کتاب ہے جو اس انداز سے لکھی گئی ہے کہ ہر اردو خواں اس سے فائدہ اٹھا سکے قیمت ۳

ملنے کا پتہ: مولوی محمد سلمان کمپنی سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ پنجاب

سیرت سلمان

یعنی

علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری

مصنف رحمۃ للعالمین وپنشنر جج پٹیالہ کی مکمل سوانح عمری

یوں تو قاضی صاحب مرحوم کے نام نامی و اسم گرامی سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہوگا مگر بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ مرحوم بے انتہا خوبیوں کے جامع اور بہت سے کمالات کا مخزن تھے۔

آپ نہ صرف ہندوستان میں ایک نامور مؤرخ ہی مانے گئے تھے بلکہ چوٹی کے شاعر بھی تھے اور اعلیٰ پایہ کے ادیب بھی تھے اور بیشمار کتب کے مصنف بھی، مدرس بھی تھے اور معلم بھی، محدث بھی تھے اور مفسر بھی، مبلغ بھی تھے اور مقرر بھی، مناظر بھی تھے اور فلاسفر بھی، جج بھی تھے اور مفتی بھی، غرضیکہ مذہب اور سیاست کے پورے ماہر اور اخلاق محمدی کا کامل نمونہ تھے۔ اس کتاب میں آپ کی زندگی کے تمام حالات جمع کر دیے گئے ہیں۔ اور اس خوبی سے جمع کیے گئے ہیں کہ عوام بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں اور خواص بھی، انگریزی خواں بھی مستفید ہو سکتے ہیں اور عربی دان بھی، علماء بھی اس سے سبق لے سکتے ہیں اور معمولی اردو خوان بھی، سب کیلئے یکساں مفید ہے:-

پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ اسے پڑھے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ اور قیمت صرف ایکروپیہ آٹھ آنے (عہ ۸) ہے:-

(ملنے کا پتہ)

مینجر مسلمان کمپنی سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ پنجاب۔